سر زمینِ انقلاب

(سفر نامہ)

سید علی اکبر رضوی

ناشر
جاوداں

۷۸٦

سر زمینِ انقلاب

(سفر نامہ)

سید علی اکبر رضوی

ناشر
جاوداں

کتاب کا نام : سرزمین انقلاب

مصنف : سید علی اکبر رضوی

سرورق : کاظم حسن

کتابت : جاوداں لیزر کمپوزرس، کراچی

ناشر : ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ، کراچی

طابع : اوکھائی پریس، کراچی

سنہ اشاعت : ۱۹۹۵ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : دو سو روپے

پیشکش

ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ

B-81, K.D.A. 1-A, Karachi 75350

Ph. Res : 4932750

مصنف نے زرِ تعاون کی تمام رقم بحق ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ کراچی کو وقف کردی ہے۔ اس لئے آپ کا تعاون اس ادارے کے لئے باعثِ معاونت اور آپ کے لئے باعثِ ثواب ہوگا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَا الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشَاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اے رسولؐ بگو بہ مردم کہ در سرزمین سیر کنید و ببینید کہ خدا چگونہ خلق را ایجاد کردہ پس نشاۃِ آخرت را ایجاد خواہد کرد (وحیوۃِ فانی بہ حیوۃِ جاودانی می پیوندد) کہ خدا بر ہر چیز تواناست ۔ (العنکبوت)

فارسی ترجمہ از استاد الہی قمشہ ای مرحوم (قرآنِ مجید انتشاراتِ رشیدی چاپ، تہران ۔)

○

آپ کہئے تم لوگ زمین پر چلو پھرو، پھر اس پر نظر کرو اللہ نے کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کیا پھر پچھلی بار بھی پیدا کرے گا ۔ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۔ (العنکبوت)

اردو ترجمہ از مولانا عبد الماجد دریا آبادی (قرآنِ مجید مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی ۔)

ھواللہ

توئی کہ از سرِ کلکِ تو ملک را نسق ست

صحیفۂ فلک از دفترِ تو یک ورق ست

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو معنون کرتا ہوں،

اپنی اہلیہ کے نام؛

جو اِس سفر میں میری رفیقِ سفر تھیں؛

○

اپنی بیٹیوں کے نام؛

خدمت گذاری جن کا شعار ہے

○

اپنے بیٹوں، ہادی، مہدی اور محسن کے نام:-

جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی اچھی تربیت کے سبب نہ صرف والدین کی بلکہ تمام اعزہ و احباب کی خدمت گذاری اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

دائماً گردوں مطیع و دہر مامورِ تو باد
دشمن دیں دائماً مغلوب و مقہورِ تو باد

چہرہ نما

الحاج سید علی اکبر رضوی ۱۹۲۴ء میں بھارت کے شہر اعظم گڑھ کے ایک دور افتادہ دیہات میں خانوادۂ سادات کے ایک متوسط درجہ کے کنبے میں پیدا ہوئے صغیر سنی میں والدین کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے ۔طالب علمی کا زمانہ معاشی نامساعد حالات کی وجہ سے سخت جدو جہد کا دور تھا اور

وہ کسی چیز کا محتاج نہیں
جس کو جینے کا ہنر آتا ہو

کے مصداق حالات کی نامساعدت کے باوجود انہوں نے ۱۹۴۳ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی ۔ ۱۹۴۴ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور پہلی تقرری کلکتہ میں ہوئی اور ایک سال بعد دہلی تبادلہ ہو گیا ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور وزارتِ صنعت سے منسلک ہو گئے ۔ ۱۹۴۹ء میں سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر قالینوں کے کاروبار کا آغاز کیا ۔ ۱۹۵۰ء میں پاک کارپٹس انڈسٹریز (پرائیوٹ) لمیٹڈ کے نام سے پاکستان میں قالین سازی کا پہلا باقاعدہ کارخانہ قائم کیا اور قالینوں کی برآمدات کا آغاز کیا اس اعتبار سے وہ پاکستان میں صنعتِ قالین کے موجد ہیں اسی لئے انہیں بابائے قالین بھی کہا جاتا ہے ۔ ۱۹۶۰ء میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے ۔ ۶۹ ۔ ۷۰ء میں قالینوں کی برآمدات میں نمایاں کارکردگی پر پریسیڈنٹ ایکسپورٹ پرفارمینس ٹرافی حاصل کی ۔ ۱۹۸۰ء میں مشینی قالین سازی کا ایک کارخانہ یونیک فیبرکس پرائیوٹ لمیٹڈ کے نام سے قائم کیا ۱۹۸۳ء میں بانڈیڈ کارپٹس پرائیوٹ لمیٹڈ کے نام سے اون کی مشینی قالین بافی کی صنعت کا آغاز کیا ۔ آل پاکستان کارپٹس اینڈ الائیڈ انڈسٹریز ایسوسی ایشن کے بانی صدر ہیں ۔ قالینوں کی برآمدات کے سلسلے میں دنیا کے تقریباً ہر ملک کا سفر کیا ۔ پاکستان میں قالینوں کی صنعت کو فروغ دینے میں نمایاں ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں ۔ مذہبی ، سماجی اور فلاحی کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں ۔ بہت سے اداروں کے روحِ رواں ہیں ۔ کتابیں پڑھنا اور نادر کتابیں جمع کرنا آپ کا محبوب مشغلہ ہے ۔ قرآن مجید کے بے شمار نسخے آپ کے پاس موجود ہیں ان میں تقریباً پچاس نادر مخطوطات بھی شامل ہیں ۔ شعر و ادب سے بے حد دلچسپی ہے ۔ ۱۹۹۳ء میں آپ کا پہلا سفرنامہ "کوہِ قاف کے اِس پار" شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہوا ۔ زیرِ نظر کتاب " سر زمینِ انقلاب " ان کا دوسرا سفرنامہ ہے ۔ ان کی تیسری تصنیف "سر زمینِ حجاز" کتابت و طباعت کے مرحلہ میں ہے ۔

طراحِ فکر را قلمت پیشکار باد
نقشِ تو لوحِ ورقِ روزگار باد

(ناظمِ ادارۂ جاوداں)

مستحضراتِ کتاب

ڈاکٹر سبط حسن رضوی
مدیرِ دانش ، اسلام آباد

سفر وسیلۂ ظفر

سفرنامہ مصنف کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے اس کی معلومات ، مشاہدات ، بیانات اور حالات کے طرزِ اظہار سے اس کی پسند و ناپسند معلوم ہوتی ہے اور اس کی جدتِ طبع ، دقتِ نظر اور عمقِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ازبکستان کے سفرنامے کے بعد یہ سید علی اکبر رضوی کا دوسرا سفرنامہ ہے جو ایران سے متعلق ہے اور ع

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشدزِ اول

کے مصداق پہلے سفرنامے سے زیادہ مفصل اور مکمل ہے ۔ ایک باشعور انسان کی تقریر یا تحریر کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور یہ مقصدیت زندگی کی روح اور ادب کی جان ہوتی ہے ۔ رضوی صاحب اگرچہ بساطِ ادب پر تازہ وارد ہوئے ہیں لیکن ان کے ان دونوں سفرناموں میں جگہ جگہ جو مقصدیت جلوہ گر نظر آتی ہے وہ ان کی پختہ کاری ، وسیع المشربی اور روشن ضمیری کی دلیل ہے ۔

ابلاغ فکر و نظر اور اظہار حسن عمل ہر انسان کی فطرت ہے لیکن جس سادہ، بے تکلف اور بے ساختہ انداز کو رضوی صاحب نے اس سفرنامے میں اپنایا ہے وہ زبان و بیان پر ان کے تسلط کا ثبوت ہے اور ان کے دل کی بات قاری کے دل تک پہونچ جاتی ہے، یہ بہت بڑی بات ہے ۔ ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

عام طور سے سفرناموں کو اول سے آخر تک کوئی ہنیں پڑھتا کیونکہ بسااوقات تکرارِ مکررات سے ایک اکتاہٹ سی پیدا ہوجاتی ہے اور یکسانیت قاری کو جلدی تھکادیتی ہے مگر اس سفرنامے میں اس قدر متنوع، دلچسپ اور لطیف باتیں ہلکے پھلکے انداز میں کچھ اس طرح یکے بعد دیگرے بیان کردی گئی ہیں کہ پڑھنے والا ورق پہ ورق الٹتا چلا جاتا ہے اور اس کو وقت کا احساس ہنیں رہتا اور ہوائی سفر کی طرح آناً فاناً مناظر بدلتے رہتے ہیں

ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

یہ حیرانی اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب مصنف کے ساتھ ساتھ آپ شہروں کا، مکانوں کا اور مکینوں کا حال پڑھتے ہیں جس میں مستند تاریخ، منقش جغرافیہ، منطقی فراست، مذہبی عقیدت، مشرقی ثقافت، بصیرت افروز عبرت، حسنِ اخلاق کے کرشمے اور کدوکاوش کے نتیجے سبھی کچھ مل جاتے ہیں ۔ مثال کے لئے کچھ جھلکیاں ضروری ہیں

" تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

عوام کی پے درپے کامیابیاں علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر کی طرف پہلا قدم ثابت ہوئیں ۔ ایرانی علامہ اقبال کے شیدائی ہیں اور انہیں عموماً اقبال لاہوری کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ عوام تو عوام جید علمائے کرام بھی ان کی بصیرت کے قائل ہیں ۔ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں ڈاکٹر فریدنی مرحوم اور رہبر ایران آقای خامنہ ای جیسی ہستیاں شامل ہیں جو اپنی تقاریر میں علامہ اقبال کے اشعار برابر استعمال کرتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فارسی لکھنے اور پڑھنے والے روز بروز پاکستان میں کم ہوتے جاتے ہیں اور اگر سلسلہ یونہی چلتا رہا تو کچھ دنوں بعد فارسی داں ہمارے ملک سے ختم ہوجائیں گے ۔ انگریزوں کی آمد تک اس خطے کی سرکاری زبان فارسی تھی آج یہاں اس کا چلن ختم ہوتا جارہا ہے ، پاکستان کے قومی شاعر علامہ اقبال کا بیشتر کلام جو تقریباً ستر فیصد پر محیط ہے ، فارسی ہی میں ہے ، آخر اسے کون سمجھے گا اور کیا ان کی روح تڑپ نہیں رہی ہوگی آخر اس کا ذمے دار کون ہے ۔ حکومت کے ایوانوں میں بیٹھنے والے سیاسیات میں تو ان کا نام بار بار لیتے ہیں لیکن ان کے کلام

کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہے آخر یہ کم نگاہی کب تک رہے گی ۔ اہلِ اقتدار کو سوچنا چاہئے کہ جب ان کے کلام کے سمجھنے والے نابود ہو جائیں گے تو اُن سے استفادہ کیسے کیا جاسکتا ہے ۔"

" ہم قرآنِ مجید کی تلاوت صرف ثواب کی خاطر کرتے ہیں نہ تفکر کرتے ہیں نہ تعقل نہ تو تدبر کرتے ہیں اور نہ تامل ۔ زور تقلید ، بیعت اور مریدی پر دیا جاتا ہے حالانکہ دینِ اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے ۔ ہم روحِ اسلام اور روحِ قرآن سے دور ہوتے جا رہے ہیں ۔ ہم صرف قرآنی تعلیمات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور عمل میں کورے ہیں ۔ ہم تو فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں ۔ کاش ہمارے علمائے کرام فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے قرآنی تعلیمات عام کرنے میں لگ جائیں خود عامل ہوں اور دوسروں کو دعوتِ عمل دیں ، حضورِ اکرمؐ کا اتباع کریں اور ان کا اخلاق اپنائیں ۔ آمین "

اب اگر آپ ان عبارات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پڑھیں تو بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کسی سفرنامے کی عبارتیں ہو سکتی ہیں مگر " سر زمینِ انقلاب " میں ایسی بہت سی عبارتیں آپ کو نظر آئیں گی جو " بیانیہ " نہیں بلکہ " فکریہ " بھی ہیں اور پڑھنے والے کو ٹھہر کر سوچنے پر مجبور کرتی ہیں اس سفرنامے کے مطالعے کے دوران آپ کو ایسے مقامات اکثر ملیں گے جہاں

آپ خود ٹھہر کر مصنف سے ہمکلام ہوں گے ۔

کتاب کا نام " سر زمینِ انقلاب " بہت مناسب ہے ۔ یوں تو دنیا انقلابات کی آماجگاہ ہے لیکن آج کے دور میں ایران کا اسلامی انقلاب ایک معجزہ ہے ۔ برِ صغیر میں پاکستان کا وجود میں آنا اور ایران میں اسلامی انقلاب کا آنا دونوں ہمارے زمانے کے امیدافزا واقعات ہیں جو دنیائے اسلام کیا بلکہ پورے جہانِ انسانیت کے تابناک مستقبل کے لئے نویدِ جانفزا ہیں بشرطیکہ ہم خدا اور رسولؐ پر پورا اعتماد رکھتے ہوئے اپنے اوپر بھی اعتماد کو مستحکم کریں اور اچھے شہری ، سچے مسلمان اور مثالی انسان بننے کی کوشش کریں اور اس سفرنامے کے اکثر مقامات آپ کو ایسے ہی پاکیزہ افکار کے لئے اشاراتی مواد فراہم کرتے ہیں ۔ یہ بات ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایران کا اسلامی انقلاب اپنے وسیع دامن میں تعلیمی ، معاشی ، ثقافتی ، معاشرتی ، سیاسی ، اقتصادی اور فکری انقلابات کی بشارتیں رکھتا ہے بشرطیکہ دردمند انسانوں کا ایک بین الملکی گروہ ان مسائل پر طبقاتی تعصبات سے بالاتر ہوکر مشترکہ طور پر غور کرے اور انقلابی طرزِ زندگی کو اپنائے اور یہ حقیقت ہے کہ نفرتوں کو محبتوں میں تبدیل کرنے کے لئے سوءِ تفاہم کو حسنِ تفاہم میں بدلنے کے لئے سفر " وسیلۂ ظفر " ہے ۔ اچھے سفرنامے دراصل محبتوں کے پل ہوتے ہیں جو طرفین میں اخوت اور برادری کا جذبہ پیدا کرتے ہیں ۔ انسان ، انسان ہے چاہے مشرق کا ہو یا مغرب کا اس سے محبت کرنا چاہیئے ۔ علی اکبر رضوی صاحب کے دونوں سفرنامے " کوہِ قاف کے اِس پار " اور " سرزمینِ انقلاب " اسی فلسفۂ محبت کے داعی ہیں ۔

اس سفرنامے میں مذہبی شخصیتوں کے ساتھ ساتھ شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور تاجروں کے تذکرے بھی بہت سے آئے ہیں جس سے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے قاریوں کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم ہوتا ہے - یہ بات مصنف کی وسعتِ معلومات پر بھی دلالت کرتی ہے - نثر کو شعروں سے مزین کرنے کا سلسلہ بہت پرانا ہے - گلستان سعدی اس کی بہترین مثال ہے - اردو میں محمد حسین آزاد، سر سید احمد خان، حالی، شبلی، ابوالکلام آزاد، علامہ مشرقی، مسعود الحسن ادیب، احتشام ماہلی، راشدالخیری، شوکت تھانوی، چودھری فضل حق، ابن انشاء، جمیل الدین عالی اور دوسرے نثرنگاروں نے بڑے سلیقے سے منتخب اشعار کا استعمال کیا ہے - رضوی صاحب نے بھی اسی قرینے کو اپنایا ہے اور اس سے متن میں چاشنی پیدا ہوگئی ہے -

ایران کے دوسرے قابل دید شہر شیراز و اصفہان و تبریز ہیں - شیراز سعدی و حافظ کا شہر ہے، اصفہان ایران کا لاہور ہے جس میں تاریخی عمارات بکثرت ہیں اور صنعتی شہر ہے - تبریز بہت سی انقلابی تحریکوں کا مرکز رہا ہے لیکن رضوی صاحب وقت کی کمی کی وجہ سے ان قابل دید مقامات پر نہ جا سکے اگرچہ وہ ان شہروں کی کئی بار سیاحت کر چکے ہیں - ایران کا سفر کرنے والے زائرین اور سیاحوں کے لئے یہ سفرنامہ ایک " رہنمائے سیاحت " کا کام دیتا ہے جس میں بہت سی ضروری معلومات باتوں باتوں میں درج کردی گئی ہیں اس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا ہے - اگرچہ میں دس مرتبہ

ایران جاچکا ہوں لیکن پھر جانے کی خواہش ہے۔

رضوی صاحب نے یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ اس کے بعد وہ تیسرا سفرنامہ "سفرِ مکہ و مدینہ" کے متعلق لکھیں گے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ظاہر ہے کہ جب اس سرزمینِ حرم کے مناظر اور مقامات کے عکاسی وہ اپنے منفرد انداز میں کریں گے تو "دل پھر طوافِ کوئے مقدس کو تڑپے گا"۔ جس طرح خط نصف ملاقات کے برابر ہوتا ہے اسی طرح ایسے سفرنامے کا مطالعہ بھی نصف سیاحت کے مترادف ہوتا ہے۔ گھر بیٹھے جنت کی گلیوں کی سیر ہوجائے گی۔

آخر میں میں محترم ظفر جونپوری صاحب کی اس تجویز کی بھی تائید کروں گا کہ آپ سوانح عمری بھی لکھ ڈالئے جو ملکوں کی داستان بھی ہوگی اور حریتِ فکر و قلم کا نشان بھی اور پھر "ابنِ بطوطۂ دوراں" کا لقب آپ پر صادق آئے گا۔

حکیم محمد سعید

(چانسلر ہمدرد یونیورسٹی، کراچی)

ایران کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ

" سر زمینِ انقلاب " جناب محترم سید علی اکبر رضوی کا سفرنامۂ ایران ہے۔ میں نے جستہ جستہ اسے پڑھا تو رائے یہ قائم ہوئی کہ " سر زمینِ انقلاب " ایک سفرنامے سے زیادہ ایران کی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ پر اشارات ہیں۔ عظیم شخصیاتِ ایران کا ہلکا سا تعارف ہے۔ بہ حیثیتِ مجموعی یہ رودادِ سفر دل چسپ ہے۔

" سرزمینِ انقلاب " میں انڈیا آفس لائبریری کا ایک تجربہ جناب رضوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس لائبریری کو میں نے بھی دیکھا ہے ہزارہا مخطوطات یہاں جمع ہیں۔ قرآنِ حکیم کے متعدد نسخے موجود ہیں جن میں سے دو کی زیارت کر کے رضوی صاحب نے دل تھام لیا۔ علامہ اقبال کا بھی دل سی پارہ ہوا تھا۔ اس وقت دنیا کی متعدد لائبریریوں میں کم از کم تین ملیون مخطوطات موجود ہیں۔ در حقیقت یہ مسلمانوں کے دورِ عروج کے کارنامہ ہائے علمی، سائنسی، تہذیبی و ثقافتی ہیں۔ یہ مخطوطات ہماری تاریخ ہیں مگر ہم ان سے اس طرح صرف نظر کئے ہوئے ہیں کہ گویا وہ ہمارا سرمایہ حیات ہی نہیں۔ اسبابِ زوال امہ میں ایک سبب علم و حکمت

سے بے گانگی بھی ہے۔

مجھے ہمیشہ مسرت حاصل ہوتی ہے کہ جب ایک مسافر گھر سے نکل کر مطالعۂ عالم کر کے لوٹتا ہے تو اپنے تاثرات اہل وطن تک پہنچا دیتا ہے۔ اس اعتبار سے جناب سید علی اکبر رضوی خوش قسمت ہیں کہ وہ یہ خدمت کر سکے۔

سید ہاشم رضا

(سابق گورنر مشرقی پاکستان)

سفر ہے شرط

خواجہ حیدر علی آتش نے کہا تھا

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

میں سید علی اکبر رضوی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے دو سفرنامے لکھے ۔ "کوہِ قاف کے اِس پار" اور "سرزمینِ انقلاب" جن کے پڑھنے والوں کو "دوآتشہ" کا لطف آتا ہے ۔

ازبکستان اور ایران دونوں ملک اسلام کی تہذیب اور تمدن ، تاریخ اور ثقافت کے بین نمونے ہیں ۔ فارسی زبان کی شیرینی دو عالم میں مشہور ہے ۔ حافظ ، خیام ، فردوسی ، نظیری ، طالب آملی ، بیدل ، عرفی ، خسرو ، غالب اور اقبال کے اشعار زبان زدِ عام ہیں ۔ ہمارے طالبِ علمی کے دور میں سعدی کی "گلستاں" اور "بوستاں" اور خسرو کی "خالقِ باری" کے بغیر مکتب کی تعلیم پوری نہیں ہوتی تھی ۔ جب رضا شاہ کبیر نے تہران میں

جشنِ فردوسی منعقد کیا تو ہندوستانیوں کے نمائندے کے حیثیت سے علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن کو دعوت دی جو ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ علی گڑھ میں فارسی کے ڈین تھے، ہادی حسن صاحب فارسی ایرانیوں کی طرح اور انگریزی انگریزوں کی طرح بولتے تھے، وہ فردوسی سیمینار کے آخری مقرر تھے اور جب انہوں نے کہا "شنیدہ بودم کہ فردوسی شاہانِ ایران را زندہ کرد، امروز دیدم کہ شاہِ ایران فردوسی را زندہ کرد" تو شاہِ ایران پھڑک اٹھے، ہادی حسن صاحب کو گلے لگایا اور کہا کہ اس جملے کے بعد اب کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی اور سیمینار کے اختتام کا اعلان کردیا۔

فارسی اور اردو کا چولی دامن کا ساتھ ہے میں جب اردو کا یہ شعر کسی ایرانی کو سناتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو فارسی کا شعر ہے

قیامت اے دلِ ناشاد کردی
بہارِ زندگی برباد کردی

سید علی اکبر رضوی کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے ایران کا سفر اس تاریخی انقلاب کے بعد کیا جس کے بانی امامِ خمینیؒ تھے - ایران میں انہوں نے صحیح اسلامی معاشرہ دیکھا، حجاب میں خواتین کو دیکھا جو مردوں کے دوش بدوش اپنے ملک کو خوب سے خوب تر بنانے میں مشغول تھیں - انہوں نے ایسے مسافرنواز حضرات کو دیکھا جن کے لئے کسی نے کہا تھا

دل تھا اداس عالمِ غربت کی شام تھی
کیا وقت تھا کہ تم سے ملاقات ہوگئی

ایسے ایرانی حضرات اور بیگمات نے ان کو اور ان کی شریکِ حیات کو محبت سے نوازا جس شفقت سے وہ دوسروں سے ملے وہی شفقت ان کو دوسروں سے ملی ۔

کیا خوب سودا نقد ہے
اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

رضوی صاحب کا تیسرا سفر مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کا ہوگا ، خدا انہیں یہ سفر مبارک کرے اور وہ اپنے دوستوں کو اس سفر کی برکات سے نوازیں ، ان کے دل میں اسلام کی جو تڑپ ہے اس کا نقطۂ عروج مکے اور مدینے ہی میں پہنچتا ہے ۔ مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ایسے سفرناموں کی وجہ سے سید علی اکبر رضوی صاحب پر شیخ ابراہیم ذوق کا یہ شعر عائد ہوتا ہے

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے یہی نا ، کہ دو پشت چار پشت

جسٹس ایس ۔ اے ۔ نصرت

(سابق چیف الیکشن کمشنر، پاکستان)

ادب پارہ

سید علی اکبر رضوی صاحب اپنے سفرنامے "کوہِ قاف کے اِس پار" کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کے بعد ادبی دنیا میں اپنا ایک مقام حاصل کر چکے ہیں ۔ اب انہوں نے "سرزمینِ انقلاب" کے عنوان سے اپنا دوسرا سفرنامہ ایران کی سیاحت کے بارے میں تحریر کیا ہے جو نقشِ اول سے زیادہ دلچسپ ہے ۔ امید ہے کہ اس کی پذیرائی بھی دوچند ہو گی ۔

رضوی صاحب اپنے سفر میں قاری کو اپنے ساتھ سفر میں مصروف رکھتے ہیں ۔ ان کا طرزِ بیان ایسا ہے جیسے وہ آپ سے ہمکلام ہوں ، ایسے میں آپ ان کی بزم سے اٹھ کر بھلا کیسے جاسکتے ہیں ۔

وہ مختلف مقامات کی سیر بھی کراتے ہیں اور ہر جگہ کے جغرافیائی حالات کا تاریخی پس منظر اور وہاں کی ثقافت کے بارے میں بھی بتاتے جاتے ہیں ۔

ایران کا سفر کرنے والوں کے لئے یہ مفید معلوماتی کتاب ہے ۔ اس سفرنامے کو رضوی صاحب نے فارسی شعراء کے کلام کے اچھے نمونے شامل

کر کے ، ایک ادبی شکل بھی دے دی ہے ۔ سفر کے اختتام پذیر ہو جانے کے بعد بھی فارسی اشعار کی شیرینی اس کتاب کو بار بار اٹھا کر پڑھنے پر اکساتی رہتی ہے ۔ اس طرح یہ سفرنامہ بھی ہے اور ادب پارہ بھی جو فارسی کے نامور شعراء کے کلام کے چناؤ (Selection) کے سبب رضوی صاحب کی زباں دانی اور سخن فہمی کا مظہر ہے ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سفرنامہ نویسی کے علاوہ رضوی صاحب ماشاءاللہ ادب کی خدمت بھی بخوبی کرسکتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ انہیں اسی طرح سفر کرنے اور ہمیں سیر کرانے کی اس سے بہتر توفیق عطا فرمائے ۔

دکتر محمد حسین تسبیحی رہا

چراغ معرفت یا بهشت بهشت

۱۹۹۴م ۱۴۱۴ھ ق

(در وصفِ سفرنامہ ایران تالیفِ منیف جناب آقای الحاج سید علی اکبر رضوی ساکن کراچی، پاکستان)

یکی دانشور و دانا سخندان سفرنامه نوشته بهر ایران
گلستانِ محبت کرده جاوید به لطفِ حضرتِ دادارِ سبحان
به نسبت بارضا گردیده رضوی بود سیدعلی گویای قرآن
علی اکبر بود نامِ شریفش به ساداتِ رضا باشد نواخوان
سراسر کشورِ ایرانِ اسلام به عشقِ حق سپرده راهِ رحمان
به خوش گفتاری آورده بشارت برای مردم از شاهِ خراسان
قم و تهران و نیشابور و مشهد جهانگردی نموده بادل وجان
نواخوانی نموده در نشابور برای حضرتِ عطارِ عرفان
شده مفتونِ خیامِ سخنور رباعی گوی و استادِ حکیمان
کمال الملک نقاشِ هنرور بود درگاهِ عشاقِ هنردان

به درگاهِ حکیمِ طوس بوده حماسه گوی بزم و رزمِ ایران

تمامِ کوچه های شهرِ تهران شده مهدِ محبت های نیکان

روایت ها شنید از مردمِ ری همان عبدالعظیمِ پاک بنیان

به درگاهِ خمینیؒ گشته حاضر خمینیؒ جان خمینیؒ جانِ جانان

به گوشِ او رسید اللہ اکبر مناجات و نوای راز گویان

برای شهر بانو یک زبان شد به جان و دل به بی بی بسته پیمان

همه شیراز و آثارِ کهن را همان شاهِ چراغ عشق بازان

غزل از حافظ و سعدی شنیده به فالِ حافظ و پندِ گلستان

سی و سه پل شده پیمانگرِ دل تمامِ شهر زیبای صفاهان

هوای زنده رود و آبِ رکنی به شیراز و صفاهانِ گلستان

شده محرابِ مسجد مامنِ دل مساجد یادگارِ حق پرستان

همین سیدعلی با همسرِ خود بدیده کوچه و بازارِ تهران

الهی زنده و پاینده باشد علی اکبر چو خورشیدِ درخشان

شده مجذوبِ زیبائی به هرجا خصوصاً انقلابِ پاکِ ایران

شده گوینده در هر کوی و برزن جهانگردی نموده چون جوانان

هم او پیمانگرِ مهر و محبت شده چون جان به پیشِ جانِ مهمان

رسیده هر کجا این سیدِپاک به خلق و خوی خوش گوهر فشانان

بود عرشِ خدا در قلبِ پاکش که باشد مؤمنِ پاکِ مسلمان

سراسر جلوهٔ حق در کتابش حقوقِ بندگان و عشقِ انسان
جهانِ عشق و ایمان در کلامش صفای قلبِ پاکِ مهر بانان
قلم در دستِ او گوید سخن ها بود اندیشه‌اش سیف و قلمدان
سفرنامه سخن از انقلاب است سخن از لالهٔ سرخِ بهاران
به تاریخ سفرنامه سرودم حروفِ ابجد و الفاظ آسان
به تاریخ مسیحی گفته آمد سفرنامه فروغِ حبِ ایران
۱۹۹۴م
به عیسائی بخوان تاریخ دیگر سفرنامه تفاخر یادِ ایران
۱۹۹۴م
" چراغ معرفت " روشن نموده برای گلشن و گلزارِ خوبان
۱۹۹۴م
به هجری هاتفِ دانا سروده سفرنامه درِ بستانِ ایران
۱۴۱۵ھ ق
زِ تکرارِ " بهشت " تاریخ روشن یکی تاریخ هجری از نوا خوان
۱۴۱۴ھ ق
دگر تاریخ هجری این چنین است سفرنامه بهشتِ اوج ایران
۱۴۱۵ھ ق
به خورشیدی چنین گردیده تاریخ سفرنامه سرورِ راحِ ایران
۱۳۷۳ھ ش
منم گویای اشعارِ فریبا خصوصاً از برای لطف و احسان
علی اکبر یکی قصه نوشته نشانِ عشقِ پاکِ آلِ رضوان

کراچی منزل و ماوای جانان کراچی درگه و دربارِ او شد

به پاکستان و ایران گلستان رها ہموارہ یار و ہمرہ او

علی اکبر چو خورشیدِ درخشان الٰهی زنده و پاینده باشد

سفر نامہ ابھی پریس میں تھا کہ جناب آقای دکتر محمد حسین تسبیحی رہا ناظم کتاب خانۂ مرکزِ تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد سے دسمبر ۱۹۹۴ء میں بسلسلۂ یوم انیس نیاز حاصل ہوا محترم دکتر تسبیحی نے تاریخ تصنیف کے سلسلے میں دو اور نام تجویز فرمائے جو حسبِ ذیل ہیں:

سرزمینِ جاویدِ انقلابِ اسلامی ایران

۱۹۹۴م

سفرنامۂ جاویدِ سرزمینِ انقلابِ اسلامی ایران

۱۴۱۵ھ ق

پروفیسر ظفر حسن ظفر جونپوری

اے کاش ظفر، روز ہو رضوی سے ملاقات

ہیں مردِ خوش اوقات علی اکبر رضوی
صد لائقِ تحسین ہر اک بات ہے ان کی

قالین کی دنیا میں بڑا نام ہے ان کا
جو دل میں اتر جائے وہ پیغام ہے ان کا

پابندی مذہب بھی ہے اور دل بھی کشادہ
اسلاف کا جادہ جو وہی ان کا بھی جادہ

ٹھہراؤ طبیعت میں ، توازن ہے عمل میں
الجھے نہ کبھی اپنے لئے جنگ و جدل میں

دنیا کے برتنے کا سلیقہ اہنیں معلوم
یہ خوب سمجھتے ہیں ، جو ہے زیست کا مفہوم

پڑھنے کا اہنیں شوق ہے ، لکھنے کی لگن ہے
جس میں نہ خزاں آئے گی ، ایسا یہ چمن ہے

الفاظ ہیں سادہ ، تو عبارت بھی رواں ہے
کہتی ہے سلاست ، کوئی ابہام کہاں ہے

رودادِ سفر لکھ کے بڑا نام کیا ہے
یوں گردشِ ایام کو ناکام کیا ہے

اے کاش ظفر ، روز ہو رضوی سے ملاقات
ہو جائیں حسین اور بدلتے ہوئے حالات

ڈاکٹر اسد اریب
چیرمین شعبہ ادبیاتِ اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، ملتان

تہذیبی نقطۂ نظر

لیجئے ! معلوماتی ادب میں ایک اور خوشگوار اضافہ ہوا۔ سید علی اکبر رضوی کی یہ دوسری کتاب "سرزمینِ انقلاب" بھی آ پہنچی۔ اس سے پہلے وہ سنٹرل ایشیا کی روداد سفر "کوہِ قاف کے اِس پار" بھی لکھ چکے ہیں۔

یہ نامۂ سفر، ایران کی جدید اسلامی ریاست کے بارے میں ہے۔ ایران کا ملک دنیا کے قدیم ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے لہذا اس کے بارے میں سفرناموں کی کوئی کمی نہیں۔ ایران کے سفرنامے برسہا برس سے لکھے جارہے ہیں لیکن امورِ ریاست کے حوالے سے اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے بعد اس ملک میں جو واقعتاً انقلابی تبدیلیاں آئیں، اور اس ملک کو اسلامی کردار کے حوالے سے جو امتیاز حاصل ہوا یہ سفرنامہ ان سب ترقیوں کی گواہی دیتا ہے جدید اسلامی ایران کے سیاسی، تہذیبی اور انتظامی ترقی کے اس پس منظر میں اس سفرنامے کو پڑھ کر مقاصدِ انقلاب اور زیادہ واضح نظر آتے ہیں۔

اس سفرنامے کو رضوی صاحب نے محض ایک آیند و روند مسافر کی

طرح نہیں لکھا، بلکہ ایران کو اس کے خاص تہذیبی اور اسلامی تناظر میں رکھ کر ایران کی یہ روداد سفر لکھی ہے جو دو اعتبار سے قابلِ توجہ ہے۔ ایک طرف معلومات فراہم کرتی ہے اور دوسری طرف اقوامِ عالم کو دعوتِ عمل دیتی ہے۔

سب سے زیادہ قابلِ التفات بات جو مجھے اس کتاب میں نظر آئی وہ رضوی صاحب کا تہذیبی نقطۂ نظر ہے۔ ایران کے اس سفر میں انہوں نے یہاں کے ادبی، ثقافتی اور تہذیبی منظر کی جو تصویر کشی کی ہے وہ ان روحانی تاثرات کے اظہار محض سے بہت آگے ہے، جو "روضۂ رضاؑ" پر حاضری دینے والے ہر زائر پر عموماً طاری رہتے ہیں۔ ایران کے ملک کو تہذیب، شاعری، ادب، حسن اور نفاست سے جو والہانہ تعلق ہے اور جس کا مظہر ان کی عمارتیں، نقاشی، خطاطی اور فنونِ لطیفہ ہیں، رضوی صاحب نے اپنے اس مطالعے میں ان مظاہر کو کہیں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔

فی الواقع یہ ایک ایسا نامۂ سفر ہے جسے ایک باریک نظر، بے خوف اور محفوظ الامان مسافر نے احساس کی تمام تر سچائی اور جذبات کی مکمل صداقت کے ساتھ لکھا ہے۔ جس میں ہمیں سیدھے سادے صاف اسلوب میں بے لاگ تبصرے کے علاوہ جدید ایران کے حوالے سے بہت سی ایسی باتیں بھی ملیں گی جنہیں پہلے لوگوں نے محسوس ضرور کیا لیکن تجزیئے اور احساس سے آگے بڑھ کر جرأتِ اظہار تک نہیں پہنچایا تھا۔

حسین انجم
مدیرِ طلوعِ افکار، کراچی

مہبطِ افکارِ عالی

جناب علی اکبر رضوی پاکستان کے بہایت ممتاز قالی ساز و قالی فروش ہیں ۔ انہوں نے اپنے کارخانے کے مصنوعہ قالینوں کی فروخت کے لئے کرۂ ارض کا بارہا طواف کیا ہے اور دنیا کا کونا کونا چھان مارا ہے ۔ شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جو ان کی کاروباری تگ و تاز کی جولاں گاہ بننے سے محفوظ و مامون رہا ہو ۔ قدرت نے انہیں صنعت و تجارت کی اعلیٰ سوجھ بوجھ کے دوش بدوش حکیمانہ دانش و بینش سے بھی سرفراز فرمایا ہے ۔ انہیں اپنے مشاہدات و تاثرات دلچسپ و دلپذیر انداز میں رقم کرنے کا فن آتا ہے ۔

" کوہ قاف کے اِس پار " کے بعد " سر زمینِ انقلاب " ان کا دوسرا سفرنامہ ہے ۔ وہ دولت کی فراوانی کے باوصف گدازیِ قلب کی نعمت سے بہرہ ور ہیں ۔ ان کی تحریر میں درمندی جھلکتی ہے ۔ وہ پابندِ صوم و صلوۃ مسلمان اور بہت نفیس انسان ہیں ۔ یہ چار مصرعے ان کی نذر ہیں :

علی اکبر تجارت کارِ قالی
جہاں گرد و جہاں بینِ مثالی
دلش غواصِ بحرِ حبِ یزداں
دماغش مہبطِ افکارِ عالی

فصاحت حسین سید

(ایگزیکٹو وائس چیرمین فرینڈز ، پاکستان)

از دل خیزد بر دل ریزد

سید علی اکبر رضوی کا سفرنامہ " سرزمینِ انقلاب " اردو ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے ۔ یہ سفرنامہ برادر اسلامی ملک ایران کے تناظر میں لکھا گیا ہے ۔ اندازِ بیان حد درجہ دلچسپ اور دلنشین ہے اور شروع سے آخر تک قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے ۔ اکتاہٹ نام کی کوئی چیز قریب پھٹکنے نہیں پاتی ، رضوی صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی ہر بات قاری کے قلب پر گہرا اثر ڈالتی ہے ، اور ایسا کیوں نہ ہو .... از دل خیزد ، بر دل ریزد !!

مصنف نے یہ سفرنامہ ، محض سیر و سیاحت کی تفصیلات بیان کرنے کی غرض سے نہیں لکھا ، بلکہ انہوں نے ایران کو ایک خاص تہذیبی اور اسلامی تناظر میں دیکھا ہے ۔ اس سرزمین سے اسلامی احیا کے پھوٹتے ہوئے چشموں کا اپنی چشمِ وا سے مشاہدہ کیا ہے اور اس سارے منظر کو اس عمدگی سے بیان کیا ہے کہ انقلابِ ایران کی روح پرور تصویر ، آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے ۔ اس سفرنامے میں ہمیں ایران میں مروج ، اسلامی اصولوں ، روایات ، کلچر اور تہذیبی رچاؤ کا سیر حاصل تذکرہ ملتا ہے اور

تاریخی ، تہذیبی اور ثقافتی اقدار پوری جزئیات کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہیں ۔

جزئیات نگاری میں رضوی صاحب کو کمال حاصل ہے ۔ انہوں نے کیمرے کی آنکھ سے واقعات کی جزئیات کو سمیٹا ہے اور اس پر یوں اضافہ کیا ہے کہ ان واقعات کی تہ میں رونما ہونے والے محرکات کا فاضلانہ تجزیہ بھی پیش کر دیا ہے ۔ اس طرح ان کا سفرنامہ جزئیات نگاری کے سارے تقاضے پورا کرنے کے ساتھ ، تہذیبی عوامل کے مضمرات کو بطریقِ احسن اجاگر کرتا ہے ۔

کتاب کے شروع میں مصنف نے ایران کے تاریخی ، جغرافیائی ، تہذیبی ، تمدنی ، علمی اور ثقافتی حالات کا جائزہ پیش کیا ہے ۔ انہوں نے اس بات کا بطورِ خاص تذکرہ کیا ہے کہ ایران ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور اس سرزمین میں تاریخ کے مختلف ادوار میں بڑے بڑے علمی اور ثقافتی مراکز قائم تھے ۔ مشہد ، نیشاپور ، رے ، شیراز ، تبریز ، اصفہان اور قم میں قائم ہونے والے مراکز کو آج بھی عالمی شہرت حاصل ہے ۔ بڑے بڑے مشاہیر ، مثلاً زکریا رازی ، بو علی سینا ، فارابی ، غزالی ، ابوریحان البیرونی ، خواجہ نصیرالدین طوسی ، سعدی ، حافظ ، مولانا رومی ، عمر خیام اور عطار نیشاپوری ، اسی سرزمین میں پروان چڑھے ۔ یہ مشاہیر آج بھی علم و ادب کے افق پر جھلمل جھلمل کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

رضوی صاحب کا یہ انکشاف حد درجہ ایمان افروز ہے کہ انقلابِ ایران دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا منفرد انقلاب ہے جس میں اقتدارِ اعلیٰ

غاصب قوتوں سے چھین کر عوام تک منتقل کیا گیا ہے ۔ ورنہ ماضی کا تجربہ تو شاہد ہے کہ غاصبوں کے ایک ٹولے سے اقتدار، سرک کر، چیرہ دستوں کے دوسرے ٹولے کی جھولی میں جا گرتا ہے اور اس عمل میں عوام بیچارے ہزار قربانیوں کے باوجود ظلم کی چکی میں پستے چلے جاتے ہیں ۔ انقلابِ روس اور انقلابِ فرانس کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں ۔ انقلاب کے نام پر انسانیت کے دامن کو جس بے دردی سے تار تار کیا گیا، اس کے تصور سے ہی انسانی روح کانپ اٹھتی ہے ۔

سید علی اکبر رضوی نے اپنے سفرنامے میں عقلی دلائل کی روشنی میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ وہ ہوائی جہاز کی برق رفتاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہوائی سفر کے دوران اگر مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے تو پھر ہم یہ بات کیوں سوچتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معراج کی نوعیت روحانی تھی یا جسمانی ۔ وہ پورے تیقن کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان جب اللہ کی عطا کی ہوئی عقل کے سہارے فضاؤں کا سینہ چیر سکتا ہے، تو پھر خالقِ کائنات کے لئے یہ کام کون سا مشکل ہے کہ وہ حبیبِ پاکؐ کے لئے زمین اور آسمان کے تمام فاصلوں کو سمیٹ دے

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

مصنف اس بات پر دلفگار ہیں کہ ہم مسلمان، قرآنِ مجید کی تلاوت

تو ضرور کرتے ہیں مگر اس کی آیات پر تفکر اور تدبر کی زحمت گوارا ہنیں کرتے ، درآنحالیکہ قرآن ہمیں قدم قدم پر تدبر اور تامل کی دعوت دیتا ہے ۔ اسی کوتاہ بینی کی بناء پر آج ہم روح اسلام اور روح قرآن سے دور ہوتے جارہے ہیں اور فروعی مسائل میں الجھ کر اپنی فکری توانائیاں ضائع کررہے ہیں ۔

ملکی سیاست کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں کہ حکومت کے ایوانوں میں کرسیوں کی سیاست (Horse Trading) کا مذموم کھیل عروج پر ہے اور اس عمل میں تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ غریب عوام چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پس رہے ہیں ۔ دولت کے خزانوں پر حریص ، طالع آزما اور چیرہ دست عناصر کا قبضہ ہے جب کہ عوام کی غالب اکثریت نان جویں کے لئے ترس رہی ہے ۔ یہ سب کچھ اس بناء پر ہو رہا ہے کہ ہم اسلام کے اصولوں سے عملی طور پر منحرف ہو چکے ہیں اور ہم یہ بات بھول چکے ہیں کہ اسلام ایک ایسے معاشی نظام کے قیام کا تقاضا کرتا ہے جس میں ہر انسان کی بنیادی ضروریات بطریق احسن پوری ہوتی رہیں جس مین زکوۃ اور خمس دینے والے تو ضرور پیدا ہوں مگر حاجت مند حضرات دور دور تک دکھائی نہ دیتے ہوں ۔ اسلامی معاشرے کی یہی پہچان ہے اور اسلام اپنے پیروکاروں سے اسی قسم کے معاشرے کے قیام کی توقع رکھتا ہے ۔

آخر میں مصنف آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ کے سیاسی افکار و نظریات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے بقول ، سیاست دین سے الگ

کسی چیز کا نام نہیں - دونوں لازم و ملزوم ہیں - اسلامی سیاست، صداقت و عدالت کے ساتھ اللہ، رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی بلا حجت پیروی اور محبت پر مبنی ہوتی ہے - آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکامِ ربانی کو عملی شکل میں پیش کیا اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل دی جو تمام برائیوں سے پاک تھا - آپؐ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کی اور اپنے حسنِ عمل سے اسلامی ریاست کا ایک کامل نمونہ پیش کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ دین اور سیاست دو الگ اکائیوں کے نام نہیں، بلکہ یہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں -

حاصلِ کلام سید علی اکبر رضوی کا سفرنامہ عام سفرناموں سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں سفر کی جزئیات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مصنف نے ایران کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے - متبرک مقامات کی تفصیل اس ایمانی جذبے سے پیش کی ہے کہ قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ خود ان مقامات پر حاضری دے کر ایمان و ایقان کی دولت سے اپنی جھولی بھر رہا ہے - اسلام کے لازوال پیغام کی صداقت اور حقانیت بھی مصنف نے بڑے مؤثر انداز میں بیان کی ہے -

ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو پذیرائی بخشے - آمین

امام راشدی
پیر جو گوٹھ، نوڈیرو
ضلع لاڑکانہ، سندھ

تہذیبی و ثقافتی دستاویز

سید علی اکبر رضوی کا یہ سفرنامہ "ایران" کے سفر پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے رضوی صاحب کا ایک اور سفرنامہ "کوہِ قاف کے اِس پار" شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ جس میں روس کی نو آزاد مسلم ریاستوں تاجکستان اور ازبکستان کے سفر کی روداد بیان کی گئی ہے۔ رضوی صاحب کا یہ سفرنامہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہ سفرنامہ محض سفرنامہ ہی نہیں ایک تاریخ بھی ہے اور ظاہر ہے کہ تاریخ سبق بھی فراہم کرتی ہے۔

ایران، انقلابِ اسلامی کے بعد پورے عالمِ اسلام کے لئے تقلید کا باعث بن گیا ہے۔ ایران آج مکمل طور پر اسلامی اصولوں، روایات، کلچر اور تہذیبی طور پر رواں دواں ہے۔ رضوی صاحب نے ہمیں ایران کی جو سیر کرائی ہے اس میں تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو بھی اجاگر کیا گیا ہے جس سے قاری کو زحمتِ سفر اٹھائے بغیر ایران کی سیاحت اور مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

ایران کے اس سفرنامے میں رضوی صاحب نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اس کو جوں کا توں پیش کیا ہے اور یہی حقیقت نگاری کا وصف بھی ہے اس سے سفرنامہ لکھنے والے کی سچائی، خلوص اور نیک نیتی کا پتہ چلتا ہے۔ رضوی صاحب کا یہ سفرنامہ نہ صرف تفریحی، بلکہ معلوماتی اور ایران کی مقدس زیارات پر مبنی ہے۔ ایک طرح سے رضوی صاحب نے قاری کو روحانی سکون فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، جس کو محض کوشش ہی نہیں بلکہ کامیابی بھی کہا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں رضوی صاحب پر یہ فرض بھی بنتا تھا، جس میں وہ کامیاب و کامران رہے ہیں۔ ایران کا یہ سفرنامہ دلی سکون، محبت اور پیار کا ایسا درس دیتا ہے جس کی ہم کو ضرورت ہے۔

سید علی اکبر رضوی صاحب کا یہ سفرنامہ ان اعلیٰ اور شاندار روایات کا امین ہے، جس کو محض سفرنامہ کہنا بڑی ستم ظریفی ہو گی کیونکہ یہ تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی حقائق کی ایک اہم دستاویز بھی ہے۔ رضوی صاحب ایران کے کسی بھی شہر میں ہوں، زیارت گاہ میں ہوں، تفریحی مقام پر ہوں، قاری ان کے ساتھ ہوتا ہے، لہذا وہ اکیلے نہیں ہوتے! پڑھنے والے کا رضوی صاحب خاصا خیال رکھتے ہیں، گویا یہ رضوی صاحب کا فرض بھی بنتا ہے۔

رضوی صاحب کے لکھنے کا ایک اپنا انداز اور اسٹائل ہے، جس میں سادگی، سچائی، خلوص اور محبت کی آمیزش ہوتی ہے، میں ایسا اچھا سفرنامہ لکھنے پر سید علی اکبر رضوی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور ساتھ یہ بھی توقع کرتا ہوں کہ، رضوی صاحب آئندہ بھی ہمیں دیگر ملکوں کی سیر، اپنے قلم کے ذریعے سفرناموں میں کراتے رہیں گے۔

خواجہ شیخ فریدالدین عطار

حمد

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایمان داد مشت خاک را

آن یکی را گنج و نعمت میدہد
دیگری را رنج و زحمت میدہد

آن یکی را زر و صد ہمیان دہد
دیگری در حسرتِ نان جان دہد

آن یکی بر تخت باصد عز و ناز
دیگری کردہ دہان از فاقہ باز

آن یکی پوشید سنجاب و سمور
دیگری خفتہ برہنہ بر تنور

آن یکی بر بسترِ کمخواب و نخ
دیگری بر خاکِ خواری بستہ تخ

طرفتہ العینی جہان برہم زند
کس نمی آرد کہ آنجا دم زند

مردۂ صد سالہ را حی می کند
این بجز حق دیگری کی می کند

از زمینِ خشک رویاند گیاہ
آسمان را بے ستون دارد نگاہ

ہیچ کس در ملک او انباز نے
قول او را لحن نے آواز نے

خواجہ شیخ فریدالدین عطار

مناجات

پادشاہا جرم ما را در گذار — ما گنہگاریم و تو آمرزگار
تو نکو کاری و ما بد کرده ایم — جرم بی اندازه بی حد کرده ایم
سالہا در بندِ عصیان گشتہ ایم — آخر از کرده پشیمان گشتہ ایم
دائماً در فسق و عصیان مانده ایم — ہم قرینِ نفس و شیطان مانده ایم
روز و شب اندر معاصی بوده ایم — غافل از امر و نواہی بوده ایم
بیگناه نگذشت بر ما ساعتی — با حضورِ دل نہ کردیم طاعتی
بر در آمد بندهٔ بگریختہ — آبروی خود بعصیان ریختہ
مغفرت دارد امید از لطفِ تو — زانکہ خود فرموده‌ای لاتقنطوا
بحرِ الطافِ تو بی پایان بود — نا امید از رحمتت شیطان بود
چشم دارم کز گناه پاکم کنی — پیش ازان کاندر لحد خاکم کنی

اندر آن دم کز بدن جانم بری
از جہان با نورِ ایمانم بری

مرزا غالب

نعت

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آری کلامِ حق بزبانِ محمدؐ است

آئینہ دارِ پرتوِ مہر است آفتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
اما کشاد آن ز کمانِ محمدؐ است

دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حقست ازانِ محمدؐ است

ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

بنگر دو نیم گشتنِ ماہِ تمام را
کان نیز جنبشی ز بنانِ محمدؐ است

ور خود ز نقشِ مہر نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گذاشتیم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

دکتر محمد اقبال

منقبت بحضور حضرت علی علیہ السلام

ای محو ثنای تو زبانہا | ای یوسفِ کاروانِ جانہا
ای بابِ مدینۂ محبت | ای نوحؑ سفینۂ محبت
ای ماحیء نقشِ باطلِ من | ای فاتحِ خیبرِ دلِ من
ای سرِ خط وجوب و امکان | تفسیرِ تو سوره ہای قرآن
ای مذہبِ عشق را نمازی | ای سینۂ تو امین رازی
ای سرِ نبوت محمدؐ | ای وصفِ تو مدحتِ محمدؐ
گردون کہ بہ رفعت ایستاد است | از بامِ بلندِ تو فتاد است
ہر ذرۂ در گہت چو منصور | در جوش ترانۂ اَنا الطور
بی تو نتوان بہ اوٗ رسیدن | بی اوٗ نتوان بتو رسیدن
فردوس زِ تو چمن در آغوش | از شانِ تو حیرت آئینہ پوش
جانم بہ غلامی تو خوشتر | سر بزده‌ام زِ حبیبِ قنبر
ہشیارم و مستِ بادۂ تو | چون سایۂ زپا فتادۂ تو
از ہوش شدم مگر بہ ہوشم | گویی کہ نصیریٔ خموشم

دانم کہ ادب بضبط راز است
در پردهٔ خامشی نیاز است

اما چہ کنم مئ تولا
تند است برون فتد زِ مینا

زِ اندیشہء عاقبت رہیدم
جنسِ غمِ آلِ تو (ع) خریدم

فکرم چو بجستجو قدم زد
در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسی دویدم
دامان چو گردِ باد چیدم

آگاہ زِ ہستی و عدم ساخت
بت خانہء عقل را حرم ساخت

چون برق بخرمنم گذر کرد
از لذتِ سوختن خبر کرد

برباد متاعِ ہستیم داد
جامی زمی حقیقتم داد

سرمست شدم زِ پا فتادم
چو عکس زِ خود جدا فتادم

پیراہن ما و من دریدم
چون اشک زِ چشمِ خود چکیدم

خاکم بفرازِ عرش بردی
زان راز کہ با دلم سپردی

واصل بکنار کشتیم شد
طوفانِ جمال زشتیم شد

جز عشق حکایتی ندارم
پروای ملامتی ندارم

از جلوهٔ علم بی نیازم
سوزم ، گریم ، تپم ، گدازم

اکسیر خاک کو ترے پرتو نے کر دیا
ورنہ میں جانتا ہوں جو تھی آبرو میری
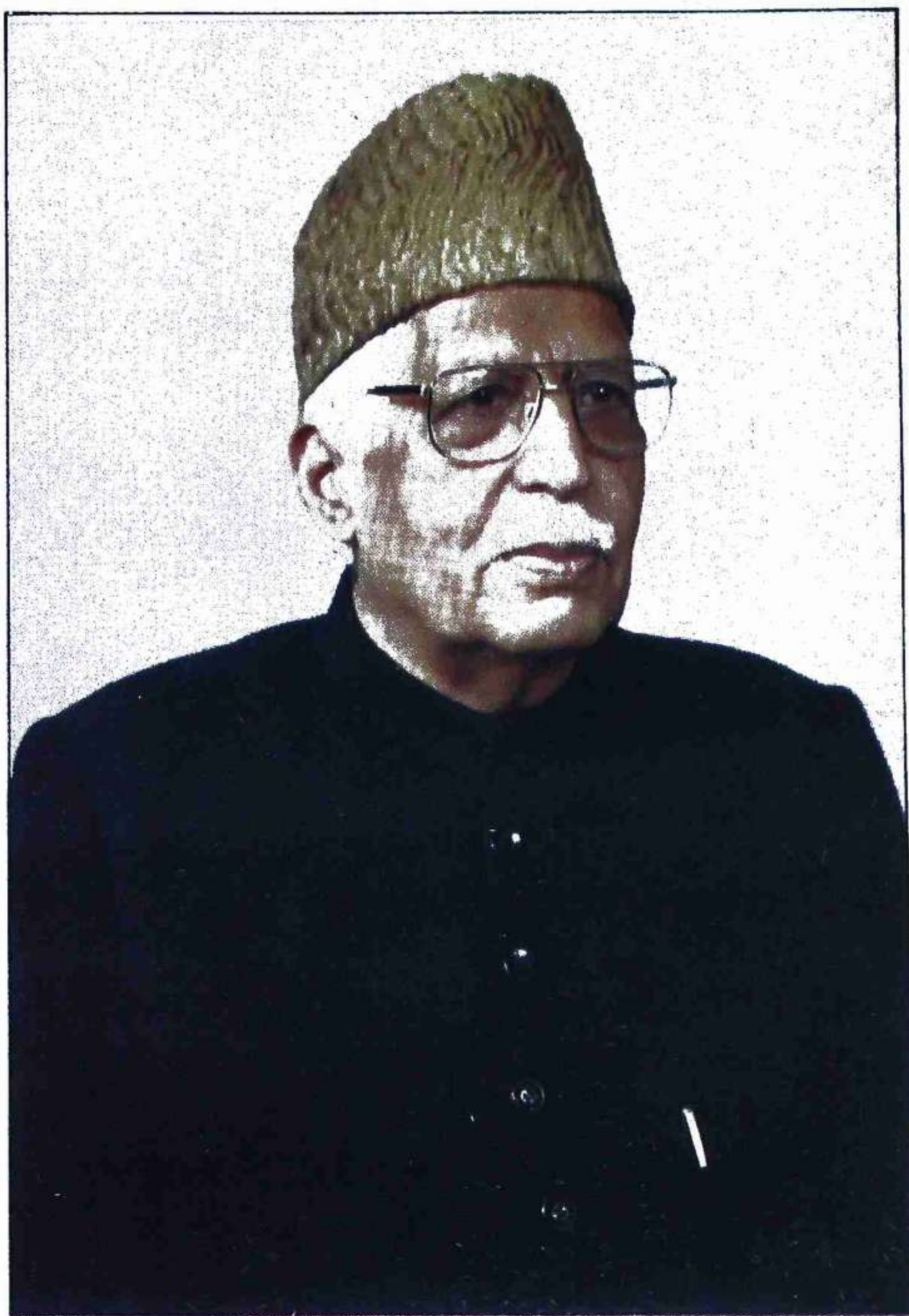
الحاج السید علی اکبر رضوی
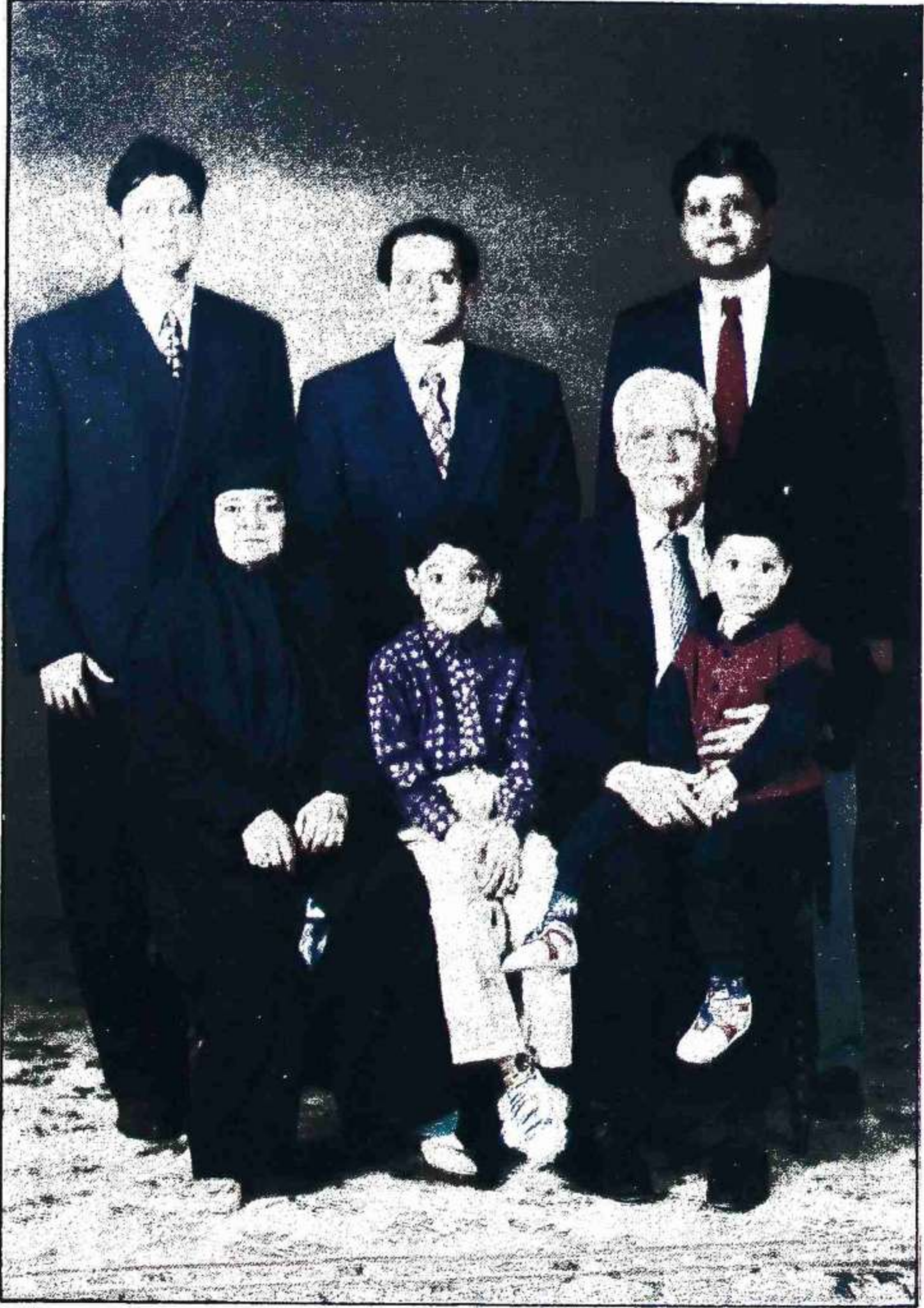
گود میں پسرزادہ سیف علی اکبر ، درمیان میں پسرزادہ زین علی اکبر ، بائیں جانب اہلیہ کنیز فاطمہ رضوی ، کھڑے ہوئے دائیں جانب سے ہادی علی رضوی ، مہدی علی رضوی اور محسن علی رضوی
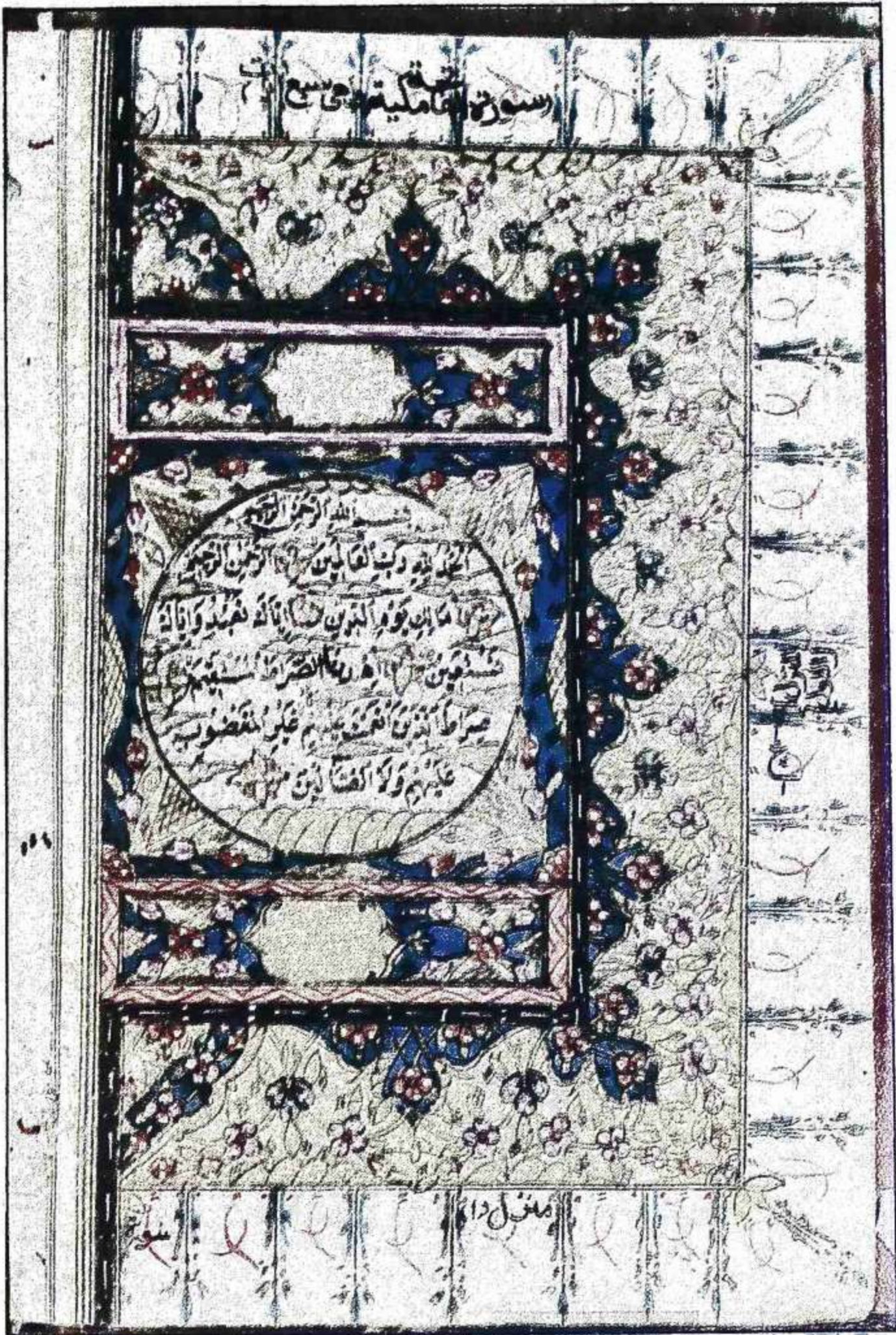
مصنف کے ذاتی کتب خانہ کے ایک نادر نسخۂ قرآن مجید کا عکس
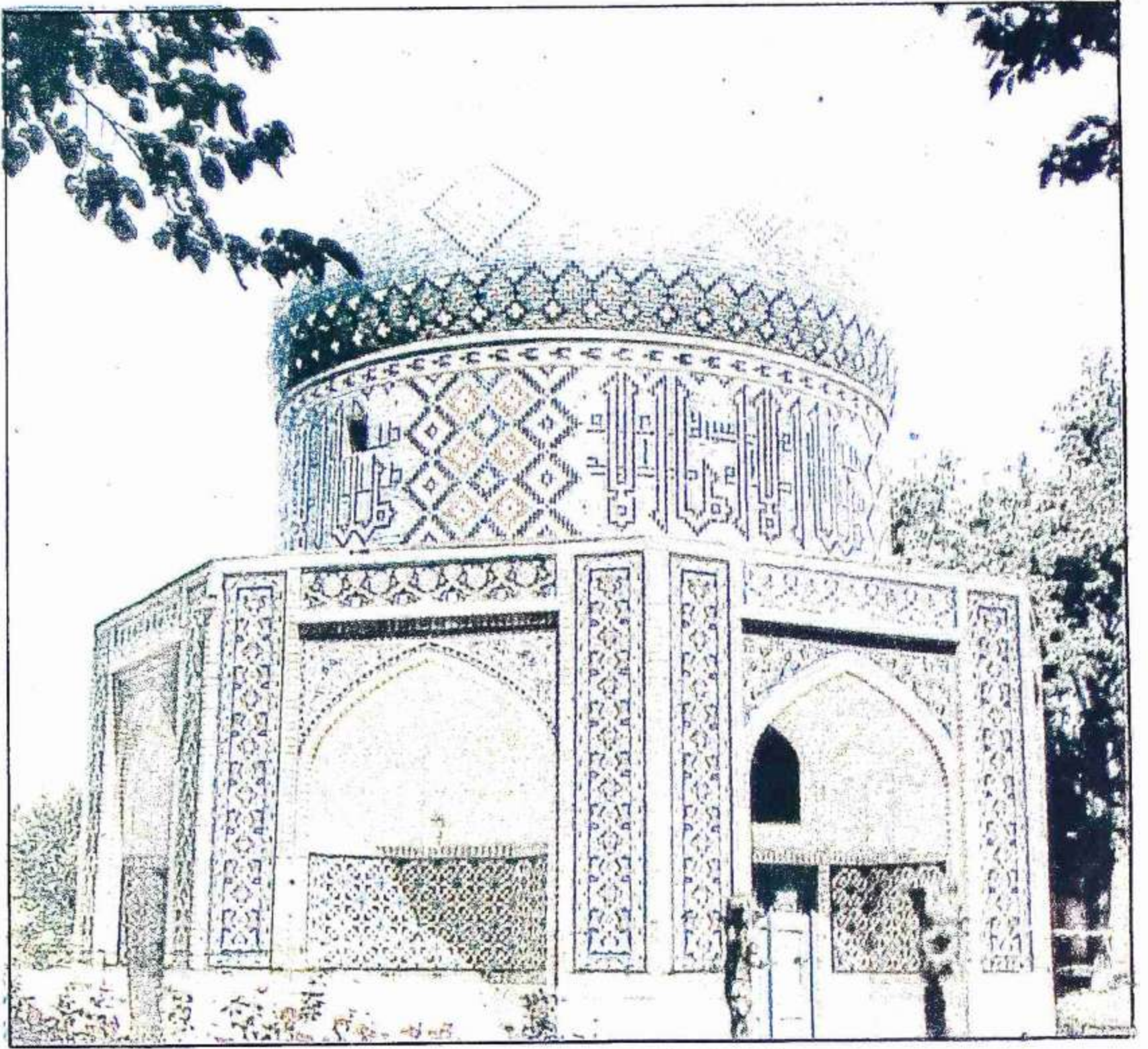
آرام گاہِ خواجہ فریدالدین عطار نیشاپوری
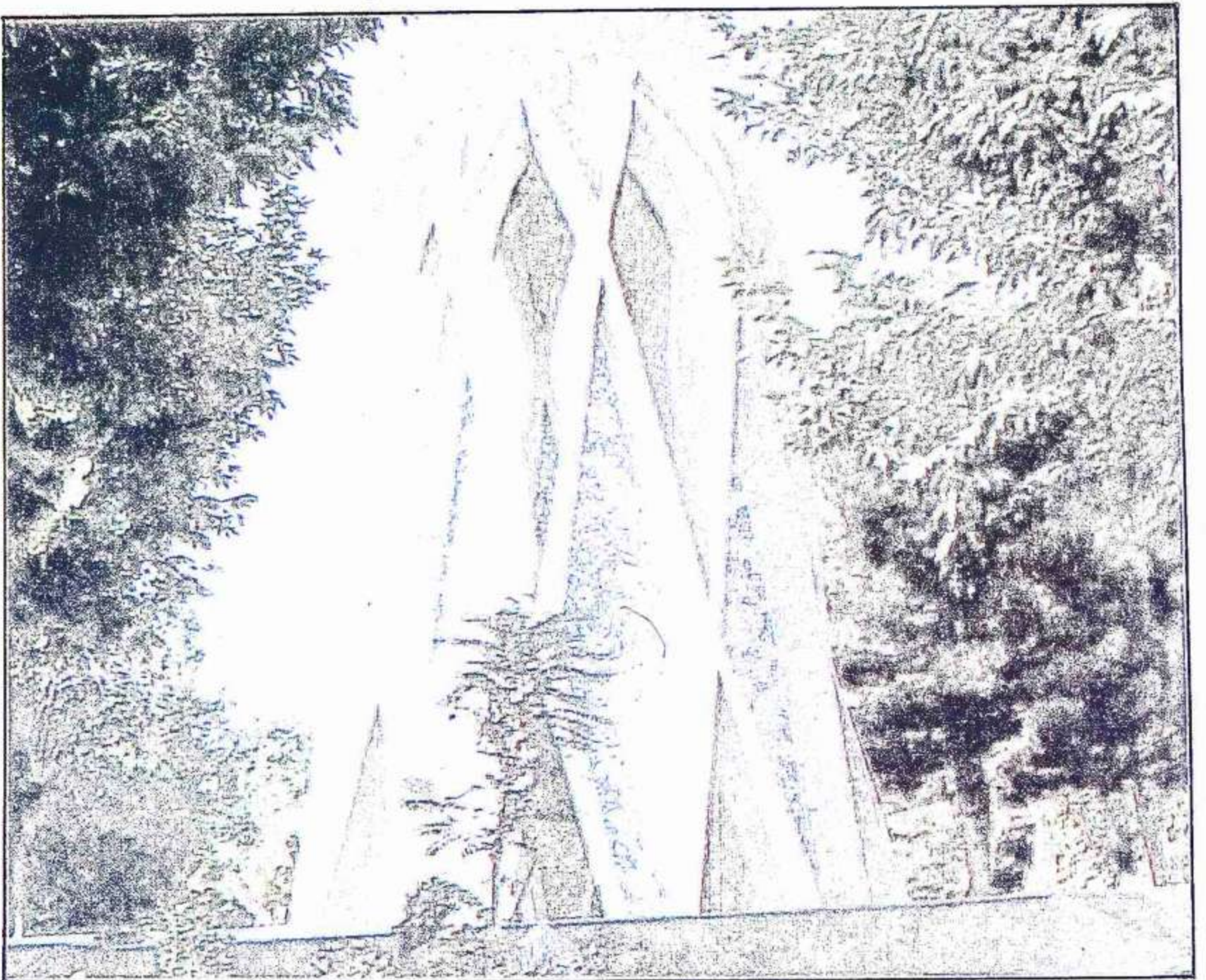
آرام گاہِ حکیم عمرِ خیام نیشاپور

مصنف اور ان کی بیگم فردوسی طوس کے مزار پر
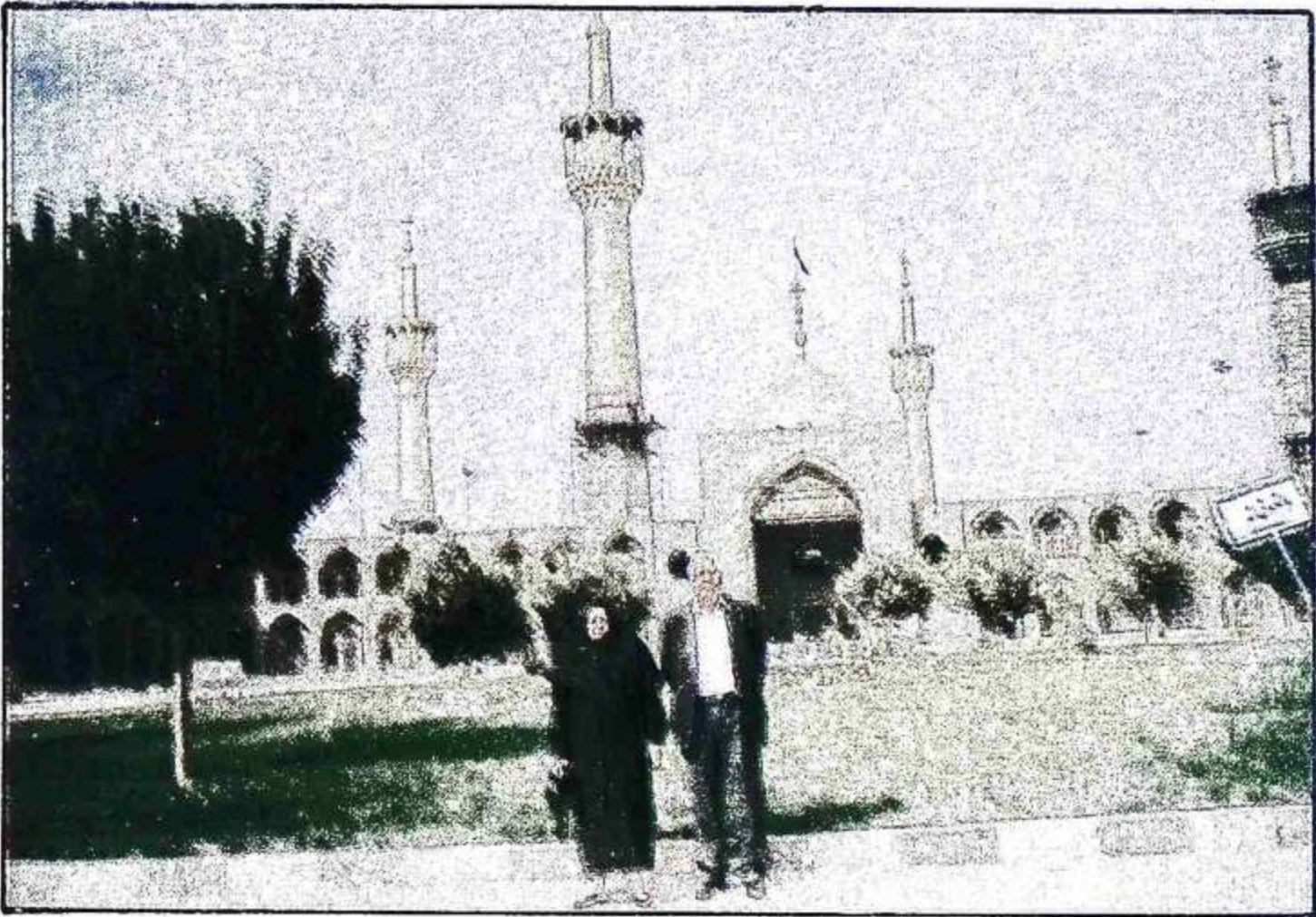
مقبرۂ امام خمینیؒ کا ایک منظر
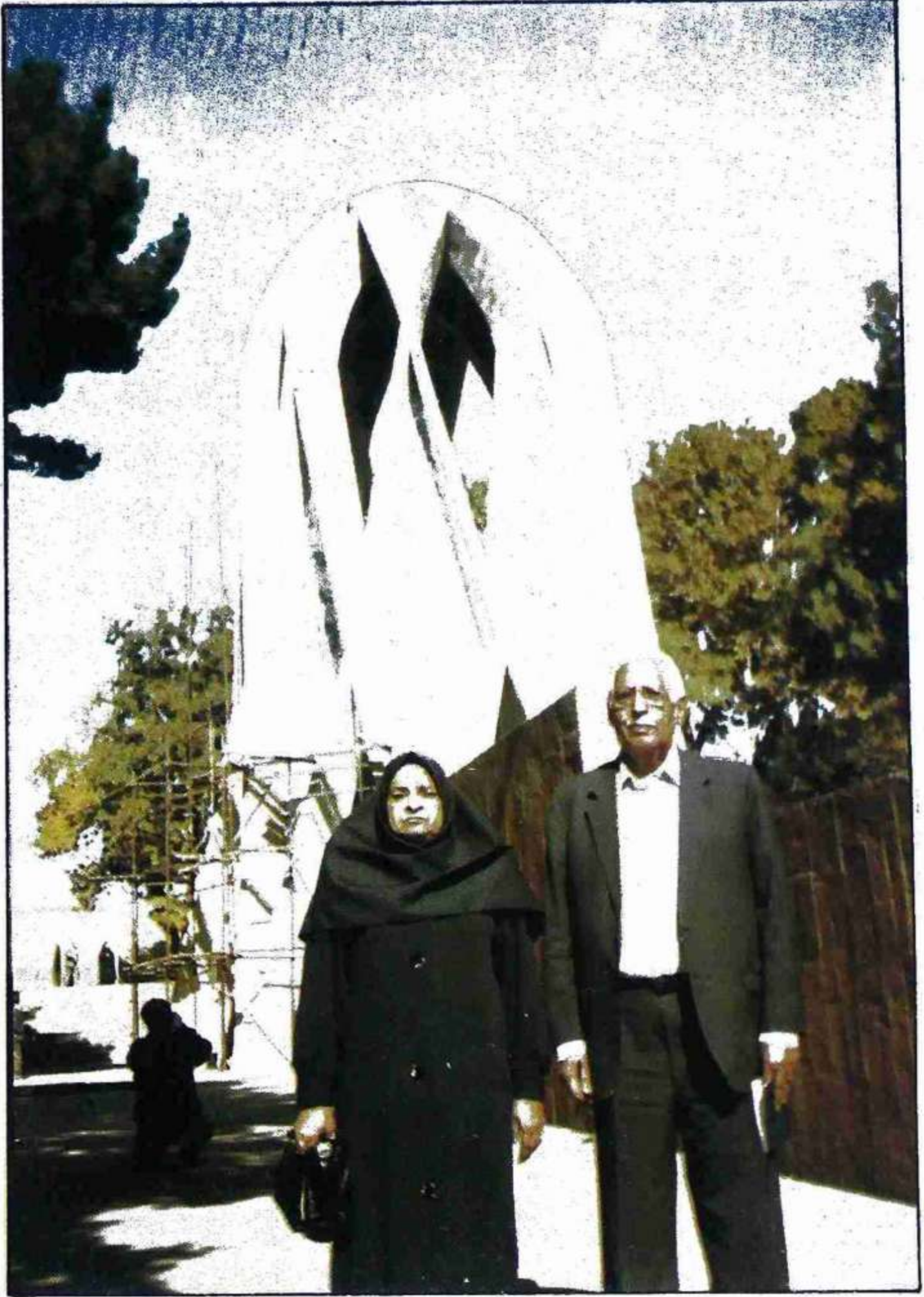
حکیم عمر خیام کے مزار پر
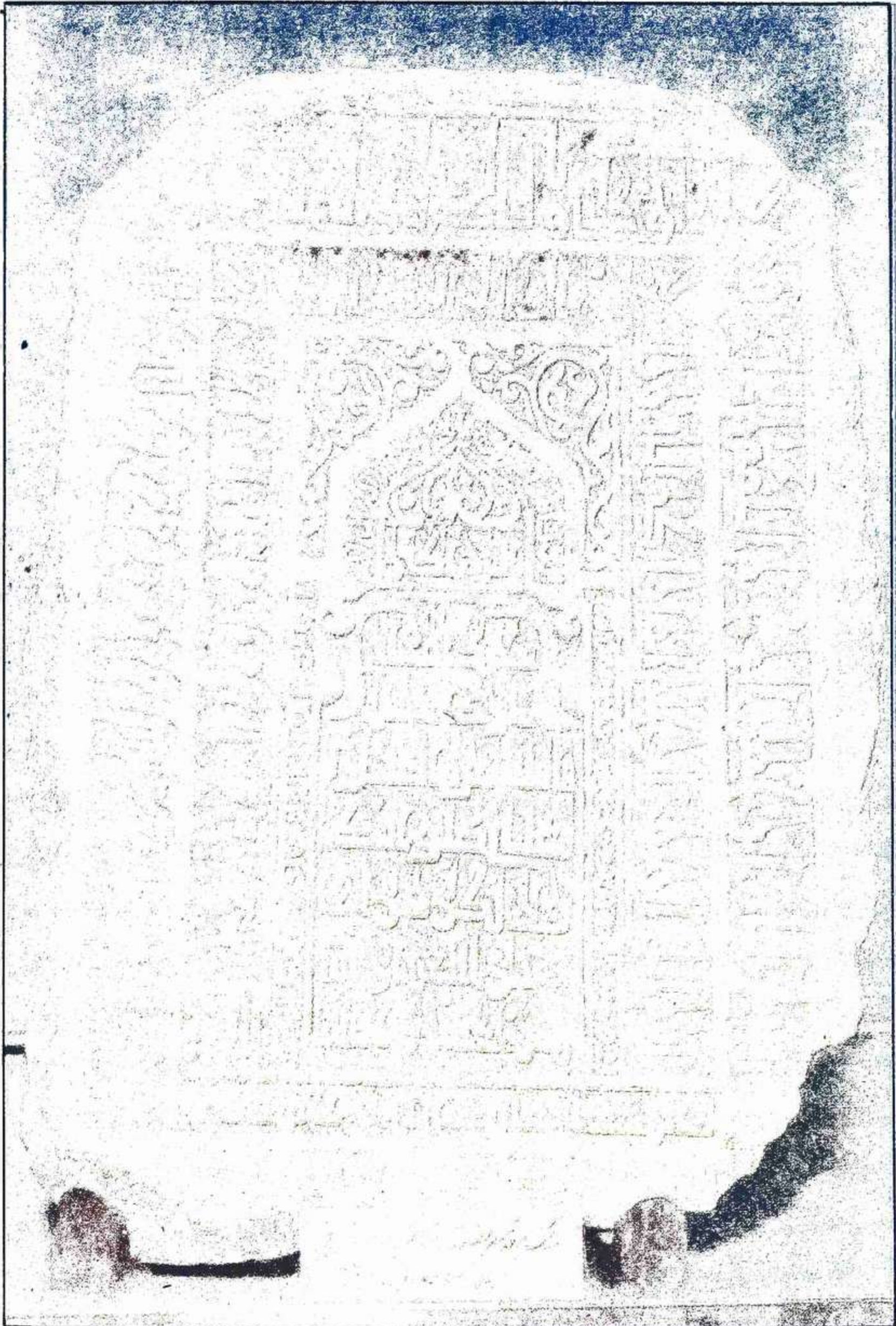
سنگِ مرقدِ حضرتِ امامِ رضاؑ بخطِ کوفی
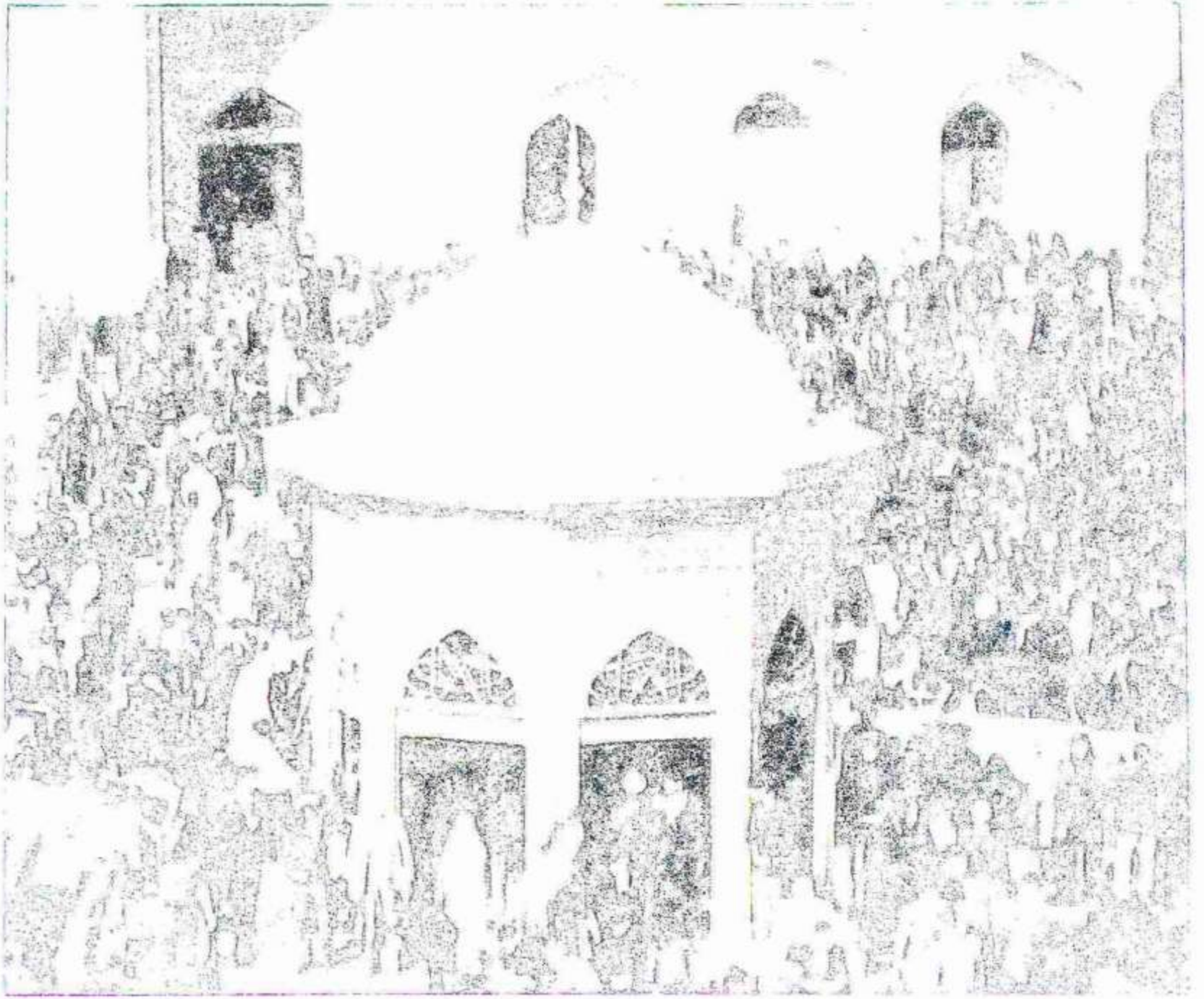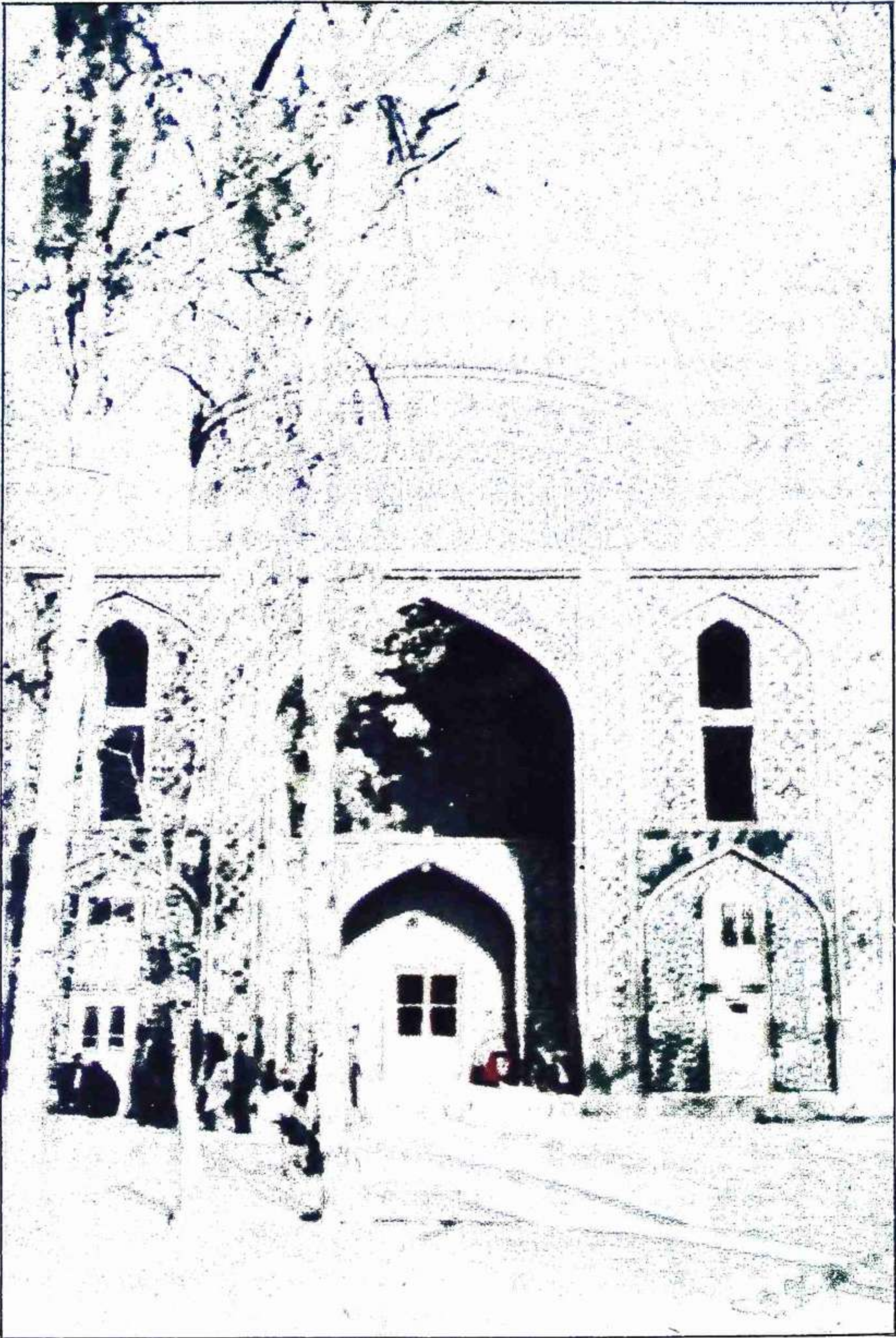
خواجہ ربیع کے مقبرہ کا بیرونی حصہ
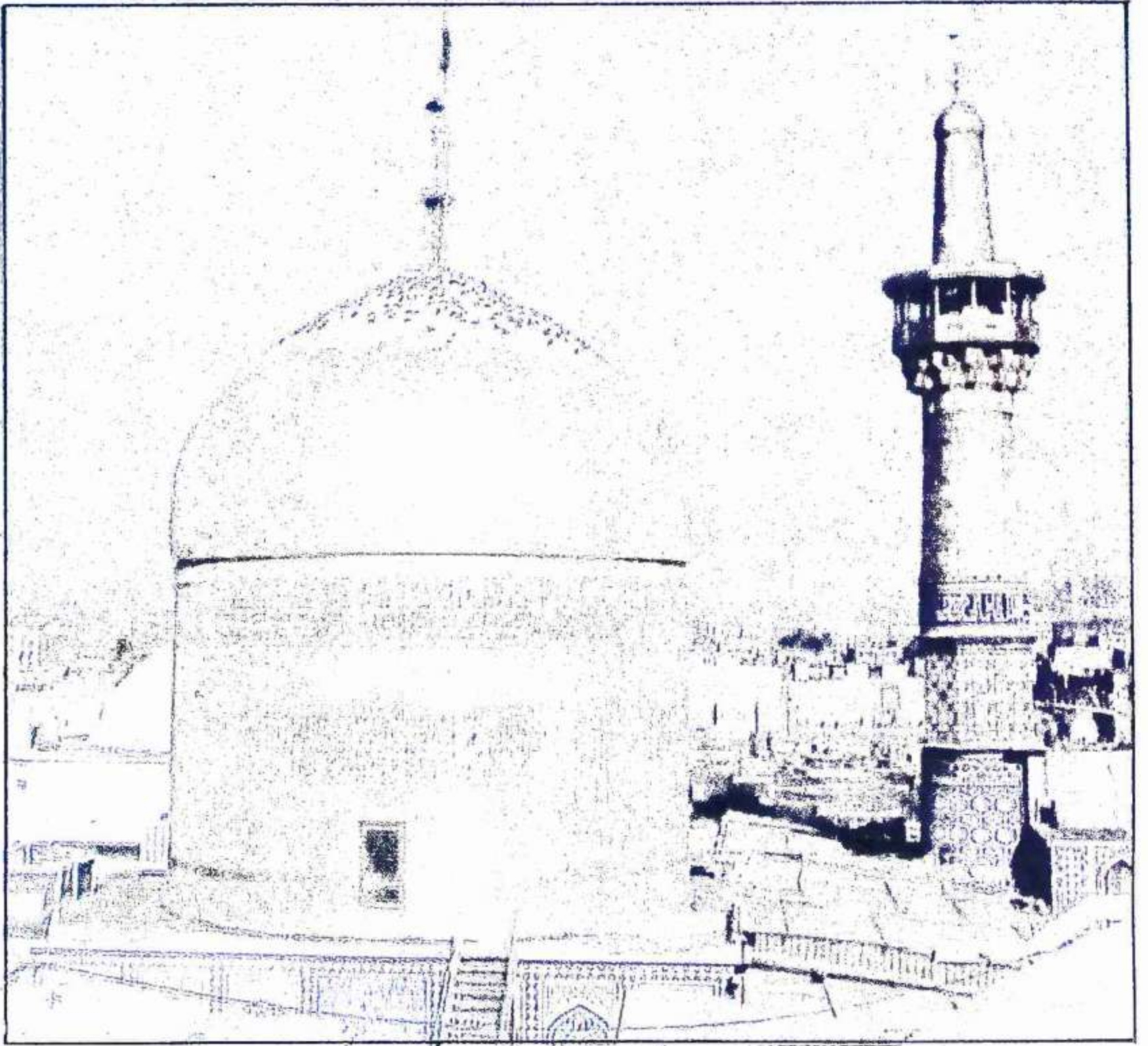
حرمِ مطہرِ امامِ رضاؑ کے روضہ کا طلائی گنبد و مینار

مقبرہ پیر پالاندوز

مقبرۂ حضرتِ معصومۂ قم خواہر امام رضاؑ
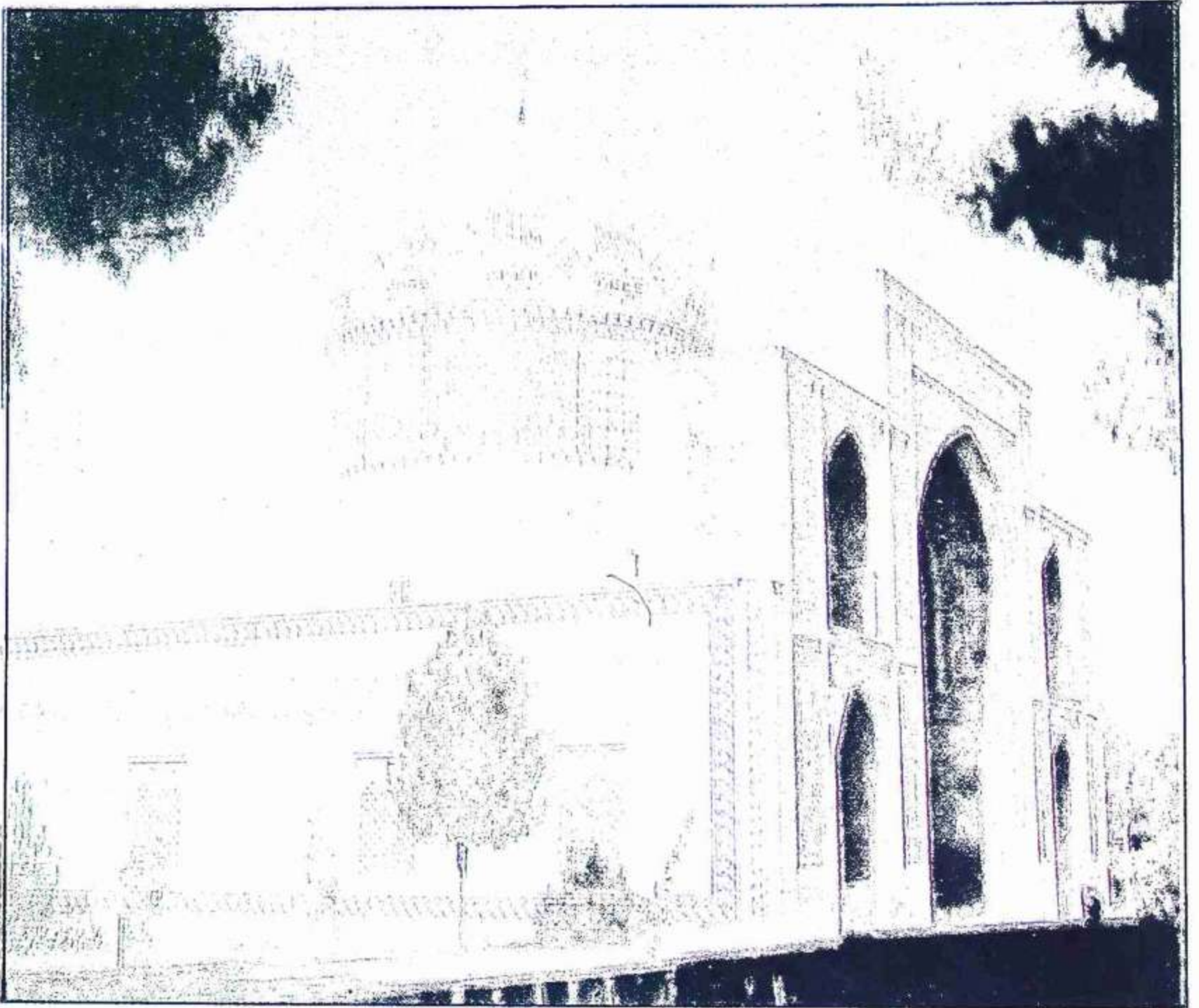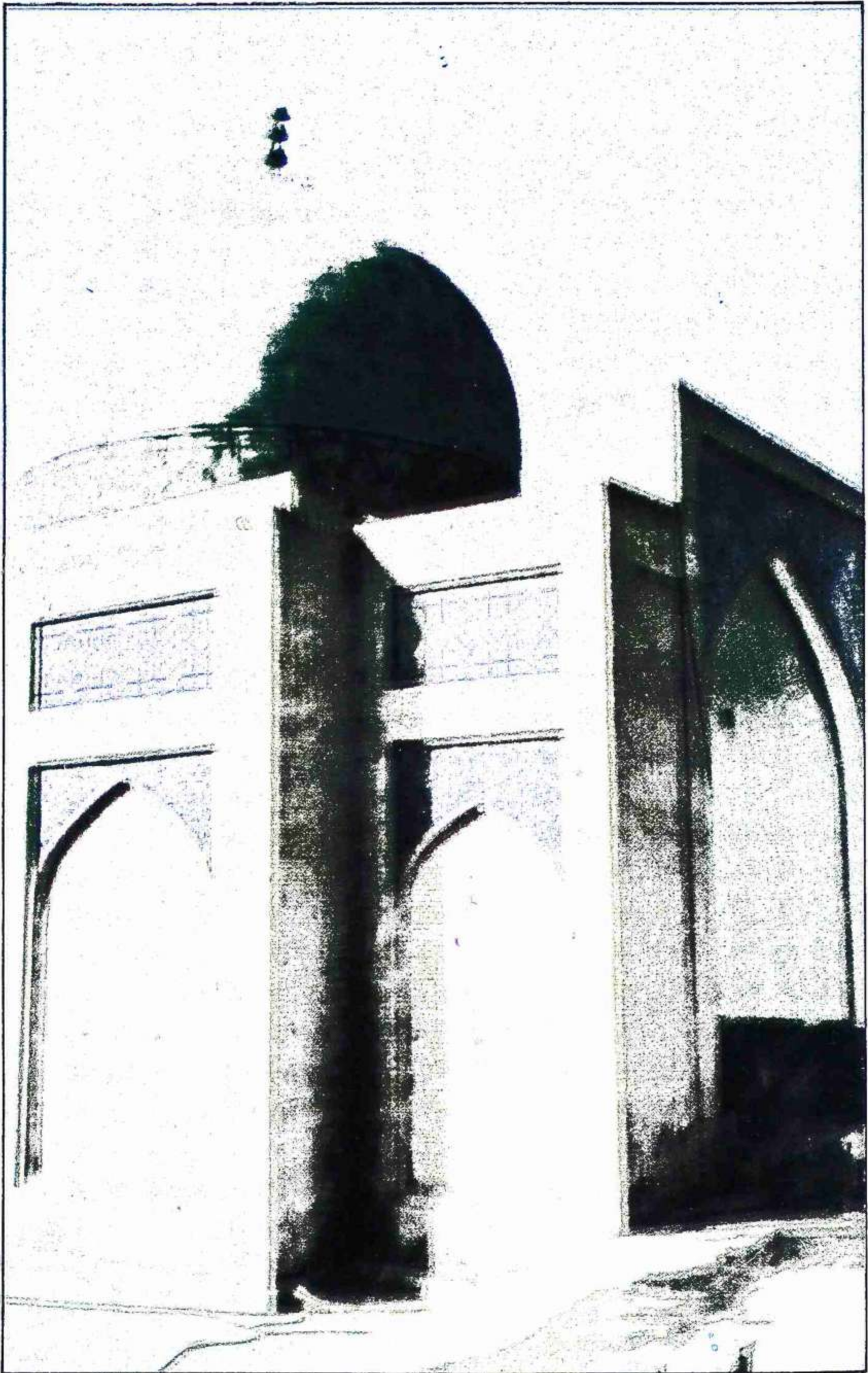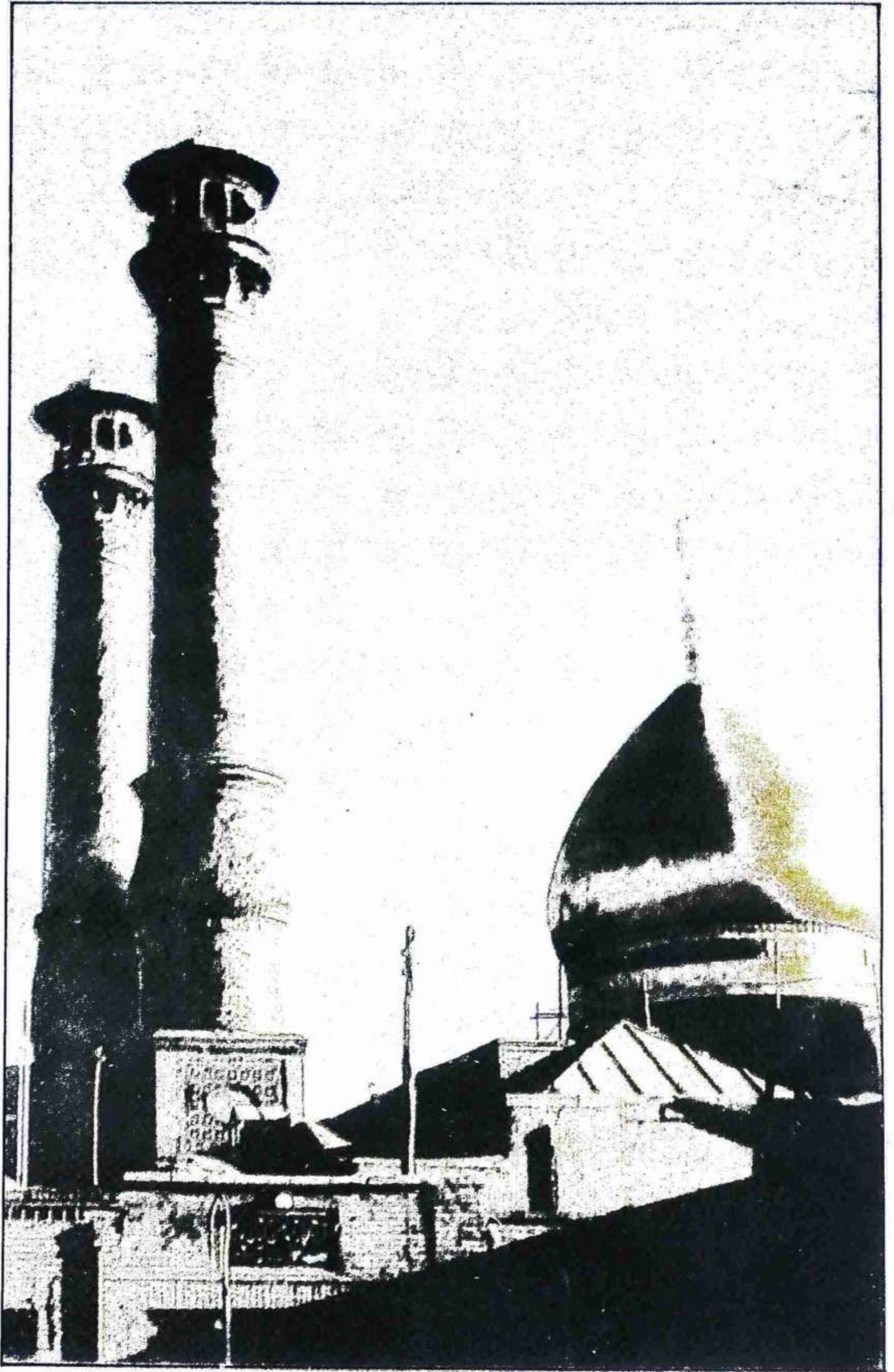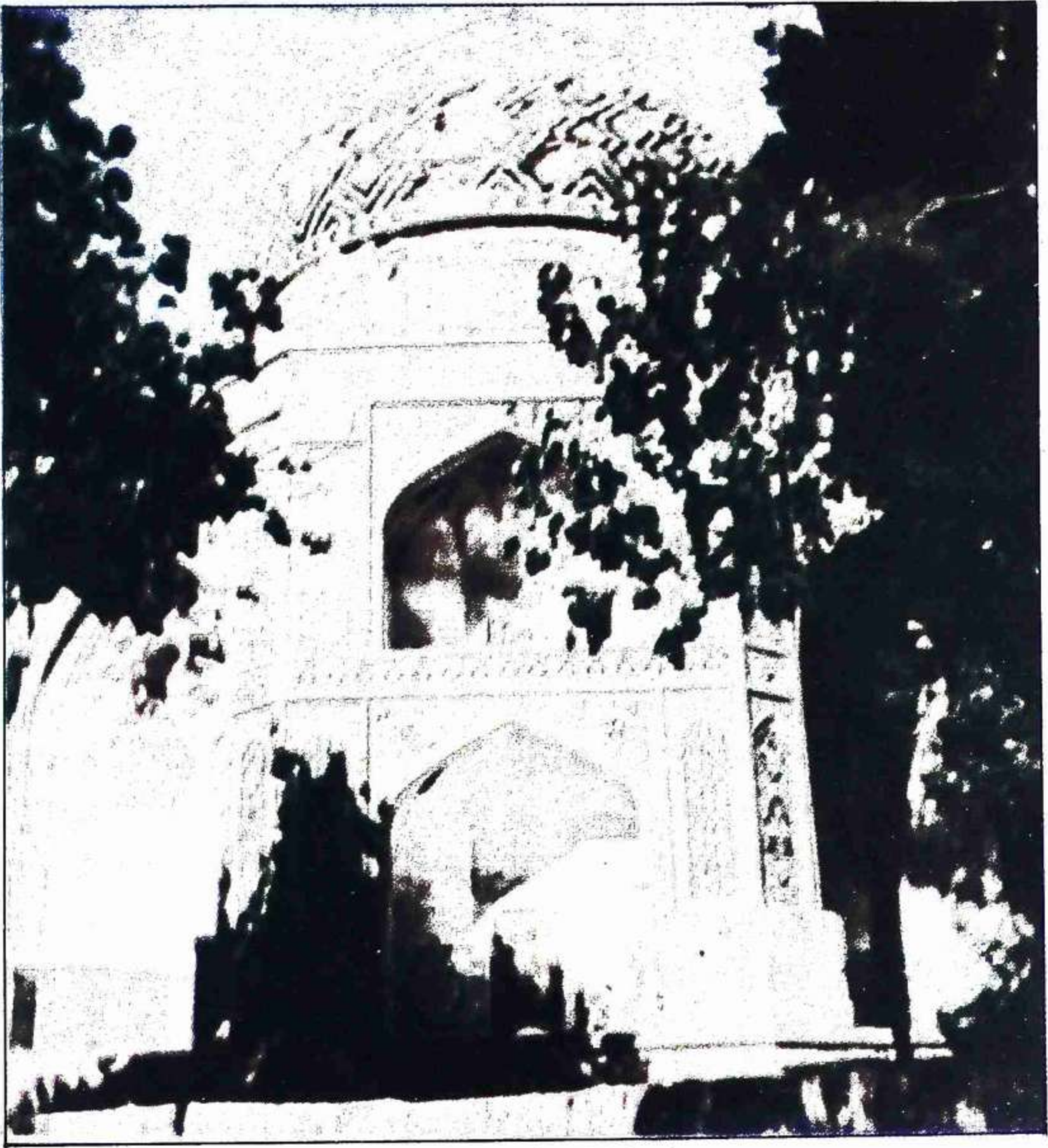
قدم گاہ (نیشاپور)
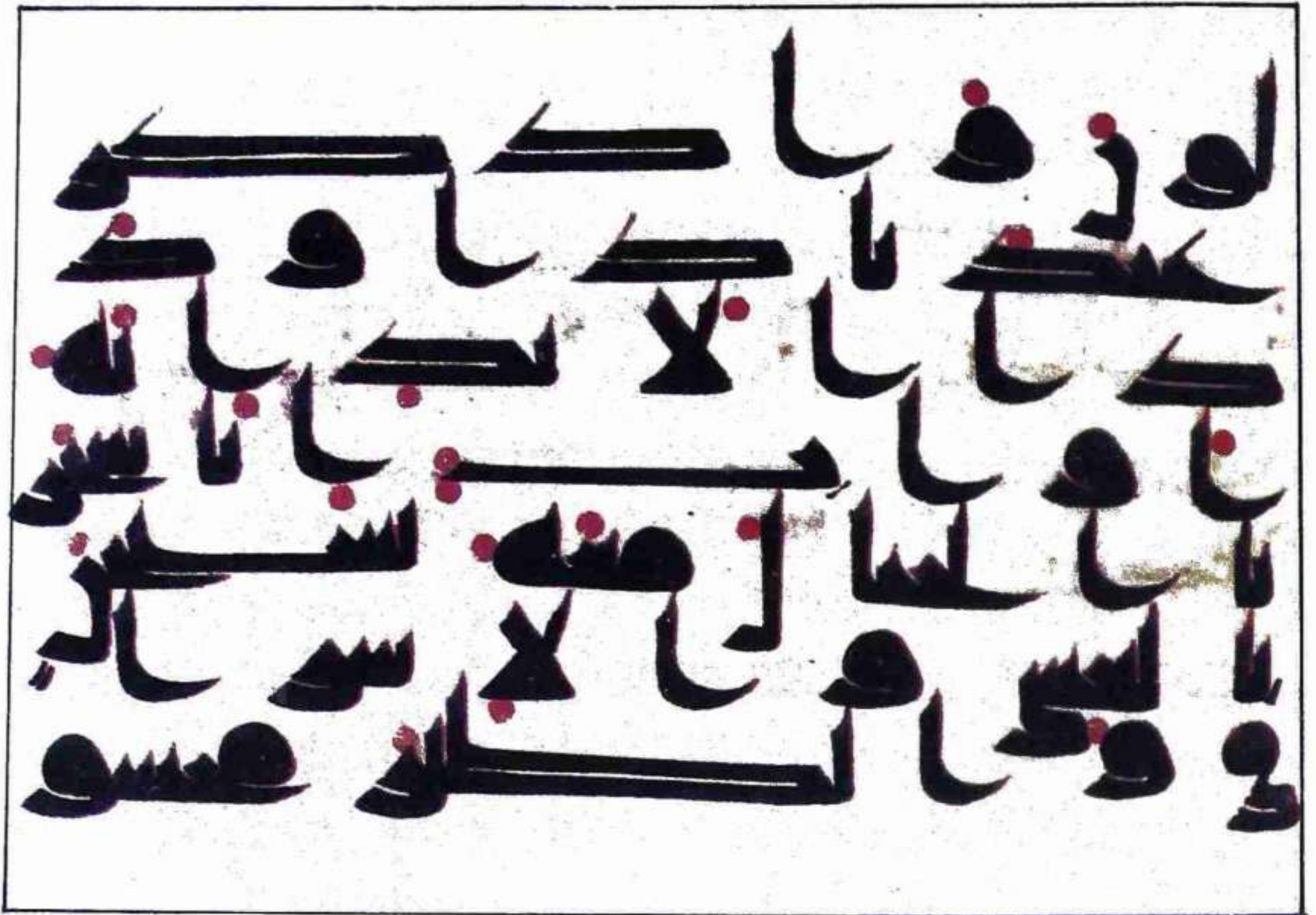
حسن بن علی ابن ابیطالبؑ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا عکس قرآن مجید
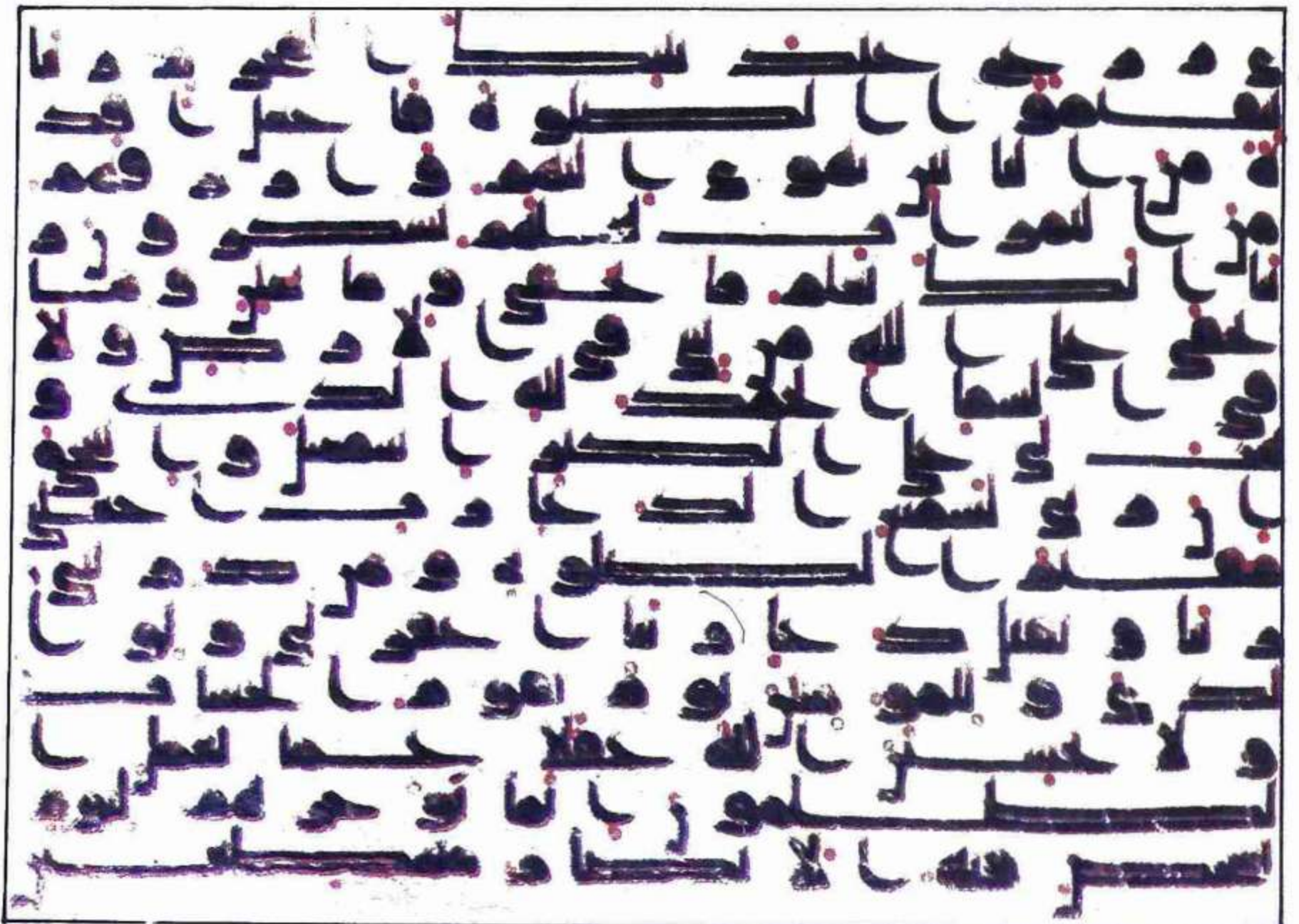
ہرن کی کھال پر حضرتِ علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جزوِ قرآن مجید بخطِ کوفی

مقبرۂ امام خمینیؒ
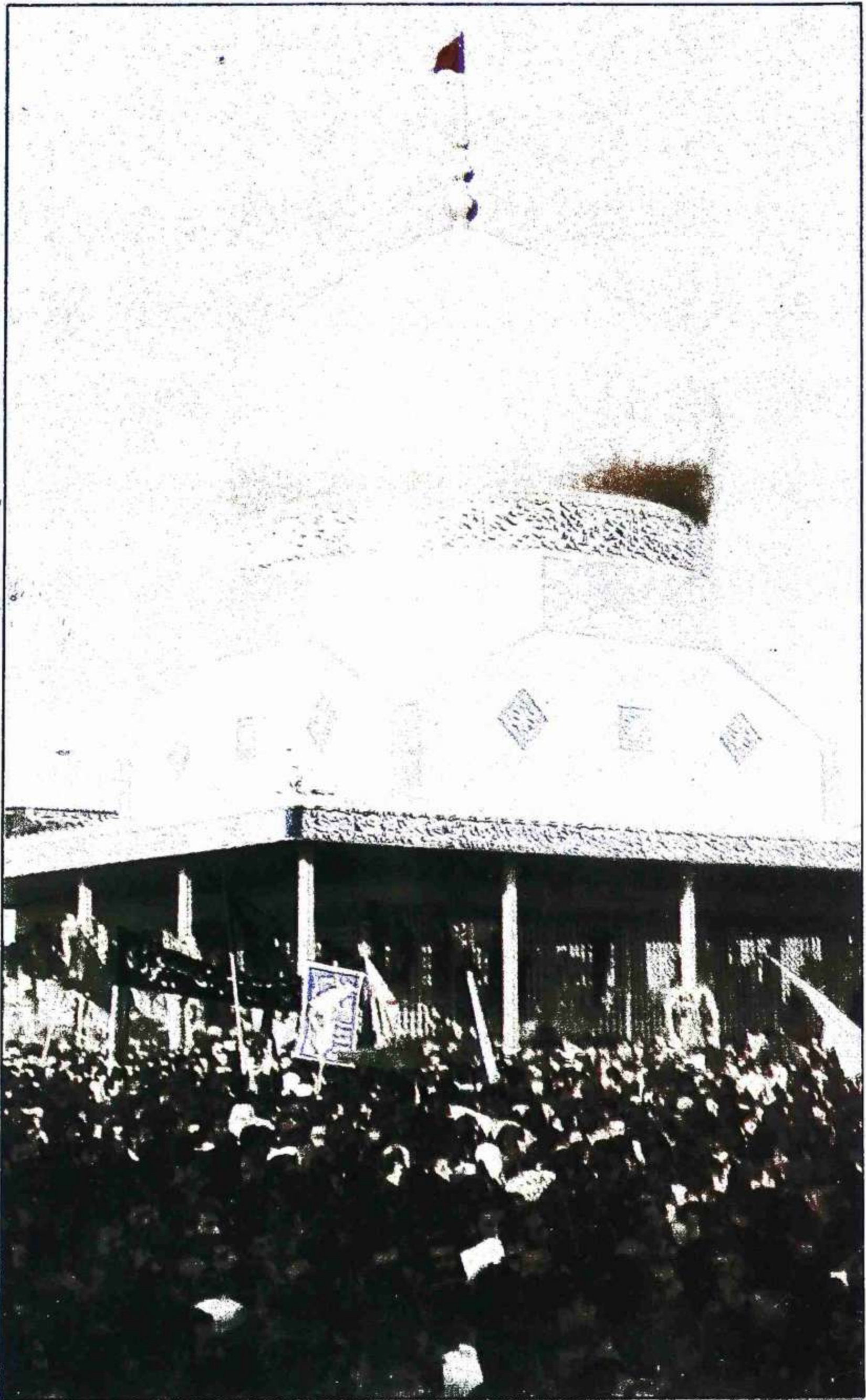
قبرستان بہشتِ رضا مشہد جہاں شہدائے جنگِ ایران و عراق مدفون ہیں ۔

دائیں سے بائیں: مولانا عبداللہ جوہری، سید علی اکبر رضوی اور ان کی اہلیہ
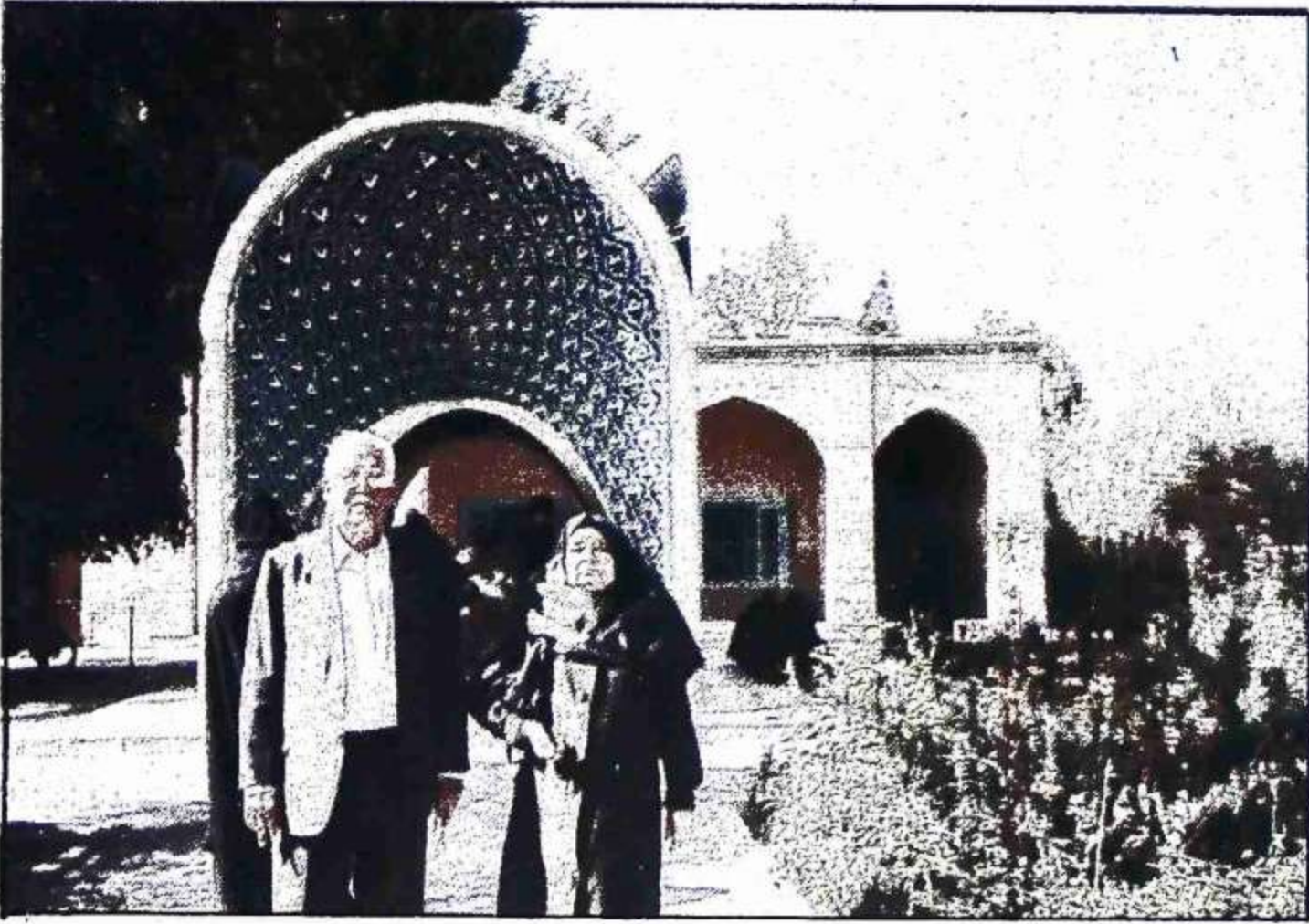
زیارت گاہِ شاہزادہ عبدالعظیم کا بیرونی باب
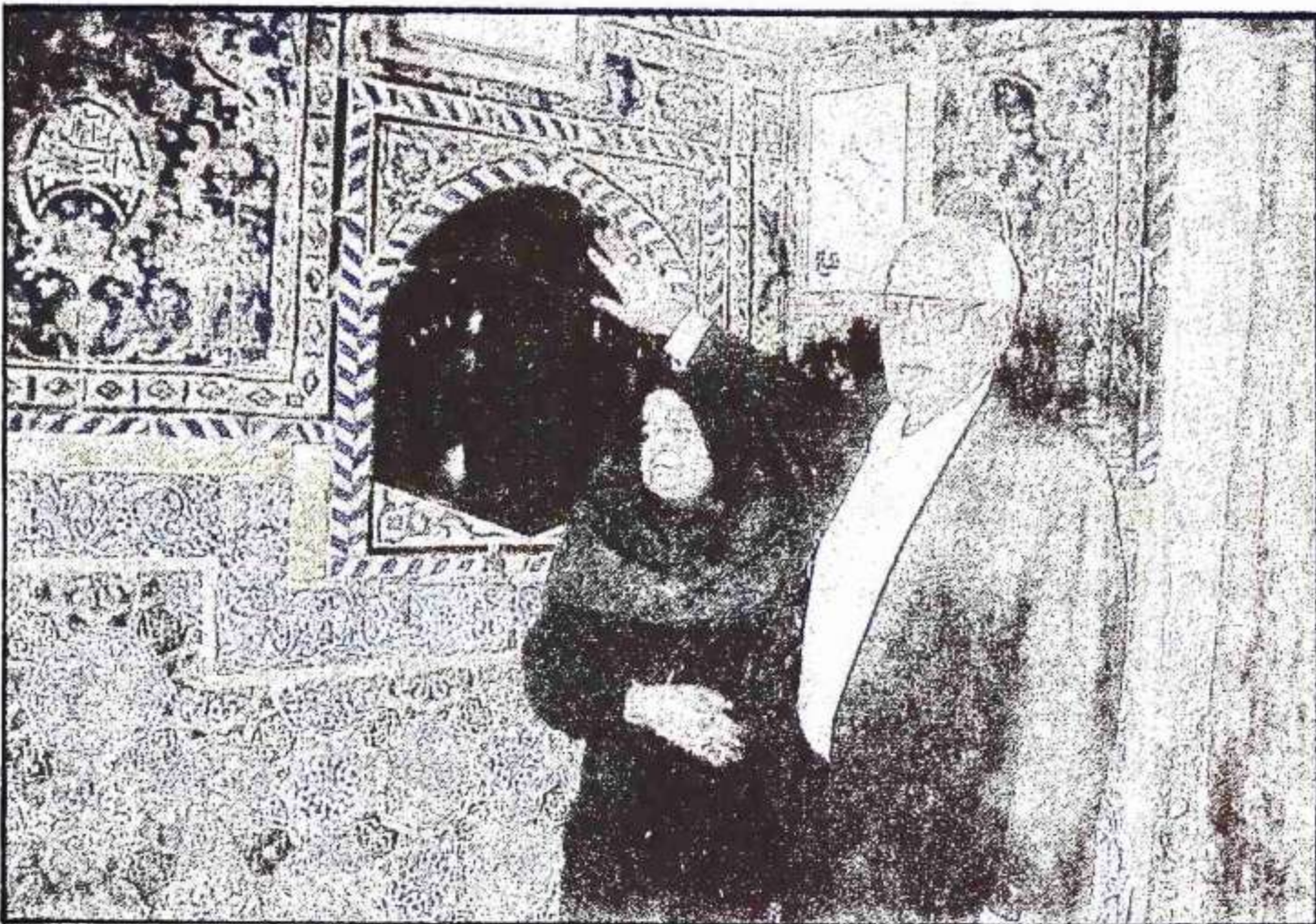
مشہدِ مقدس کی ایک قدیم مسجد کا بیرونی دروازہ

سلطان علی مشہدی کا عکس تحریر

مقبرۂ فردوسی کا اندرونی عکس

الحاج علی اکبر رضوی مدرسہ فیضیہ میں ، پس منظر میں علمائے کرام بعدِ درس

نقشہ آستانہ قدس رضوی

تختِ نادری

عکس قرآن مجید (طلائی) مملوکہ کتب خانہ مصنف

ایران کی مرکزی سڑکوں کا نقشہ

نقشہ آستان قدس رضوی
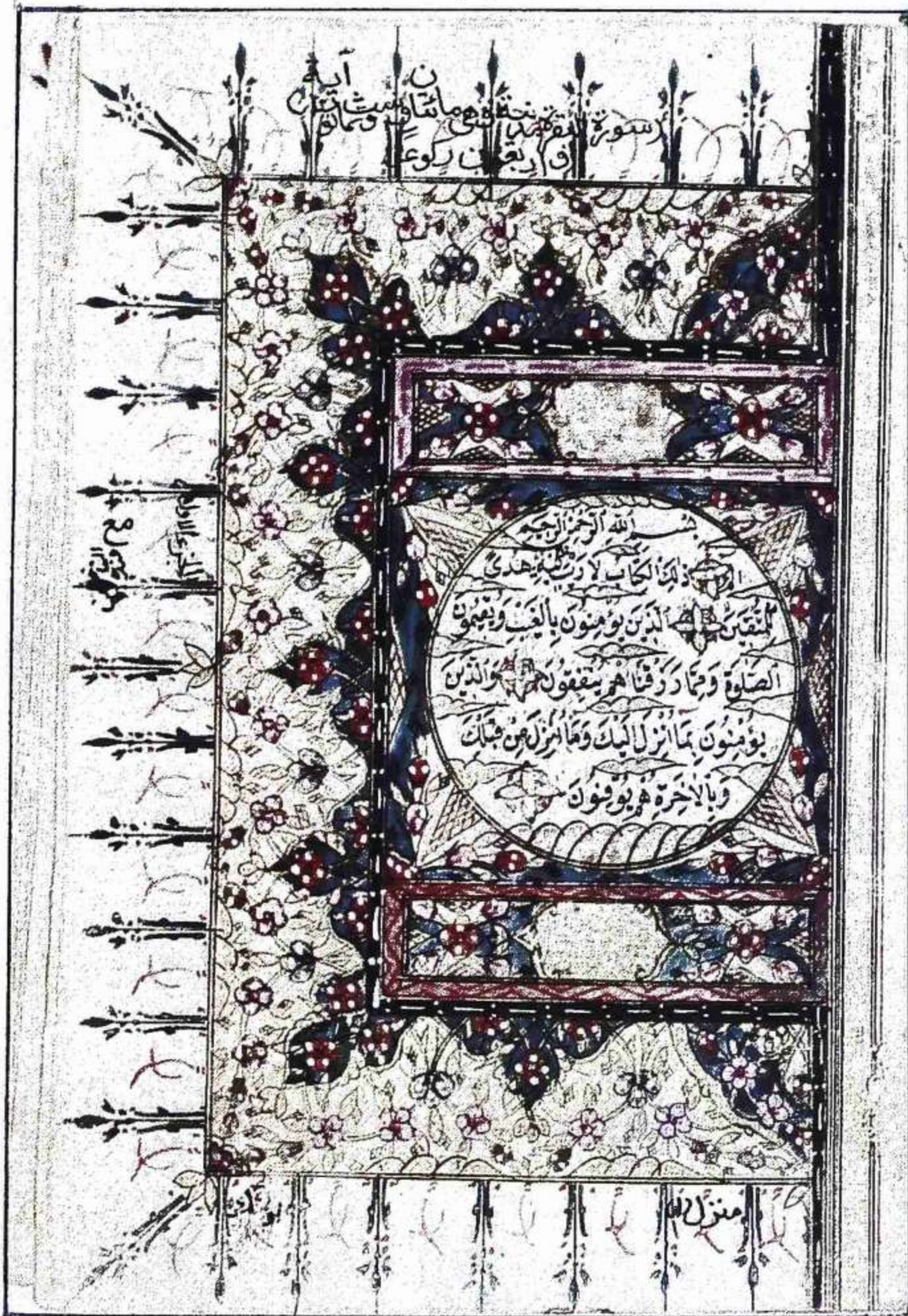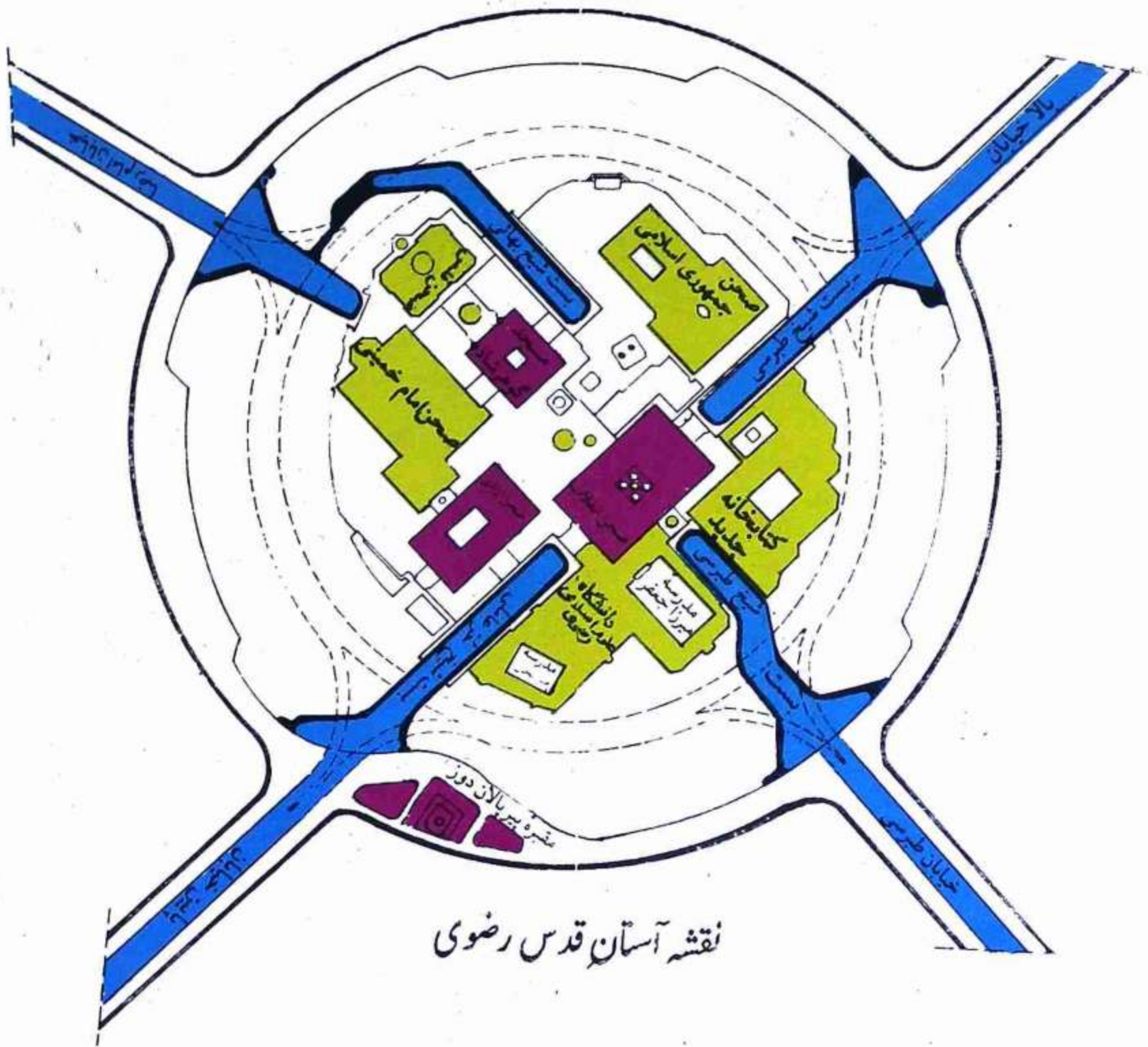
ابتدائیہ

اس بابرکت نام سے

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

سفر تو بہت کئے، شمال و جنوب، مشرق و مغرب، غرض دنیا کا کونا کونا چھان مارا - اس جہاں گردی کی ابتداء حج بیت اللہ کے سفر سے ہوئی جس کی سعادت ۱۹۶۰ء میں حاصل ہوئی تھی - ارضِ مقدس کا یہ سفر میرے لئے ہنایت بابرکت ثابت ہوا اور اس کے فیوض و برکات ہنوز جاری و ساری ہیں -

اتنے بہت سے سفر کرنے کے باوجود سفر نامہ لکھنے کی بوجوہ نوبت نہ آئی - میرا پہلا سفر نامہ ازبکستان کی واپسی پر ۱۹۹۳ء میں "کوہِ قاف کے اِس پار" کے نام سے جاوداں، کراچی نے شائع کیا - بعض کوتاہیوں کے باوجود اس سفر نامے کو قبولیت نصیب ہوئی یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے -

لطفی نمودۂ کہ ندارم زبانِ عذر
این عذر را حوالہء لطفِ تو میکنم

اب یہ دوسرا سفر نامہ جو سفر ایران کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے نذرِ قارئین ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس سفر نامے کے بعد انشاء اللہ ارضِ مقدس کا سفر نامہ تحریر کرنے کا قصد ہے۔ میری خوش بختی ہے کہ مجھے سرزمینِ حجاز کو بوسہ دینے کا شرف یوں تو بار بار حاصل ہوا لیکن اس سال ماہِ رمضان المبارک میں وہاں دو ہفتوں سے زیادہ قیام کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ حجازِ مقدس پر کچھ لکھنا مشکل کام ہے خصوصاً مجھ ایسے ہیچمداں کے لئے۔ اہلِ قلم و صاحبانِ دانش و بینش کی بات اور ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قدرت نے ہر کس و ناکس کو اپنے تجربات و مشاہدات بیان کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر تجربات و مشاہدات کو آج ضبط تحریر میں لایا جائے تو وہ کل کی تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں، یہ سوچ کر میں نے زیرِ نظر سفر نامہ تحریر کیا ہے مجھے امید ہے کہ اس سفر نامے کے قارئین اپنی بیش قیمت آراء سے مجھے سرفراز کریں گے اور کوتاہیوں سے مطلع فرمائیں گے۔

سفر نامۂ "کوہِ قاف کے اِس پار" پر جو آراء رسائل، اخبارات، ریڈیو اور خطوط وغیرہ کے ذریعہ سے مجھ تک پہنچیں ہیں ان سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔

خطش گوئی نسیمِ نوبہار است

کہ از وی گلشنِ جاں تازگی یافت

اور سچ پوچھئے تو ان حوصلہ افزائیوں نے ہی مجھے دوسرا سفر نامہ لکھنے کی طرف مائل کیا - میں ان تمام احباب کا جنہوں نے مجھے اس سلسلے میں خطوط لکھے اور ان سارے اخبارات و رسائل کا جنہوں نے میری پہلی تصنیف پر تبصرے شائع کئے بیحد ممنون و متشکر ہوں -

سخن رسید بہ اتمام ، وقتِ عرضِ دعا ست
ظلالِ عاطفتِ مرحمت مخلد باد

اس سفرنامے کے سلسلے میں سب سے پہلے جناب مظفر حسن صاحب ظفر جونپوری کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے مجھے اس سفر نامے کی تصنیف پر مائل کیا اور اپنی توجہات سے سرفراز فرماتے رہے -

میں جناب ابوالحسن رضوی صاحب کا بھی ممنون ہوں جو اگرچہ لیبر قوانین کے ماہر ہیں لیکن میری تحریر کو صاف کرتے رہے اور اپنے نیک مشوروں سے بھی نوازتے رہے -

میں خصوصی طور پر جناب حسین انجم صاحب مدیر طلوعِ افکار کا ممنونِ کرم ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے مختلف مرحلوں میں میری پوری مدد کی - میں ڈاکٹر شکیل نوازش رضا صاحب کا بھی ممنون و متشکر ہوں جنہوں نے میرے پہلے سفرنامے "کوہِ قاف کے اس پار" میں میری بڑی مدد فرمائی تھی اور اس سفرنامے میں بھی ان کی نوازشات شاملِ حال رہی ہیں -

میں ان تمام مصنفین و مؤلفین کا شکر گزار ہوں جن کی بیش قیمت

کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے ۔کتابیات کے عنوان سے ان کی کتابوں کی فہرست آخر میں شامل کتاب ہے ۔

میں اپنے فرزندوں کی ترقیء درجات و توفیقات کے لئے دعاگو ہوں جنہوں نے اس کتاب کے معرض وجود میں آنے تک مجھے کاروباری جھمیلوں اور الجھنوں سے دور رکھا تاکہ میں یکسوئی سے یہ سفر نامہ لکھ سکوں ۔

میں ایک عاجز و گنہگار بندہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سر گرداں اور اس کے لطف و کرم کا امیدوار ہوں ۔کیا عجب خدائے عزوجل امام علی رضا علیہ السلام کے تصدق میں میری بخشش فرمادے ۔آمین

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا ست
تاریک دلم نورِ صفائے تو کجا ست
مارا تو بہشت اگر بطاعت بخشی
این بیع بود لطف و عطائے تو کجا ست

میرا سفرنامہ " سر زمین انقلاب " پریس میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جولائی / اگست ۱۹۹۴ء میں پھر ایران ، شام اور ترکی کے سفر سے سرفراز فرمایا ۔ شام اور ترکی کا سفر میرے اگلے سفرنامے " حجازِ مقدس " کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ بے شمار مقدس مقامات اور تبرکات کی زیارت نصیب ہوئی جن کا ذکر انشاءاللہ سفرنامہ " حجازِ مقدس " میں شامل ہوگا جو جلد ایک الگ کتاب کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کے سعادت حاصل کروں گا انشاءاللہ تعالیٰ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

آغاز

اے نام تو بہتریں سر آغاز
بے نام تو نامہ کے کنم باز
(سعدی)

یہ میرا دوسرا سفر نامہ ہے ۔ اس سے قبل "کوہِ قاف کے اِس پار" جو ازبکستان کے سفر کے بارے میں ہے شائع ہو چکا ہے ۔ ایران کا یہ سفر ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء کی صبح شروع ہوا اور ۲۹ نومبر ۱۹۹۳ء کو اختتام پذیر ہوا ۔ انقلاب سے قبل کئی بار ایران جانا ہوا تھا جو آج کے ایران سے مختلف تھا اس لئے میری کوشش ہوگی کہ کچھ احوال پچھلے سفر کا بھی اس تصنیف میں ہوتا رہے تاکہ ماضی اور حال کا کچھ تقابل ہو سکے ۔

قبل اس کے کہ میں سفر کے حالات لکھوں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے تاریخی ، جغرافیائی ، تہذیبی ، تمدنی ، علمی اور ثقافتی حالات کا مختصراً ذکر ہو جائے تاکہ پس منظر ہر وقت نظروں کے سامنے رہے اور اس مسافرت کے واقعات پڑھنے میں زیادہ لطف آئے ۔ یہ بات یوں بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ایران اور پاکستان کے تعلقات ہمیشہ سے برادرانہ رہے ہیں اور وقتِ ضرورت ایک نے دوسرے کا پورا پورا ساتھ دیا ہے ۔

جغرافیائی حالات

ایران کا رقبہ تقریباً ۱۶,۴۸,۰۰۰ (سولہ لاکھ اڑتالیس ہزار) مربع کیلو میٹر ہے ۔ اس کے مغرب میں عراق اور ترکی ، شمال میں روس کی آزاد شدہ

ریاستیں اور مشرق میں افغانستان اور پاکستان واقع ہیں ۔ ایران کی بحری سرحد خلیج اور بحرِ عمان سے جا ملتی ہے جس کی لمبائی تقریباً ۱,۸۸۰ (ایک ہزار آٹھ سو اسی) کیلو میٹر ہے ، علاوہ ازیں شمال میں بحرِ کیسپین (دریائے خزر) واقع ہے یہ سرحد تقریباً ۶۳۰ (چھ سو تیس) کیلو میٹر ہے ۔ گویا ایران ایک بہت خوش نصیب ملک ہے جس کی بحری سرحد تقریباً ۲۵۰۰ (دو ہزار پانچ سو) کیلو میٹر ہے ، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسری نعمتوں سے بھی نوازا ہے ۔ شمال میں البرز کے اونچے پہاڑ ہیں تو جنوب مشرق میں ذاگروس کے پہاڑی سلسلے ہیں اگر چہ مرکزی حصہ قابلِ کاشت کم ہی ہے ۔ ملک کے صرف ۱/۳ (ایک ہتائی) حصے پر کاشت ہو سکتی ہے لیکن پہاڑوں کے دامن میں ہرے بھرے جنگلات ہیں تو ساتھ ہی ساتھ قابلِ زراعت اور زرخیز زمینیں بھی ہیں جہاں کاشت کی جاتی ہے اور طرح طرح کی اجناس پیدا ہوتی ہیں ۔ ایران کے صحرائی علاقے بھی کافی اہم ہیں جو معدنیات سے بھرے پڑے ہیں ، دشتِ کاویر جس کا رقبہ تقریباً ۲,۰۰,۰۰۰ (دو لاکھ) کیلو میٹر ہے اور دشتِ لوط جس کا رقبہ تقریباً ۱,۶۶,۰۰۰ (ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار) کیلو میٹر ہے اب تک انسان کی دسترس سے باہر ہے ۔ ان نمک اور ریگ زاروں کے نیچے کیا کچھ ہے وقت ہی بتا سکتا ہے ۔ ہاں ان ریگستانوں کے کنارے اور پہاڑوں کے دامن ، قدیم ہتذیب کی آماجگاہیں ہیں مثلاً تختِ جمشید ، رے (موجودہ تہران کا حصہ) ہمدان اور اصفہان وغیرہ وغیرہ ۔ ان بیابانوں کے تہہ در تہہ گوشوں میں طرح طرح کی معدنیات پوشیدہ ہیں خصوصاً تیل جسے کالا سونا بھی کہتے ہیں

وافر مقدار میں پایا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ قدرتی گیس بھی بے انتہا پائی جاتی ہے خصوصاً خوزستان کے علاقے میں ۔ جہاں کے جفاکش اور محبِ وطن جیالوں نے اپنے خون پسینے سے پورے علاقے کو لالہ زار بنا دیا ہے ۔

آب و ہوا

آب وہوا کے لحاظ سے ایران ایک خشک پلیٹو (سطح مرتفع) کہا جا سکتا ہے ۔ جہاں گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے ۔ سردیوں میں برف باری ایک عام سی بات ہے ۔ ٹمپریچر عموماً ۱۰ (دس) سینٹی گریڈ سے لے کر ۲۵ (پچیس) تا ۳۰ (تیس) سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے ۔ سوائے ان مقامات کے جہاں برف باری ہوتی ہے ۔ اسی طرح بارش ۲,۰۰۰ (دو ہزار) ملی میٹر سے لے کر ۱۰۰ (سو) ملی میٹر تک ہوتی ہے ، بارش کی اوسط ۲۷۵ (دو سو پچھتر) ملی میٹر ہے ۔ گرمیوں میں گرم ہوائیں چلتی ہیں خصوصاً ریگستانی علاقوں میں ، سمندروں کے قریب کا ساحلی علاقہ قدرتی ماحول کی وجہ سے یقیناً مختلف ہے ۔

پیداوار

بارش کے علاوہ نہروں اور زیرِ زمین پانی سے کاشت ہوتی ہے جس کا خوشگوار اثر آب و ہوا پر بھی ہوتا ہے ۔ ایرانی طریقۂ کار ہمارے بلوچستان میں حصولِ آب کے لئے کاریز کے طریقۂ کار سے ملتا جلتا ہے ، چھوٹے بڑے ڈیم بھی کافی کار آمد ثابت ہوئے ہیں ۔ پانی کی دستیابی ہی سے فصلوں کو

ترتیب دیا جاتا ہے ۔ گندم اور چاول کافی مقدار میں پیدا ہوتا ہے لیکن کچھ درآمد کرنا پڑتا ہے ۔ گندم تقریباً ۷،۵ (سات اعشاریہ پانچ) ملین ٹن ، جو ۲،۵ (دو اعشاریہ پانچ) ملین ٹن اور چاول ۱،۷ (ایک اعشاریہ سات) ملین ٹن ۔ مختلف قسم کے بیج ۴،۹ (چار اعشاریہ نو) ملین ٹن اور اس کے علاوہ دوسری خوردنی اشیاء ۳,۷۵,۰۰۰ (تین لاکھ پچھتر ہزار) ٹن پیدا ہوتی ہیں ۔ معیشت کا زیادہ انحصار زرعی پیداوار پر ہے ۔ انقلابِ ایران کے بعد زراعت پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے ۔ سیب ، انگور ، انار ، ناشپاتی ، انجیر ، شہتوت ، خوبانی ، موسمبی وغیرہ وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں ۔ خشک پھلوں میں پستہ ایران کی خاص پیداوار ہے ، ایرانی پستے ساری دنیا میں مشہور ہیں ، ایران میں اسے نقد فصل (Cash Crop) کا درجہ حاصل ہے ۔ ایران کی کشمش بھی خوب ہے اور برآمد ہوتی ہے ، مشہدی زعفران ساری دنیا میں مشہور ہے اور اس کو برآمد کیا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اشیاء مختلف مقامات پر آب و ہوا کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہیں ۔ سمندر سے مچھلیاں اور مچھلیوں کے انڈے وافر مقدار میں حاصل ہوتے ہیں ، ایرانی مچھلیوں کے انڈے جسے کاویر (Caviar) کہتے ہیں بہت ہی لذیذ ہوتے ہیں (یہ اور بات ہے کہ مجھے قطعاً پسند نہیں) اور کافی مقدار میں برآمد ہوتے ہیں ۔ یہ عموماً کالے اور بھورے (Brown) رنگ کے ہوتے ہیں جو کافی مہنگے ہوتے ہیں اس لئے صرف امراء کی خوراک میں شامل رہتے ہیں ۔

صنعت و حرفت

صنعتی لحاظ سے ایران کافی ترقی کر چکا ہے اور طرح طرح کی اشیاء بنتی ہیں ۔ لوہے کی صنعت بڑی ترقی کر چکی ہے اور قابلِ ذکر ہے جہاں مختلف اشیاء تیار ہوتی ہیں ۔ کار کی صنعت (Auto Industry) بھی ایک اہم صنعت ہے ۔ ٹیلی ویژن بنانے کا کارخانہ بہت اہمیت رکھتا ہے ، کارخانے کا نام پارس ہے جہاں زیادہ تر خواتین کام کرتی ہیں اور پرزوں کو جوڑ کر ٹیلی ویژن تیار کرتی ہیں ۔ ایران کے بنے ہوئے ٹیلویژن جگہ جگہ نظر آتے ہیں ۔ اس کارخانے اور دیگر کارخانوں کے علاوہ عورتیں فروش گاہوں اور دفتروں وغیرہ میں کثرت سے کام کرتی ہیں جن کا تعلق زیادہ تر متوسط گھرانوں سے ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ ایسی خواتین بھی ہیں جن کے شوہر یا اولادیں ایران عراق جنگ میں کام آچکی ہیں ۔ یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ ایسی خواتین جن کے کمانے والے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں بجائے اس کے کہ حکومت کے وظیفے پر گذرِ اوقات کریں ، کام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں ۔ خواتین طب اور دیگر پیشوں سے بھی کثرت سے منسلک ہیں ۔ یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ شہداء کے اہلِ خاندان کو ہر آسامی پر ترجیح دی جاتی ہے ۔ عورتیں کام کہیں بھی کریں حجاب کا پورا پورا لحاظ رکھتی ہیں ۔ گویا وہ یہ ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ اسلامی اقدار ان کے کام میں حارج نہیں ہو سکتیں ۔

اس کے علاوہ صنعتِ پارچہ بافی (Textile) ، صنعتِ شیشہ سازی کاغذسازی ، لکڑی کی صنعت اور گھریلو سامان کی صنعت قابلِ ذکر ہیں ۔

ایرانی فنونِ لطیفہ اور فن کار اپنے فن اور نقوش (مصوری) کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں، ان میں مصوری اور قالین بافی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں ۔

ایرانی قالین کے خاص خاص مراکز کاشان ، نائن (Nayin) ، تبریز ، اصفہان ، ترکمان ، بیجار ، کرمان اور قم میں ہیں ۔ قالینوں کے علاوہ گلیم بھی بہت بنتے ہیں ۔ گلیم ایک طرح کا سستا قالین ہی ہوتا ہے ، علاوہ ازیں تانبے اور پیتل کا کام ، کانسی کا کام ، رنگین ٹائلز (Tiles) اور اس کے علاوہ سینکڑوں اقسام کی اشیاء تیار کی جاتی ہیں جو اپنی خوبصورتی اور پائیداری (مضبوطی) کے لئے مشہور ہیں ۔

معدنی اشیاء میں خام تیل جسے کالا سونا (Black Gold) بھی کہا جاتا ہے خاص اہمیت کا حامل ہے ۔ خام تیل کی روزانہ پیداوار ۲٫۵ (دو اعشاریہ پانچ) ملین بیرل ہے اور تقریباً دو ملین بیرل روزانہ برآمد ہوتا ہے باقی تیل ملک میں صاف کیا جاتا ہے اور استعمال ہوتا ہے ۔ زمین کے اندر تیل کے علاوہ قدرتی گیس بھی بہت پائی جاتی ہے جسے برآمد کرنے کے انتظامات ہورہے ہیں ، گویا ایران قدرتی وسائل سے مالا مال ہے ۔

ایران پر کرم ہے یہ پروردگار کا
محفوظ ہر طرف ہے خزانہ بہار کا

ایران کی آبادی

ایران کی آبادی تقریباً پانچ کروڑ ہے ۔ کم و بیش ۵۵% (پچپن فیصد)

لوگ شہروں میں رہتے ہیں ۔ باقی آبادی قصبوں اور دیہاتوں میں رہتی ہے جہاں کاشتکاری کے علاوہ چھوٹی صنعتیں بھی ہیں.جہاں لوگ کام میں مشغول رہتے ہیں ۔ شہری آبادی کا دباؤ زیادہ تر تہران ، مشہد ، اصفہان ، تبریز ، شیراز قم ، اہواز اور کرمان شاہ وغیرہ پر ہے ۔ ایران کا تعلق براہِ راست وسط ایشاء سے ہونے کے ساتھ ساتھ ترکی اور عرب ممالک سے بھی ہے ۔ اس طرح ایران میں مختلف قومیتوں کے لوگ آباد ہیں لیکن سب مل کر ایک قوم بنتے ہیں اور وہ ہے ایرانی قوم اور سب اس بات پر فخر کرتے ہیں.۔ ایران کی سرکاری و قومی زبان فارسی ہے اور سال سنِ ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور سرکاری طور پر اسی پر عمل درآمد ہوتا ہے لیکن نیا سال ۲۱ ِ مارچ سے شروع ہوتا ہے جب کہ بہار کی آمد آمد ہوتی ہے جسے " نوروز " کہتے ہیں اور اس دن جشن منایا جاتا ہے ۔ اس جشن میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب والے بھی دل سے شریک ہوتے ہیں اور دل کھول کر خوشی مناتے ہیں ، پارسی حضرات تو پاکستان میں بھی اسی جوش و خروش سے جشنِ نوروز مناتے ہیں ۔

بادِ نوروز وزیده است به کوه و صحرا
جامۂ عید بپوشند چه شاه و چه گدا
(امام خمینیؒ)

ایران دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے ۔ رضا شاہ پہلوی نے انقلابِ ایران سے چند سال قبل ایران میں ڈہائی ہزار سالہ شاہی کا جشن

منایا تھا جو ایرانی شہنشاہیت کا آخری جشن ثابت ہوا - انقلابِ ایران نے شہنشاہیت ختم کر کے اسلامی جمہوری نظام رائج کیا - ایران کی قدیم آبادی زیادہ تر پارسی تھی یعنی آتش پرست ، ساتویں صدی عیسوی ۶۴۱ء یعنی ۳۱ ھ میں جنگِ نہاوند میں کیخسرو کی شکست یا پہلی صدی ہجری کے وسط میں اسلامی فتوحات کے ساتھ ایران مشرف بہ اسلام ہوا - اس کے ساتھ ہی قدیم ساسانی مملکت کا خاتمہ ہوگیا - اب بحمد اللہ ۹۸ % (اٹھانوے فیصد) آبادی مسلمانوں کی ہے - مسلمانوں کے علاوہ کچھ یہودی ، عیسائی اور پارسی بھی ہیں جن کو پوری پوری مذہبی آزادی اور قانونی تحفظ حاصل ہے -

ایرانی علم و ادب اور درس و تدریس

ایران ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے ، ایران میں نہ صرف فارسی ادب کو فروغ ملا بلکہ عربی زبان و ادب کو بھی عروج حاصل ہوا قران فہمی ان کا ہمیشہ سے ایک اہم مضمون رہا ہے - علم و ادب کے فروغ کے لئے بڑے بڑے مراکز قائم ہوئے خاص طور پر مشہد ، نیشاپور ، رے (جو اب تہران کا ایک حصہ ہے) شیراز ، تبریز ، اصفہان ، قم وغیرہ - ان مراکز اور دیگر دوسرے مراکز سے بڑی بڑی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں جو نہ صرف ایران اور دیگر اسلامی ملکوں میں بلکہ عالمی سطح پر بھی مشہور و معروف ہوئیں مثلاً ذکریا رازی ، بو علی سینا ، فارابی ، غزالی ، ابوریحان البیرونی ، خواجہ نصیر الدین طوسی ، سعدی ، حافظ ، مولانا رومی ، عمر خیام ، عطار نیشاپوری وغیرہ وغیرہ -

اس وقت ایران میں دینی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز قم ہے جو تہران سے تقریباً ایک سو تیس کیلو میٹر فاصلے پر ہے ۔ دوسرا مشہد جو صوبہء خراسان کا سب سے بڑا شہر ہے اور تیسرا تہران ہے ۔ ان مراکز میں ابتداء سے ڈگری تک تعلیم دی جاتی ہے. جہاں کے فارغ التحصیل طلبہ، مجتہد، آیت اللہ اور حجۃ الاسلام کہلاتے ہیں ۔ علماء میں جو اعلم ہوتا ہے اس کی تقلید کی جاتی ہے اور وہی " مرجعِ تقلید " کہلاتا ہے ۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے جس کا بندوبست حکومت کرتی ہے ۔ ذریعۂ تعلیم کچھ اس طرح ہے :-

ایرانی قوانین کے تحت سیکنڈری اسکول تک تعلیم مفت ہے ۔ ۱۹۳۴ء کے قانون کے مطابق سات سال کی عمر سے تعلیم لازمی اور بلا معاوضہ ہے ۔ اس وقت ایران میں تقریباً گیارہ ملین طلبہ زیرِ تعلیم ہیں ۔ ان کے لئے ستر ہزار اسکول اور چار لاکھ سے زائد اساتذہ ہیں ۔ سیکنڈری اسکول سے اوپر اعلیٰ تعلیم تک کے لئے ۱۱۶ (ایک سو سولہ) مراکز ہیں، یونیورسٹی اور دیگر تعلیم گاہوں میں دو لاکھ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں جن میں سالانہ ۱۰% (دس فیصد کا اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔

انقلابِ ایران کے بعد دیہی علاقوں میں تعلیم پر زیادہ زور دیا جارہا ہے قریہ قریہ گاؤں گاؤں نئے نئے اسکول کھولے جارہے ہیں ۔ تعلیمِ بالغاں کا بھی معقول انتظام ہے ۔ اس طرح ۱۹۳۴ء کے قانون پر اب سختی سے عمل ہورہا ہے ۔ سرکاری دفتروں میں ایسے تمام لوگوں کے لئے جن کی عمر پچاس سال سے

کم ہے پڑھنا لکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم کی ابتدائی اور ضروری باتیں بھی بتائی جاتی ہیں تاکہ دینی فرائض صحیح طور پر ادا کر سکیں اس وقت ایران میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ٨٠% (اسی فیصد) ہے جس میں سال بہ سال اضافہ ہوتا رہے گا کیونکہ تعلیم پر صحیح معنوں میں توجہ دی جارہی ہے۔ پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں خلوص سے کام کررہے ہیں۔ کلاشن کوف کلچر سے یہ لوگ بحمداللہ ناآشنا ہیں۔

اگر صدرِ پاکستان کے دورۂ ایران ستمبر ١٩٩٤ء کی مناسبت سے بات کی جائے تو صورتِ حال یوں ہے۔

١٩٧٩ء کے اِنقلاب کے وقت ایران میں شرح خواندگی تقریباً ٥٠% (پچاس فیصد) تھی انقلاب کے بعد اس میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ١٩٨٤ء یعنی انقلاب کے پانچ سال بعد تعلیم پر خرچ کی جانے والی رقم قومی آمدنی کا ٣٫٨٩ (تین اعشاریہ نواسی) فیصد تک پہونچ چکی تھی جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا ١٩٩٣ء میں اسے بڑھا کر ٥٫٧٥ (پانچ اعشاریہ پچھتر) کردیا گیا۔ رواں سال میں اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں دینی تعلیم پر کثیر رقم خرچ ہوتی ہے جس کے اخراجات خمس سے پورے کئے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں پاکستان میں تعلیم پر مجموعی قومی آمدنی کا محض ٢٫٤ (دو اعشاریہ چار) فیصد خرچ ہوتا ہے، جس کو بڑھا کر ٣% (تین فیصد) کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ خدا کرے کہ حکومت اس عمل میں کامیاب ہوجائے تاکہ ہماری شرح خواندگی میں کچھ تو اضافہ ہو سکے۔ ایران میں اس وقت شرح

خواندگی کا یہ عالم ہے کہ پرائمری تعلیم سے بالائی سطح تک ٧٥% (پچھتر فیصد) سے زائد ہے - اور پرائمری سطح پر ٨٠% (اسی فیصد) سے زائد - اگر یہ سلسلہ یوں ہی قائم رہا اور امید ہے کہ انشاء اللہ قائم رہے گا تو وہ دن دور نہیں جب ایران میں شرح خواندگی ١٠٠% (سو فیصد) تک پہونچ جائے گی -

انقلاب ایران

اہل ایران نے ساتویں صدی عیسوی یا پہلی صدی ہجری کے وسط میں اسلام قبول کیا جس کے ساتھ ساسانی / سامانیہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا - اسلام اور خلافت کو اہل ایران نے قبول کیا ، خلافتِ راشدہ کے اختتام پر پہلے بنی امیہ تقریباً سوا سو سال حکمران رہے اس کے بعد عباسی دورِ اقتدار شروع ہوا جو تقریباً سوا چھ سو سال رہا - اہل ایران نے اسلام اور خلافت کو تو تسلیم کیا لیکن ملوکیت کو تسلیم نہیں کیا ، شاہی یا ملوکیت اسلامی اقدار اور روح کی کھلی ہوئی نفی ہے - اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ محض رب العزت کا ہے ، ذرا غور فرمائیے تاریخ اسلام میں دو نقطہ ہائے نظر کار فرما ہیں ، ایک رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے وسیلہ سے ہم تک پہونچا دوسرا بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتوں کے ذریعے جس نے جبر و استیصال کا جواز پیدا کیا اور اسی پر عمل ہوتا آیا ہے کیونکہ خالص اسلامی نظریہ یا دوسرے لفظوں میں رسولؐ و آلِ رسولؐ کا نظریہ اقتدار سے ہمکنار ہوا ہی نہیں ، سوائے چند مستثنیات کے ، چنانچہ ملوکیت ہی عالمِ اسلام پر حاوی رہی اور اسی کا غلبہ رہا - آج بھی بیشتر اسلامی

ممالک میں شاہی آمریت قائم ہے، خدا کرے کہ جلد سارے عالمِ اسلام میں اسلامی جمہوریت قائم و دائم ہو جائے۔

خلافتِ راشدہ اور عہدِ بنو امیہ و عہدِ بنو عباس کی تفصیل یوں ہے۔

خلافتِ راشدہ	۱۱ھ سے ۴۰ھ تک
عہدِ بنو امیہ	۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک
عہدِ بنو عباس	۱۳۲ھ سے ۶۵۵ھ تک

بنی امیہ اور بنی عباس نے اطاعتِ اولی الامر کو آمریت و شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا اور آمریت ہی کو موروثی قرار دے دیا، حقیقت تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اطیعوا الله واطیعوا الرسول کو پس پشت ڈال دیا گیا اور اولی الامر پر زور دیا جانے لگا۔ اس طرح خلافتِ راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی ملوکیت کا دور دورہ ہو گیا، اہلِ ایران دینی معاملات میں آنحضرتؐ اور اہلِ بیتؑ کے پیرو کار رہے بلکہ ان ہی کو برسرِ اقتدار دیکھنا چاہتے تھے تاکہ اسلام کی اصل روح قائم رہے، اس تضاد کی وجہ سے اندرونی کشمکش جاری رہی۔ اموی اور عباسی دور سوائے چند مستثنیات کے اہلِ ایران کے لئے عموماً اور آلِ رسولؐ کے لئے خصوصاً ابتلا کا دور رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد بنو امیہ کا وہ واحد دور ہے جس میں اہلبیتِ رسولؐ نے چین کی زندگی گذاری لیکن یہ دور ۹۹ھ میں شروع ہوا اور ۱۰۱ھ میں آپ کے انتقال کے ساتھ ختم ہو گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ٦١ھ میں اموی خاندان میں پیدا ہوئے ۹۹ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے ۱۰۱ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے - آپ نہایت دیندار، نیک اور پابندِ شرع خلیفہ تھے - آغازِ خلافت سے پہلے آپ کی آمدنی چالیس ہزار دینار بتائی گئی ہے لیکن اقتدار میں آتے ہی انہوں نے اسے رضاکارانہ طور پر بہت کم کردیا - انتقال کے وقت ان کی سالانہ آمدنی صرف چار سو دینار رہ گئی تھی - آپ نے اسلامی اقدار کو سامنے رکھا اور کم سے کم آمدنی پر گذر بسر کی غالباً اسی وجہ سے سفیان ثوری نے آپ کو پانچواں خلیفہءِ راشد کہا ہے اس بنا پر دنیا آج بھی آپ کو یاد کرتی ہے -

اموی اور عباسی ادوار اپنے اندورنی خلفشار کی وجہ سے کمزور پڑتے گئے جس کی وجہ سے بیرونی طاقتوں کو موقع ملا اور اموی و عباسی دور کا یکے بعد دیگرے خاتمہ ہوگیا اور سلجوقیوں، ترکوں، منگولوں اور تیموریوں نے اپنی اپنی سلطنتیں قائم کیں یہاں تک کہ صفوی دور میں ایران ایک بہت بڑی قوت بن کر ابھرا - اس دور میں آلِ رسولؐ کے بچے کچھے افراد سامنے آئے اور ان کی قدر و منزلت کا زمانہ شروع ہوا - آلِ رسولؐ کے وہ افراد جو عرب ممالک میں گوشہ نشین تھے ایران منتقل ہوگئے اور آہستہ آہستہ ہندو پاک میں آباد ہوگئے اسی وجہ سے ان علاقوں میں سادات کی آبادیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں اس کا حوالہ میں نے اپنے پہلے سفر نامے "کوہِ قاف کے اِس پار" میں دیا ہے -

صفوی دور کے بعد افشار اور زند دور شروع ہوا جس کا خاتمہ قاچاریوں نے کیا - قاچاری دور میں بیرونی مداخلت شروع ہوئی خصوصاً روس اور برطانیہ کی جانب سے ، اہل برطانیہ سگریٹ سازی کی صنعت اور دیگر صنعتوں کے ذریعے ایران کی معیشت پر چھا جانا چاہتے تھے ایران کے علمائے کرام نے اس کی سخت مخالفت کی اور سگریٹ نوشی کے خلاف فتویٰ جاری کیا جس کے نتیجے میں عوام نے تمباکو خوردنی چھوڑ دی اور حقہ پینا تک ترک کردیا اور یوں سگریٹ نوشی ممنوع قرار دے دی گئی - آج تو سگریٹ نوشی کے مضر اثرات سے دنیا واقف ہو چکی ہے -

قاچاری حکومت کمزور پڑتی گئی اور علماء مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے عوام نے کھل کر علماء کا ساتھ دیا جس کے نتیجے کے طور پر شاہ جو قاچاری فوج میں سپاہی سے جرنیل کے عہدے تک پہونچے تھے قاچاری دور کا خاتمہ کر کے خود بادشاہ بن بیٹھے لیکن یہ دور زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوا کیونکہ شاہ کی علماء سے ٹھن گئی اور علماء کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا - پردہ ممنوع قرار پایا علماء کو بھی جدید پوشاک زیب تن کرانے کی پوری پوری سعی کی گئی لیکن

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا

اسی دوران جنگ عظیم چھڑ گئی - ایران نے جرمنی کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے روس ، امریکہ ، برطانیہ اور دیگر اتحادی قوتیں ایران پر چڑھ دوڑیں اور ایران پر عارضی طور پر قبضہ کرلیا - شاہ کو ملک بدر کیا گیا - جنگ کے خاتمے پر اتحادیوں نے ان کے بیٹے علی رضا کو نام نہاد بادشاہ بنادیا جو رضا شاہ صغیر کے

نام سے مشہور ہوئے ۔ جنگ کے اختتام پر اتحادی افواج واپس تو چلی گئیں لیکن ایران پر امریکہ بری طرح مسلط ہوگیا ۔ آخر امریکہ ہی کی پالیسی ایران کی پالیسی بنی گویا اصل حکمرانی امریکہ کی تھی صرف نام رضا شاہ کا تھا ۔ علماء نے سختی سے رضا شاہ کی مخالفت کی جو اصل میں امریکہ کی مخالفت تھی ۔ رضا شاہ کا ظلم بڑھتا رہا اور علماء پر سختی میں اضافہ ہوا مگر دھیرے دھیرے علماء کی قوت عوام میں جڑ پکڑتی گئی یہاں تک کہ عوام شاہی کے خلاف کفن بردوش ہوگئے ۔

اسلام دشمن عناصر کو پسپا ہونا پڑا کیونکہ بقولِ شاعر :-

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے (علامہ صفی لکھنوی)

عوام کے دوش بہ دوش، علمائے کرام نے بھی قربانیاں دیں اور جانوں کا نذرانہ پیش کیا ۔ بہر حال خونِ شہیداں رنگ لایا ۔ امریکہ کی پوری حمایت کے باوجود رضا شاہ کو ملک چھوڑنا پڑا اور عوام کی شاندار فتح ہوئی جس کی قیادت آیۃ اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینیؒ کے ہاتھ میں تھی ۔ اس طرح اسلامی انقلاب آیا اور زور شور سے آیا اور اپنے خلاف تمام طاغوتی طاقتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا اور آخر کار اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اپریل ۱۹۷۹ء میں اسلامی جمہوریہ ایران قائم ہوئی ۔

مرحبا آقا خمینیؒ مرحبا صد مرحبا
تاج تقوے کا ہے سر پر خسروی ٹھوکر میں ہے (ظفر جونپوری)

ایران میں شہنشاہیت اور آمریت کے خلاف جنگ ہر دور میں ہوتی رہی خاص طور پر ڈاکٹر مصدق نے جس تن دہی اور خلوصِ نیت سے آمریت کے خلاف عامۃ الناس کو متحد کیا وہ بے مثال ہے۔ رضا شاہ کو عارضی طور پر ہی سہی دو بار ملک چھوڑنا پڑا لیکن استعماری قوتوں نے آمریت کا ساتھ دیا اور ڈاکٹر مصدق کو ناکامی ہوئی۔

ظاہر بظاہر ڈاکٹر مصدق کی قوت دم توڑ گئی لیکن بہ باطن عامۃ الناس کی قوت جڑ پکڑ گئی جس کی آبیاری ڈاکٹر علی شریعتی جیسی محبِ وطن اور دانشور ہستی نے کی جو عالمِ شباب میں رضا شاہ کی خفیہ پولیس ساوک کے ظلم کا نشانہ بن گئے۔ عوام کی پے در پے کامیابیاں علامہ اقبالؒ کے خواب کی تعبیرؒ کی طرف پہلا قدم ثابت ہوئیں۔

تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

ایرانی علامہ اقبالؒ کے شیدائی ہیں اور انہیں عموماً اقبال لاہوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عوام تو عوام جید علمائے کرام بھی ان کی بصیرت کے قائل ہیں، مشہد میں ایک ایرانی عالمِ دیں سے گفتگو چل نکلی جو اردو زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہیں فرمانے لگے علامہ نے اتنی اچھی فارسی کیسے لکھی؟ میں اس کا کیا جواب دیتا۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

ایرانی عالم کی بات سے میں دل میں بہت خوش ہوا کہ اہل ایران بھی علامہ کی فارسی دانی کے قائل ہیں ، علامہ اقبالؒ کے شیدائیوں میں ڈاکٹر فریدنی مرحوم اور رہبر ایران آقائے خامنہ ای جیسی ہستیاں شامل ہیں جو اپنی تقاریر میں علامہ اقبالؒ کے اشعار بے محابہ استعمال کرتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فارسی لکھنے اور پڑھنے والے روز بروز پاکستان میں کم ہوتے جارہے ہیں اور اگر سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو کچھ دنوں بعد فارسی داں ہمارے ملک سے ختم ہو جائیں گے ۔ لہذا ہمارے مدرسوں اور اسکولوں میں ابتداء ہی سے فارسی پڑھانے کا انتظام ہونا چاہیئے گلستان ، بوستان جیسی کتابیں شامل نصاب ہونی چاہیئیں ۔ انگریزوں کی آمد تک اس خطے کی سرکاری زبان فارسی تھی ، آج یہاں اس کا چلن ختم ہوتا جارہا ہے ، پاکستان کے قومی شاعر علامہ اقبالؒ کا بیشتر کلام جو تقریباً ستر فیصد فارسی زبان میں ہے ، آخر اسے کون سمجھے گا اور کیا ان کی روح تڑپ نہیں رہی ہوگی ، آخر اس کا ذمے دار کون ہے ؟ حکومت کے ایوانوں میں بیٹھنے والے سیاسیات میں تو ان کا نام بار بار لیتے ہیں لیکن ان کے کلام کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہے آخر یہ کم نگاہی کب تک رہے گی ، اہل اقتدار کو سوچنا چاہیے کہ جب ان کے کلام کے سمجھنے والے نابود ہو جائیں گے تو ان سے استفادہ کیسے کیا جاسکتا ہے ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

یہاں علامہ اقبالؒ کی شاعری کے حوالے سے اس بات کا تذکرہ بیجا نہ ہوگا کہ آیۃ اللہ روح اللہ خمینیؒ رہبر انقلاب کو عموماً لوگ ایک جید عالم دین ،

مفکر، مجتہد اور اعلیٰ پائے کے سیاست دان کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں جن کی سیاست تقویٰ پر پلی، بڑھی، اور چلی اور آخر کار کامیابی سے ہمکنار ہوئی لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ زاہدِ خشک نہ تھے بلکہ اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے، انہوں نے شاعری میں غزل اور رباعی کی صنف کو اپنایا۔ آپ کی غزل کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں اور ترجمہ بھی۔ ترجمہ ملک کے مایہ ناز شاعر پروفیسر سید فیض الحسن فیضی نے کیا ہے۔

کلامِ حضرتِ امام خمینیؒ

خلوتِ مستان

در حلقۂ درویش ندیدیم صفائی

در صومعہ از او نشنیدیم ندائی

در مدرسہ از دوست نخواندیم کتابی

در ماذنہ از یار ندیدیم صدائی

در جمع کتب ہیچ حجابی ندریدیم

در درسِ صحف راہ نبردیم بجائی

در بتکدہ عمری ببطالت گذراندیم

در جمع حریفان نہ دوائی و نہ دائی

در جرگۂ عشاق روم بلکہ بیابم

از گلشنِ دلدار نسیمی ردِ پائی

این ما و منی جملہ ز عقل است و عقال است

در خلوتِ مستان نہ منی ہست و نہ مائی

درویش کے حلقے میں صداقت نہ صفا ہے
یہ ذکر نہ تھا صومعہ میں اور نہ ہوا ہے
مکتب میں کتابوں سے بھی دلبر کو نہ جانا
کہیے! کسی مینار میں بھی اس کی صدا ہے؟
پردہ نہ رخ یار سے سرکا دمِ تدریس
رستہ نہ صحائف سے ہمیں کوئی ملا ہے
اک عمر مری گذری ہے بت خانے میں بےکار
واں اپنے مرض کی نہ دوا ہے نہ دعا ہے
جاتے تو ہیں عشاق کی محفل میں کہ مل جائے
گلزارِ محبت کی جو بوئے کفِ پا ہے
یہ جھگڑے من و ما کے ہیں سب عقل کے شوشے
ہم مست الستوں میں کوئی من ہے نہ ما ہے

چشمِ بیمار

من بخالِ لبت ای دوست گرفتار شدم
چشمِ بیمار تورا دیدم و بیمار شدم
فارغ از خود شدم و کوسِ اناالحق بزدم
همچو منصور خریدارِ سرِ دار شدم
غمِ دلدار فکنده است بجانم شرری
که بجان آمدم و شهرهٔ بازار شدم
درِ میخانه گشائید برویم شب و روز
که من از مسجد و از مدرسه بیزار شدم
جامهٔ زهد و ریا کندم و برتن کردم
خرقهٔ پیرِ خراباتی و هشیار شدم
واعظ شهر که از پندِ خود آزارم داد
از دم رندِ می آلوده مددگار شدم
بگذارید که از بتکده یادی بکنم
من که با دستِ بتِ میکده بیدار شدم

خالِ لب سے میں ترے، دوست! گرفتار ہوا
چشمِ بیمار تری دیکھی تو بیمار ہوا

بے خودی میں جو کیا نعرہ اناالحق کا بلند
میں سرِ دار بھی تیرا ہی خریدار ہوا

کیا پتنگا سا غمِ دوست نے پھینکا دل میں
کہ مری موت کا چرچا سرِبازار ہوا

رات دن رہنے دو میخانہ کھلا میرے لئے
مسجد و مدرسے سے اب تو میں بیزار ہوا

نوچ کر جسم سے یہ ظاہری تقوے کا لباس
خرقہ پوشی کو جو اپنایا تو ہشیار ہوا

اپنی باتوں سے مجھے دکھ ہی دیا واعظ نے
رند کی باتوں سے لیکن میں خوش اطوار ہوا

وہ صنم خانہ مجھے یاد تو کر لینے دو
ہائے وہ دستِ صنم جس سے میں بیدار ہوا

مستی عاشق

دل کہ آشفتہء روی تو نباشد دل نیست
آنکہ دیوانہء خالِ تو نشد عاقل نیست

مستیء عاشقِ دلباختہ از بادۂ تو است
بجز این مستیم از عمر دگر حاصل نیست

عشق روی تو در این بادیہ افگند مرا
چہ توان کرد کہ این بادیہ را ساحل نیست

بگذر از خویش اگر عاشقِ دلباختہ ای
کہ میانِ تو و او جز تو کسی حایل نیست

رہروِ عشقی اگر خرقہ و سجادہ فگن
کہ بجز عشق تو را رہروِ این منزل نیست

اگر از اھلِ دلی صوفی و زاھد بگذار
کہ جز این طایفہ را راہ در این محفل نیست

برخم طرۂ او چنگ زنم چنگ زنان
کہ جز این حاصلِ دیوانہء لا یعقل نیست

دستِ من گیر و از این خرقۂ سالوس رھان
کہ در این خرقہ بجز جایگہ جاھل نیست

علم و عرفان بخرابات ندارد راھی
کہ بمنزلگہء عشاق رہِ باطل نیست

دل ترے رخ کا جو شیدا نہیں، کیا دل ہوگا؟
جاں نہ چھڑکے جو ترے خال پہ، عاقل ہوگا؟
تیرے عاشق کی یہ مستی ہے فقط مئے سے تری
اس سے بڑھ کر بھی کوئی عمر کا حاصل ہوگا
جستجو نے تری اس دشت میں لا پھینکا ہے
کیا کریں اس کا کنارا ہے نہ ساحل ہوگا
عشقِ صادق ہے تو پھر ذات کے پھندے سے نکل
تب نہ بیچ اس کے نہ تیرے کوئی حائل ہوگا
رہروِ عشق ہے تو ، خرقہ و سجادہ کو چھوڑ
اک فقط عشق ترا رہروِ منزل ہوگا
صاحبِ دل ہے تو ہو صوفی و زاہد سے الگ
کوئی دل والا کبھی ان میں نہ شامل ہوگا
چھیڑتا ہوں میں تری زلفوں کو بربط کی طرح
اور دیوانے کو کیا عشق سے حاصل ہوگا
دستگیری ہو ، ملے مکر کی گدڑی سے نجات
یہ نشانی ہے کہ اس میں کوئی جاہل ہوگا
علم و عرفاں کی خرابات میں جب راہ نہیں
رستہ عشاق کا پھر کس لئے باطل ہوگا

غمزۂ دوست

جز سر کوی تو ای دوست ندارم جائی
در سرم نیست بجز خاکِ درت سودائی

بر درِ میکده و بتکده و مسجد و دیر
سجده آرم که تو شاید نظری بنمائی

مشکلی حل نشد از مدرسه و صحبتِ شیخ
غمزه ای تا گره از مشکلِ ما بگشای

این همه ما و منی صوفی درویش نمود
جلوه‌ای تا من و مارا ز دلم بزدائی

نیستم نیست که هستی همه در نیستی است
هیچم و هیچ که در هیچ نظر فرمائی

پی هر کس شدم از اهل دل و حال و طرب
نشنیدم طرب از شاهدِ بزم آرائی

عاکفِ درگہِ آن پردہ نشینم شب و روز
تا بیک غمزۂ او قطره شود دریائی

تیرے کوچے کے سوا دوست کوئی جا ہی نہیں
آستاں کا ترے سودا ہے فقط سر میں مکیں

مسجد و دَیر میں، بتخانے میں، میخانے میں
سر پٹختا ہوں تری شکل نظر آئے کہیں

مکتب و شیخ کی صحبت میں نہ مشکل ہوئی حل
نگہِ لطف کہ مشکل مری آساں ہو کہیں

ما و من صوفی و ملا کے تفرقے ہیں سبھی
ایک جلوہ کہ من و ما کے مٹیں دل سے نگیں

نیستی میری عدم تو نہیں، ہستی ہے عدم
ہیچ سے بھی میں فرومایہ ہوں، کر اپنے قریں

دل جلوں، صوفیوں اور اہلِ طرب میں بھی رہا
دیکھا میں نے نہ کبھی شاد کوئی بزم نشیں

معتکف رہتا ہوں اس پردہ نشیں کے در پر
شاید اک غمزے سے ہو قطرہ سمندر آگیں

اول فنا آخر فنا، کل نفس ذائقۃ الموت - اپنے دلی مقاصد میں سرخرو ہوئے، کامیاب ہوئے، ملک و ملت کو آزادی سے ہمکنار کیا، اسلام کا بول بالا کیا اور دینِ اسلام کا پرچم لہرایا، ملوکیت سے جان چھڑائی، جمہوریتِ اسلامی کی راہ دکھائی، اقتدارِ اعلیٰ رب العزت کا، انتظام و انصرام عوام کا، یہی مقصدِ حیات تھا جس کی تکمیل کی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے -

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہاں یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انقلابِ ایران دنیا کی تاریخ میں واحد انقلاب ہے جس میں اقتدارِ اعلیٰ چند ہاتھوں سے چھین کر عوام کو عطا کیا گیا ورنہ ہوتا یہ آیا تھا کہ اقتدار چند ہاتھوں سے نکل کر دوسرے چند ہاتھوں میں چلا جاتا تھا اور عوام بیچارے ہزار قربانیوں کے باوجود اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں - فرانس کا انقلاب دیکھئے یا روس کا انقلاب، ہاتھ بدلے لیکن عوام کو کچھ حاصل نہ ہو سکا - اس سلسلے میں جان سمپسن (John Simpson) کی کتاب Behind Irania Line سے اقتباس پیشِ خدمت ہے :-

The Revolution is completely different from any other that has taken place in the world. What usually happens after a Revolution is that people take power from one oppressive regime and give it to another regime, which becomes oppressive in its turn. The French Revolution, the Russian Revolution - you should study them. Nothing happened as a result of them. Before and after they were the same they didn't do anything for the nation. In Iran the greatest change imaginable took place - a change in the attitude of the people.

قطعۂ تاریخ بمناسبتِ ارتحالِ آیۃ اللہ روح اللہ خمینیؒ طاب ثراہ

از ظفر جونپوری

اٹھ گیا وہ فقیہہ دنیا سے
تھا جسے خاص ربط عقبیٰ سے

تھا خمینی، خمین سے منسوب
اس کو تھی بس رضائے حق مطلوب

خاندانی تھا باوقار تھا وہ
مژدۂ آمدِ بہار تھا وہ

منفرد تھا کمالِ عرفاں میں
مستند تھا شعورِ قرآں میں

زندگی وقف تھی برائے اصول
منھ سے جھڑتے تھے علم و فضل کے پھول

حلقۂ درس اس کا تھا مشہور
اس کا سینہ تھا علم سے معمور

دین و دنیا کو ساتھ رکھتا تھا
قوم کے سر پہ ہاتھ رکھتا تھا

خوف اس کو برائے نام نہ تھا
پختگی تھی خیالِ خام نہ تھا

تنِ تنہا تھا انقلاب بسر
نہ خزانہ ، نہ ساتھ میں لشکر

لو خدا سے لگائے رہتا تھا
رہ کے چپ سر جھکائے رہتا تھا

آل و قرآں سے مانگتا تھا مدد
اس کو معلوم تھی خرد کی حد

کبھی طوفان سے ڈرا ہی نہیں
بڑھ کے پیچھے کبھی ہٹا ہی نہیں

نہ ہوا قید و بند سے مغلوب
ظالموں سے مقابلہ کیا خوب

تختِ شاہی پہ مار دی ٹھوکر
حق رسی کے دکھا دیئے جوہر

بادشاہت کو دَم میں خاک کیا
خاکِ ایراں کو تابناک کیا

کردی قائم حکومتِ دینی
فیصلہ جو کیا وہ آئینی

جنگ دشمن نے تھوپ دی بڑھ کر
حال ہر ایک کا ہوا ابتر

ایسے عالم میں وہ نہ گھبرایا
سب کو اپنے عمل سے سمجھایا

دل نہ چھوٹا کرو کہ جینا ہے
ساغرِ اعتبار پینا ہے

حیف وہ ہم سے ہو گیا رخصت
کم ہے ، جتنی بھی غیر ہو حالت

فکرِ تاریخ جب ہوئی ہم کو
دل نے آواز بڑھ کے دی غم کو

ابر رنج و ملال کا چھایا
بے تکلف زبان پر آیا

اے ظفر ، بے بدل خمینی تھے
عالمِ باعمل خمینی تھے

۱۴۰۹ھ

شود عیارِ بد و نیک در سفر ظاہر
یکیست تیرِ کج و راست تا بود در کیش

آغاز سفر

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

آمدم بر سرِ مطلب ، ایران جنت نشاں کے سفر کی روداد لکھ رہا ہوں ، آپ کی
زحمت میرے لیے رحمت ہوگی ۔

ایران ، فردوسِ مشرق کے اس مختصر تعارف کے بعد رودادِ سفر کی
طرف آتا ہوں ۔ جیساکہ پہلے عرض کرچکا ہوں ، یوں تو میں انقلاب سے قبل
ایران کئی بار جا چکا ہوں ، کبھی مغربی ممالک سے واپسی پر اور کبھی مغرب
جاتے ہوئے اور تقریباً تمام مقدس مقامات کی زیارت کر چکا ہوں اور تاریخی
مقامات دیکھ چکا ہوں ، لیکن اس بار سفر کی نوعیت مختلف تھی ، میری اہلیہ
پہلی بار ایران کے سفر میں میرے ساتھ شریک تھیں اور یہ سفر خصوصی طور
پر زیارات تک محدود تھا لیکن جہاں کہیں بھی موقع ملا تاریخی مقامات کی سیر
ضرور کی ۔ ہم نے پروگرام اس طرح بنایا تھا کہ پہلے ایران کی زیارتوں سے
مشرف ہونگے ۔ اس کے بعد شام (دمشق) جائیں گے تاکہ حضرت زینبؑ کے
روضے کی زیارت کریں اور نذرانۂ عقیدت پیش کریں ۔ وہاں سے امان
(اردن) اور پھر سڑک سے سفر کرتے ہوئے نجفِ اشرف و کربلائے معلیٰ
وغیرہ کی زیارت کریں ۔ آجکل بین الملکی پابندیوں کی وجہ سے عراق کا سفر
ہوائی جہاز سے ناممکن ہے ۔ اس لئے بری راستہ اختیار کرنا طے پایا تھا ۔
شام تو یوں نہ جاسکے کہ سفارتِ شام نے یہ شرط لگادی کہ ویزا اسی صورت

میں مل سکتا ہے کہ ہم سیرین ایر لائن (Syrian Air Lines) سے سفر کریں ۔ جو ہمیں بہ وجوہ منظور نہ تھا (ا)اس طرح دمشق کا سفر مؤخر کرنا پڑا نہ صرف یہ کہ ہم دمشق نہ جاسکے بلکہ عراق کا سفر بھی ملتوی کرنا پڑا ، دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے تیسرے ساتھی جو نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نوجوان ہیں اور متمنیء زیارت بھی ، ہمارے لئے باعثِ معاونت ہوتے ، چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے ساتھ مجبوراً نہ جاسکے جس کا ہم سب کو ملال ہے ، بہر حال اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں ۔ انسان کو ہر حال میں راضی بہ رضا رہنا چاہیئے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی ۔

بسا اوقات انسان کی خواہش پوری نہ ہونا اور دعائیں قبول نہ ہونا ہی انسان کے مفاد میں ہوتا ہے ۔ مولائے کائنات حضرت علیؑ کا قول ہے کہ " عرفت ربی بفسخ العزائم " میں نے اپنے رب کو پہچانا ارادوں کے ٹوٹنے سے ۔ اسی خیال کو آلِ رضا مرحوم نے یوں نظم کیا ہے :-

کام مرے ، مرے بنائے بن نہ سکے خدا کرے
توبہ ! کہیں شک آ نہ جائے قدرتِ کار ساز میں

میری زندگی میں کئی بار ایسا ہوا کہ جو کام بہنایت آسان تھا اور اطمینان تھا کہ یہ کام ضرور ہوگا ، نہ ہوسکا ۔ آخر کار وہی ناکامی بڑی کامیابیوں کے جلو میں آئی ۔ اللہ کے بھید اللہ ہی جانے ۔

گھر سے روانگی

فلائٹ نمبر PK25 سے ۱۵ نومبر ۱۹۹۳ء صبح سات بجکر پینتالیس منٹ پر روانہ ہونا تھا، چنانچہ ہم گھر سے چھ بجے صبح چل پڑے اور پندرہ منٹ میں قائدِ اعظم بین الاقوامی ایرپورٹ پہونچے۔ ایرپورٹ کو اہلِ ایران فرودگاہ کہتے ہیں۔ سیکیوریٹی سے گذر کر پی آئی اے (P.I.A) کے کاؤنٹر پر آئے۔ ایک کاؤنٹر کے سامنے سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ دوسرے کاؤنٹر کے سامنے نیلا، نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ سرخ قالین فرسٹ کلاس (First Class) کے لئے ہے اور نیلا قالین بزنس کلاس (Business Class) کے لئے ہے۔ اکانومی کلاس (Economy Class) کے لئے کوئی قالین نہ تھا۔ چونکہ کئی کاؤنٹر کھلے ہوئے تھے، لہذا کسی کو کسی قسم کی دقت نہ ہوئی۔ ہم نے اپنا مختصر سامان پی آئی اے (P.I.A) کو سپرد کیا اور دو عدد بورڈنگ کارڈ لیکر طبقۂ بالا پر چلے گئے۔ جہاں ہماری گرم گرم چائے سے تواضع ہوئی جس کی ہمیں سخت ضرورت تھی کیونکہ ہم نے روانگی سے قبل گھر پر چائے نہیں پی تھی۔ اس وقت گرم گرم چائے سے لطف آگیا۔ ابھی ہم چائے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اعلان ہوا تمام مسافر جہاز پر تشریف لے جائیں، چنانچہ ہم خراماں خراماں روانہ ہوئے۔ میں خود تیز چلنے کا عادی ہوں لیکن اہلیہ ہمیشہ آہستہ چلتی ہیں۔ غالباً انھیں "زیرِ قدمت ہزار جان" والی بات یاد ہے اور اسی پر عمل کرتی ہیں میں ان کی تیزروی سے نہیں بلکہ آہستہ روی یا سست خرامی سے تھکتا ہوں، بہرحال ہم اپنے گیٹ تک پہونچے دیکھا کہ اچھی خاصی بھیڑ ہے۔ ہم سے کہا گیا

کہ تھوڑی دیر انتظار کرلیں ۔ انتظار گاہ میں کچھ نشستیں خالی تھیں ہم بیٹھ گئے
اتنے میں ایک محترمہ نے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا اکیس نمبر گیٹ کدھر
ہے ۔ نظر اٹھائی تو وہ تنہا نظر آئیں چنانچہ میں ان کو لے کر مطلوبہ گیٹ کی
طرف چل پڑا جو خاصا دور تھا ۔ میں ابھی وہاں تک پہونچا ہی تھا کہ میرا نام
لے کر اعلان ہوا کہ میں جہاز پر پہونچوں ، واپس آیا اہلیہ کو ساتھ لیا داخلہ کے
گیٹ پر پہونچا تو سرنگ جس سے گذر کر جہاز تک پہونچنا تھا ، غائب تھی ۔
یااللہ سرنگ کو کس نے غائب کیا ، سرنگ تو لوگوں کو غائب کرتی ہے ۔ آج
گنگا الٹی بہہ رہی ہے ۔ آخر ماجرا کیا ہے ۔ سرنگ چونکہ آج غائب تھی یا غائب
کردی گئی تھی اِس لئے ہم کو زینے سے نیچے جانا پڑا اور پھر ایک عدد چھوٹی سی
بس میں بیٹھ کر جہاز تک پہونچے ، ہم فرش پر تھے اور بلند و بالا جہاز میں سوار
ہونا تھا مدد کے لئے زینہ منتظر تھا اہلیہ آگے آگے اور میں پیچھے پیچھے تاکہ اگر
خدانخواستہ وہ فشارِ خون کی زیادتی سے لڑکھڑانے لگیں تو میں سہارا دے
سکوں ۔ یوں بھی پیچھے رہنے میں فائدہ ہے ۔ بہرحال اوپر دروازے تک
پہونچے کسی نے سلام کیا ، جواب دیا خیر و عافیت پوچھی ، اب جو نظر اٹھائی تو
اہلیہ غائب ، یہاں تو کوئی سرنگ نہیں ، وہ تو سبقت مشکل ہی سے کرتی ہیں
آخر گئیں کہاں ؟ اتنے میں ایک بچی نے جو پی آئی اے (P.I.A) کے لباس میں
ملبوس تھی یعنی ایر ہوسٹس تھی جس کو فارسی میں " مہماندارِ ہوا پیما " کہتے
ہیں ، سلام کیا اور کہنے لگی انکل آپ نے پہچانا نہ ہوگا ۔ میں نے نہ تو اقرار کیا
اور نہ انکار اس سے پوچھ بیٹھا بیٹی کس کی ہو ؟ اس نے باپ کا نام لیا میں نے

دعائیں دیں - اس نے بتایا میں نے آنٹی کو ان کی جگہ بٹھا دیا ہے میں اس کے ساتھ ہولیا، اندر جاکر دیکھا تو اہلیہ پہلی صف میں براجمان ہیں کرسی بھی ملی اور اہلیہ بھی -

میں نے کاؤنٹر پر درخواست کی تھی کہ ہم سینئر شہری (Senior Citizen) ہیں ہمیں پہلی صف میں جگہ دی جائے - مغربی ممالک میں تو عام رواج ہے کہ جو لوگ خاندان کے ساتھ سفر کرتے ہیں یا سینئر شہری (Senior Citizen) ہیں ان کو اچھی اور آرام دہ سیٹ دی جاتی ہے جو عموماً پہلی صف میں ہوتی ہے یا ایمرجنسی دروازوں کے ساتھ - سفری لغت میں سینئر شہری (Senior Citizen) اس کو کہتے ہیں جس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہو - بچپن میں سنا کرتے تھے کہ ساٹھا تو پاٹھا یعنی انسان ساٹھ سال میں جوان ہوتا ہے اور اب ساٹھ سال میں بوڑھا، وقت وقت کی بات ہے، یہاں ایک واقعہ یاد آرہا ہے جی چاہتا ہے کہ قلم بند کردوں - شاید آپ کے لئے دلچسپ ہو -

یہ واقعہ اگست ۱۹۹۱ء کا ہے - ٹورنٹو سے اوٹاوہ جانا تھا - اس وقت خیری صاحب کناڈا (Canada) میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے - فون پر بات ہوئی - اصرار کیا کہ میں اوٹاوہ ضرور آؤں اور ان کے یہاں قیام کروں، ٹورنٹو سے اوٹاوہ کا سفر بذریعہ بس، جسے وہاں لیموزین کہتے ہیں، بہنایت آرام دہ اور سستا ہے اور بس ہر گھنٹے بعد چلتی رہتی ہے - چنانچہ میں بس اسٹینڈ گیا لائن میں لگ گیا کہ ٹکٹ خریدوں مجھے پہلے سے علم تھا کہ کرایہ بیالیس ڈالر

ہوتا ہے ۔ میں نے پچاس ڈالر کا نوٹ دیا ۔ اس نے ٹکٹ دیا اور ساتھ ہی تیس ڈالر واپس کئے ۔ خیال گذرا کہ اس سے غلطی ہوگئی ۔ میں فاضل رقم واپس کرنے لگا تو اس نے کہا کہ آپ کیا ساٹھ سال کے نہیں ہیں؟ میں نے کہا بیشک ، کہنے لگا کہ یہ آپ کا حق ہے ۔ میں نے پھر کہا کہ میں کینڈین (Canadian) نہیں ہوں ۔ جواب ملا ساٹھ سال کے تو ہو چکے ہیں نا؟ میں خاموش ہوگیا اور رقم جیب میں رکھ لی ، واپسی پر مجھے تقریباً اکیس ڈالر کا ٹکٹ ملا ۔ گویا رعایت حاصل کرنے کے لئے ساٹھ سال کا ہونا شرط ہے ۔ شہریت نہیں ۔ کاش اس قسم کی سہولت پاکستان میں بھی رائج ہوجائے ۔ خصوصاً جب کہ ہم اپنے ملک کو اسلامی ریاست کہتے ہیں ۔

یہ واقعہ تو میں نے بر سبیل تذکرہ بیان کر دیا ۔ اب واپس اپنے سفر کی طرف آتا ہوں ، ابھی ہم کمر کس کر بیٹھے ہی تھے کہ گرم گرم تولیہ آیا تاکہ ہم منہ صاف کرلیں اور بھاپ سے منہ ہاتھ سینک لیں تاکہ نیند کا خمار ہوا ہوجائے ۔ چند منٹ گذرے تھے کہ پھلوں کے رس کا جام آیا سفید کاغذی رومال میں لپٹا ہوا ، تاکہ قوت بحال ہوجائے ۔ اب جہاز رن وے پر پہلے آہستہ پھر تیز دوڑنے لگا ۔ آہستہ ہوا ، رکا ، مڑا ، پھر بہت تیز رواں دواں ہوا اور ہوا میں بلند ہوگیا اور ہم اپنی منزل تہران کی جانب محوِ پرواز ہوگئے ۔

سفر کی مخصوص دعا پہلے ہی پڑھی جاچکی تھی ، اب کچھ دیگر ضروری معلومات کا اعلان ہوا ۔ کچھ دیر بعد جہاز کے کپتان نے جہاز کے چند منٹ تاخیر سے روانگی کے لئے معذرت کی اور پھر سفر کا راستہ بتایا اور یہ بھی کہ موسم

تمام راستے اچھا ملے گا اور ہم وقتِ مقررہ پر انشاءاللہ تہران پہونچیں گے ۔

جب ہم اطمینان سے بیٹھ چکے اور جوس "آبِ ثمر" (۱) سے لطف اندوز ہو چکے تو یکایک ذہن میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ آگیا کہ مچھلی نے کس طرح ان کو نگل لیا تھا اور کئی روز بعد زندہ و سلامت اگل دیا اور چند روز میں ہی حضرت یونس علیہ السلام تندرست و توانا ہوگئے ۔ یہ سب کیسے ہوا ؟ ذرا غور کریں اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے ۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سچے دل سے اپنے معبودِ حقیقی سے دعا مانگی اور آیتِ کریمہ کا ورد کیا جس میں اسمِ اعظم ہے ۔ رحمتِ ایزدی جوش میں آئی اور مچھلی نے ان کو صحیح و سالم اگل دیا یہ رب العزت کو بتانا منظور تھا کہ سچے دل سے طلب کی ہوئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ، مگر شرط ہے پاکیزگی ، تن من کی پاکیزگی ، ایسا تن من جس کی نشو ونما پاک روزی سے ہوئی ہو حرام مال سے نہیں ، جو اوامر و نواہی کا پابند ہو اس کی دعا رائیگاں نہیں جاتی ، یا شاید قدرت کو یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم و فراست سے کام لے اور اس سے مدد صدقِ دل سے مانگے تو وہ دن دور نہیں جب انسان زیرِ آب بھی مہینوں زندہ رہ سکتا ہے ۔ آخر آج کے سائنسی دور نے یہ ثابت کردیا کہ انسان نہ صرف زیرِ آب زندہ رہ سکتا ہے بلکہ دشمن پر حملہ آور بھی ہوسکتا ہے اور دشمن کے حملہ سے بچ بھی سکتا ہے ۔ آخر آب دوز کیا ہے ؟

آج جب ہم فضائے بسیط میں پرواز کر رہے ہیں تو یہ بھی اس ہی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کی عطا کردہ عقل و شعور کا صدقہ ہے کہ مہینوں کا سفر

گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہے، تو پھر ہم یہ کیوں سوچتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج روحانی ہوئی تھی یا جسمانی ؟ - جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے اتنی ترقی کرسکتی ہے تو خالق تو خالقِ کل ہے "کن فیکون" اور چشم زدن میں سب کچھ جو پروردگار چاہے ہوسکتا ہے - ہاں اگر انسان فہم و عقل و خرد سے عاری ہوجائے تو قعرِ مذلت اس کی تقدیر بن جاتا ہے، ہم قرآنِ مجید کی تلاوت صرف ثواب کی خاطر کرتے ہیں نہ تفکر کرتے ہیں نہ تعقل - نہ تو تدبر کرتے ہیں اور نہ تامل - زور تقلید، بیعت اور مریدی پر دیا جاتا ہے - حالانکہ دینِ اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے ہم روحِ اسلام اور روحِ قرآن سے دور ہوتے جارہے ہیں - ہم صرف قرآنی تعلیمات کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اور عمل میں کورے ہیں - ہم تو فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں - کاش ہمارے علمائے کرام فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے قرآنی تعلیمات عام کرنے میں لگ جائیں، خود عامل ہوں اور دوسروں کو دعوتِ عمل دیں، خود غور و خوض کریں اور دوسروں کو بھی غور و خوض کی تلقین کریں - حضورِ اکرمؐ کی اتباع کریں ان کا اخلاق اپنائیں - آمین -

جی چاہتا ہے کہ میں یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں مگر کاش کہ ہم سیاست میں بھی اپنے رہبرِ کامل رسولِ اکرمؐ، صحابہ کرامؓ و اہلِ بیتِ عظام کی پیروی کریں تو دین اور دنیا دونوں سنور جائیں -

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگر ہماری سیاست خوفِ خدا سے عاری سیاست ہے تو ایسی سیاست کس کام کی ، جیسا کہ قبل بھی عرض کرچکا ہوں کہ ہر شخص روزِ قیامت اپنا اپنا بوجھ اٹھائے گا اور اپنے عمل کی سزا و جزا پائے گا ۔ تو سمجھ سے بالا بات ہے کہ حکومت کے ایوانوں میں کرسیوں کی سیاست (Horse Trading) کیوں ؟ عوام بیچارے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پس رہے ہیں ۔ ایوانِ بالا میں بیٹھنے والے یہ بھی دیکھیں کہ جو ممالک ہمارے بعد آزاد ہوئے وہ کتنی ترقی کرچکے ہیں آخر کیوں ؟ ہم غور ہی ہنیں کرتے ۔ نصف ملک ہم سے علیحدہ ہوچکا ہے اور باقی کے بھی پیچھے پڑے ہیں ۔ ہم اپنے قومی وقار کو کیوں ٹھیس لگارہے ہیں ۔ ذرا ہمارے دانشور اور اولواالالباب ، سیاست دانوں کو اصل حقائق سے آگاہ کریں اور وہ آپس کے جھگڑوں سے کنارہ کشی کرکے قومی نظریے کو اجاگر کریں ۔ بقولِ جگر مراد آبادی :

ان کا جو کام ہے اربابِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

مذکورہ بالا خیالات کچھ یوں ہی مرے ذہن میں آگئے جو میں نے تحریر کردیئے اور اب ہم ان خیالات سے دامن چھڑا کر رودادِ سفر کی طرف پھر

رجوع کرتے ہیں ۔

تھوڑی دیر میں ایر ہوسٹس نے پیغام دیا کہ کیپٹن نیاز نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ کچھ دیر بعد وہ آپ سے ملیں گے ۔ میں اس نام کے کیپٹن سے واقف تو نہ تھا لیکن خیال گذرا کہ کسی دوست کے دوست یا عزیز ہوں گے ، چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ وہ تشریف لائے اپنا تعارف کرایا میرے ایک دوست کے قریبی عزیز تھے طبیعت بہت خوش ہوئی ۔ میں ان کی اور دیگر اسٹاف کی خوش اخلاقی سے بہت متاثر ہوا ، پھر ناشتہ آیا ، سب نے ناشتہ کیا ، ناشتہ کیا پورا کھانا تھا ۔ اس طرح تہران تک کا ڈیڑھ گھنٹے کا سفر باتوں میں کٹ گیا ۔ ناشتے کے دوران عابدی صاحب تشریف لائے اپنا تعارف کرایا وہ چیف میزبان تھے ۔ فرمایا کسی چیز کی مزید ضرورت ہے میں نے عرض کیا ہر چیز وافر ہے ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ پی آئی اے میں کافی بہتری آچکی ہے ۔ یہ ایک اچھی علامت ہے ۔ خدا کرے کہ یہ قائم و دائم رہے ۔ جہاز وقتِ مقررہ پر تہران ایرپورٹ پر زمین بوس ہوا یعنی اتر گیا ۔ ہم زینے سے ہفت آسمان کی سیر کرتے ہوئے زمین پر اتر آئے تہران ایرپورٹ پر ابھی سرنگ (Tunnel) کا رواج نہیں ہوا ہے ۔ نیچے اترے تو ناصر رضا صاحب جو ایران میں پی آئی اے (P.I.A) کے کنٹری منیجر (Country Manager) ہیں ، موجود تھے ۔

ناصر رضا صاحب سے گذشتہ شب ہی فون پر گفتگو ہو چکی تھی ، سلام دعا کے بعد ناصر صاحب نے فرمایا آپ سے پھر ملاقات ہوگی اور ایک صاحب کی

طرف اشارہ کیا کہ یہ آپ کی راہ نمائی کریں گے ۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ ہو لئے ۔ ہم پاسپورٹ کنٹرول " بازدیدِ گذرنامہ " سے ہوتے ہوئے بیگج ہال میں پہونچے تو سامان آچکا تھا ۔ سامان ابھی ٹرالی پر رکھا ہی تھا کہ وہ صاحب پھر نظر آئے اور ان کے ساتھ ہی کسٹم سے بغیر کسی دشواری کے باہر آگئے ۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈالر ریالوں میں تبدیل کرائے ، فارسی میں تبدیل کرنے کو عوض کرانا کہتے ہیں ۔ ایک ڈالر کے ۱۶۲ (ایک سو باسٹھ) تومان یا ۱۶۲۰ (ایک ہزار چھ سو بیس) ریال ملے ۔ ان صاحب نے انہی ریالوں سے ٹیکسی (Taxi) والے کا کرایہ دے دیا ، ہوٹل کا پتا سمجھایا اور مجھ سے فرمایا کہ کرایہ دے دیا ہے اب اسے کچھ دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔ Taxi Driver یعنی آقائے رانندہ نے ہوٹل پہونچایا ۔ میں ان کو ایک ہزار ریال دینے لگا تو پہلے تکلف فرمایا یعنی تغلب کیا (فارسی میں تکلف کو تغلب بولتے ہیں)۔ پھر بخوشی قبول کر لیا ۔ ایک ہزار ریال سے آپ یہ بالکل نہ سمجھیں کہ میں نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری اور ایک ہزار ریال بطور ٹپ دے دیئے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی ، ایک ہزار ریال یعنی سو تومان تقریباً بیس روپے ہی بنتے ہیں جو آقائے رانندہ کی خوش اخلاقی کا انعام تھا ۔ " ہوٹل کارون یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ ہوٹل کارون ہے ہوٹل " قارون " نہیں ۔ قارون تو مع خزانہ کبھی کا زمین میں دفن ہو چکا ہے ۔ لفظ کارون غالباً کاروان سے یا کارواں سرائے سے اخذ کیا گیا ہے اہل ایران حروف حذف کرنے میں ماہر ہیں اس ہوٹل میں میرے لئے انتظام پی آئی اے (P.I.A) نے کرایا تھا ۔ ہوٹل

اچھا اور خدمت معقول تھی، ہوٹل کی انتظامیہ کے لوگ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتے تھے ۔ وہ انگریزی میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتے اور میں فارسی میں، اس طرح دونوں طرف مشقِ سخن جاری رہی جس کا فائدہ بہر حال مجھے زیادہ پہونچا میری فارسی نکھرتی رہی اور دھڑکا جاتا رہا ۔

ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کچھ کام ہورہا تھا لہذا ہم نے کمرے میں ہی دوپہر کا کھانا منگوالیا ۔ ایران میں دوپہر کے کھانے کو ناہار اور صبح کے ناشتے کو صبحانہ کہتے ہیں ۔ فارسی الفاظ میں اس لئے جگہ جگہ لکھتا جاتا ہوں کہ جب آپ وہاں کا سفر کریں تو آپ کو آسانی ہو ۔ کھانا یعنی ناہار عمدہ اور کافی ارزاں تھا جس کا ذکر بعد میں پھر کبھی ہوگا ۔ ہمارے کمرے میں ایک میز پر چائے شکر کی ڈلیاں (جسے اہلِ ایران قند کہتے ہیں)، فنجان اور تھرماس رکھا ہوا تھا ۔ غرض یہ کہ چائے کا ابلتا پانی تھرماس میں منگوالیں اور جتنی چاہے چائے پیتے رہیں ۔ چائے کے ابلتے پانی کو "آبِ جوش" کہتے ہیں ۔

تھرماس اور "آبِ جوش" کی افادیت کا علم دوسرے دن ہوا ۔ صبح تقریباً ساڑھے چھ بجے فون پر ہم نے چائے لانے کیلئے کہا، آقائے خدمتگار تشریف لائے ۔ دق الباب کیا اور یااللہ کہا، ہم کچھ نہ سمجھ سکے دوبارہ انہوں نے قدرے زور سے دق الباب کیا اور بلند آواز سے یااللہ کہا ۔ ہماری زبان سے بھی بے ساختہ یااللہ نکل گیا ۔ ہماری زبان سے یااللہ سنتے ہی دروازہ کھلا آقائے خدمتگار داخل ہوئے سلام دعا ہوئی ہم نے دیکھا کہ آقائے خدمتگار تھرماس لئے حاضر ہیں ۔ فرمایا "آبِ جوش" حاضر ہے اور فرمایا ہر چیز موجود

ہے ۔ چائے بنائیے اور جی بھر کے پیجئے کوئی پابندی نہیں ۔ دوسرا تھرماس جو پہلے سے موجود تھا واپس لے گئے ۔ جانے سے پہلے ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا ۔ وہ سلامتی کی دعا کرتے واپس گئے ۔ ایران کا دستور ہے دق الباب کرنا اور یااللہ کہنا جب تک آپ یااللہ نہیں کہیں گے وہ کمرے میں داخل نہیں ہوں گے ۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں لفظ آقا یا آغا جناب یا مسٹر کی جگہ استعمال ہوتا ہے اور خدمتگار کو بھی آقا کہنے کا رواج ہے ، میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ اسلامی اَقدار کے عین مطابق ہے ہر شخص کی عزتِ نفس کا لحاظ ضروری ہے کاش ہم بھی اس کے عادی ہوجائیں ۔

تہران میں ایک یوم کا قیام

۱۶ - ۱۰ - ۹۳

تہران میں چند اہم زیارت گاہیں ہیں اور تاریخی مقامات بھی ۔ ہم پروگرام بناہی رہے تھے کہ ناصر رضا صاحب کا فون آگیا ، ہمیں ان کے گھر تعزیت کے لئے جانا تھا کیونکہ چند روز قبل ہی ان کے برادرِ نسبتی کا کراچی میں انتقال ہوگیا تھا ، طے پایا کہ ہم لوگ ان کے گھر پانچ بجے جائیں گے واپسی پر تہران کی تھوڑی بہت سیر کریں گے ۔ چنانچہ ان کے گھر پہونچ گئے لیکن جلد واپس نہ آسکے ان کا اصرار تھا کہ ہم رات کا کھانا کھا کر ہی واپس جاسکتے ہیں ۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ جانا تو اپنی مرضی سے ہوتا ہے لیکن لوٹنا میزبان کی مرضی سے ہوتا ہے ۔ آمدن بہ ارادت ورفتن بہ اجازت والا مقولہ بالکل صحیح

ثابت ہوا ، اہل ایران رات کے کھانے کو " شام " کہتے ہیں گویا ہم شام کھاکر لوٹے تو کافی دیر ہو چکی تھی ۔ دوسرے دن سات بجے شام کی فلائٹ سے ہمیں مشہد جانا تھا ۔ اور واپسی پر تہران تقریباً ایک ہفتہ قیام کرنا تھا ۔ لہذا دوسرے دن ہم صرف ایک زیارت سے مشرف ہوئے جس کا ذکر اب آرہا ہے ۔

کوہ بی بی شہر بانو

مسجدِ مقامِ غیبتِ شہر بانو شہر سے تقریباً سات یا آٹھ کیلومیٹر پر ایک پہاڑی پر واقع ہے ۔ یہ پہاڑی بی بی شہر بانو یزد جرد بن شہر یار کی بیٹی یعنیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجہ امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام سے منسوب ہے ۔ روایت ہے کہ پہاڑی پر پہونچ کر آپ نے دعا کی کہ زمین شق ہوجائے اور میں زمین دوز ہوجاؤں ، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ غائب ہو گئیں لیکن آپ کی چادر کا کچھ حصہ باہر رہ گیا جس سے شناخت ہوئی ۔ یادگار کے طور پر ایک مسجد اور روضۂ اقدس موجود ہے ۔ روضے کے باہر لکھا ہوا ہے " آستانہء متبرکہ حضرت بی بی شہر بانو " خوش آمدید ۔ التماس دعا داریم، مزار کے دروازے پر لکھا ہوا ہے " عکس ممنوع است " ، حفاظت کے لیے ایک آدمی موجود ہوتا ہے ۔ ساتھ ہی ایک بکس ہے جس میں لوگ حسبِ حیثیت رقم (پول) ڈال دیتے ہیں ۔ وہ آدمی کسی سے کوئی رقم نہیں لیتا ۔ جب ہم پہاڑی کے دامن تک پہونچتے ہیں تو پہلی چیز جو توجہ کا مرکز بنتی ہے

یہ تحریر ہے - (یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ مقبرہ حضرت شہر بانو جن کا اوپر ذکر ہوا انھیں کا ہے یا کسی اور بزرگ خاتون کا ہے جن کا بھی نام شہر بانو تھا)
" واللہ اعلم بالصواب

توجہ .... توجہ

خطر ! ریزش کوہ !

گویا آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ توجہ سے چلیں - راستہ خراب ہے اور پہاڑی سے گرنے کا خطرہ ہے - یہ مسجد اور روضہ دامنِ کوہ سے پانچ سو میٹر کی بلندی پر واقع ہے - کاریں (جس کو اہلِ ایران ماشین کہتے ہیں) اور ٹیکسیاں یہاں تک آسانی سے آتی ہیں لیکن بس یہاں تک مشکل ہی سے جاسکتی ہے کیونکہ سڑک ناہموار اور تنگ ہے - اس بلندی پر ایک وسیع اور مسطح چبوترہ ہے - اس کے دائیں جانب ایک کوٹھڑی ہے جس میں جالی دار لوہے کی کھڑکی ہے جو بند رہتی ہے اور جس کے باہر لوگ شمع روشن کرتے ہیں ، کہتے ہیں کہ یہاں ایک پانی کا چشمہ تھا جو اب بند ہوگیا ہے - یہ اس کی صرف یادگار ہے - اس چبوترے کے اوپر تیس / پینتیس زینوں (Steps) سے چڑھ کر دو منزلیں طے کر کے روضے تک پہونچتے ہیں - عمارت چھوٹی ہے لیکن حلقہ وسیع اور پختہ ہے - روضے کے پشت سے قدیم شہر رے (Ray) دکھائی دیتا ہے - اصل شہر تو ختم ہوچکا ہے کچھ کھنڈرات باقی ہیں - آس پاس کا علاقہ صنعتی علاقہ بن چکا ہے ، نہ تو " رے " رہا اور نہ عمر ابنِ سعد جس نے اسی " رے " کی حاکمیت کے لالچ میں وہ ظلمِ عظیم کیا جس پر تاقیامت دنیا آنسو

بہاتی رہے گی ۔ بہرحال " رے " کا ذکر بعد میں تفصیل سے ہوگا، روضے کے باہر ایک چھوٹی سی دکان ہے جہاں موم بتیاں، ہرے رنگ کی پٹیاں اور تبرک کی شیرینی فروخت ہوتی ہے، اندر ایک عالِم زیارت پڑھاتے ہیں ۔ جن کی آواز نہایت ہی پر درد ہوتی ہے ۔ اگر کسی نے کچھ دے دیا تو قبول کر لیتے ہیں لیکن مطالبہ کبھی کسی سے نہیں کرتے ۔ لوگ مٹھائی کی گولیاں باہر دکان سے خریدتے ہیں، مزار سے مس کرتے ہیں اور ساتھ لے جاتے ہیں ۔ یہاں ایک حیرت کی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری شریکِ حیات جو " فشارِ خون " کی مریضہ ہیں مجھ سے پہلے وہاں پہونچ گئیں حالانکہ یہ سیڑھیاں کافی اونچی ہیں جن پر چڑھنا ہم جیسوں کیلئے آسان نہیں مجھے یقین کامل ہے کہ یہ رسولؑ اور آلِ رسولؑ سے محبت ہے جو انسانوں کو یہاں تک کھینچ لاتی ہے ۔ واپسی پر ہم قدیم شہر " رے " جاسکتے تھے لیکن طے کیا کہ وہاں مشہد سے واپسی پر جائیں گے کیونکہ وہاں کی تمام زیارات کے لئے پورا دن چاہیئے ۔ چنانچہ ہم واپس ہوٹل لوٹ آئے اور باقی وقت آرام کیا کیونکہ ہم کو سات بجے کی پرواز سے مشہدِ مقدس جانا تھا ۔

مشہد کے لئے روانگی

ہوٹل سے روانگی کے لئے رانندہ علیزادہ کو پہلے ہی بتادیا تھا ۔ چنانچہ وہ ٹھیک وقت پر (فارسی میں ٹھیک وقت یا مقررہ وقت کو سرِ وقت کہتے ہیں) آگئے تھے ۔ سامان کار میں رکھا، ہوٹل والوں کو خدا حافظ کہا اور روانہ ہوگئے ۔

ایرپورٹ یا فرودگاہ پہونچے تو علیزادہ نے معانقہ کیا اور فارسی کا معروف فقرہ " بہ سلامت روی و باز آئی " ادا کیا ہم نے سامان حمال کے سپرد کیا اور اس کے ہمراہ ہو لئے ۔ سیکیوریٹی سے گذر کر ایران ایر کے کاؤنٹر پر پہونچ گئے ۔ چار پانچ کاؤنٹر کھلے ہوئے تھے ۔ اس کے باوجود ہر کاؤنٹر پر بھیڑ تھی تیس / پینتیس منٹ کے بعد ہمارا نمبر آیا ۔ سامان سپرد کیا اور بورڈنگ کارڈ لے کر خوشی محسوس کی اور ڈپارچر لاؤنج (Departure Lounge) کی طرف رخ کیا ۔ ہماری سیٹ یعنی شمارۂ صندلی / نمبر ۱۷ الف اور ۱۷ ب تھا ۔ بورڈنگ کارڈ کو فارسی میں " کارتِ سوار شدن بہ ہوا پیما " کہتے ہیں اور جس مقام کا سفر کر رہے ہوں اسے " مقصد " کہتے ہیں ۔ انگریزی میں اس کو Destination کہتے ہیں لائف وسٹ انڈر یور سیٹ کو " جلیقۂ نجات زیرِ صندلی شما است " کہتے ہیں ۔ جہاز میں سوار ہوئے اپنی نشست پر براجمان ہوئے ۔ جی یہی چاہتا تھا کہ جہاز جلد اڑے اور مشہد پہونچے تا کہ اپنے جدِ اعلیٰ کے مقبرے کی زیارت نصیب ہو کہ اسی مقصد کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا ۔ جہاز وقتِ مقررہ سے تقریباً بیس منٹ دیر سے محوِ پرواز ہوا لیکن وقتِ مقررہ پر مشہد میں زمین بوس ہوا جس جہاز سے ہم نے سفر کیا بہت بڑا تھا اس میں تقریباً تین سو مسافر سفر کر رہے تھے اور یہ معلوم کر کے خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ تہران اور مشہد کے درمیان چودہ / پندرہ پروازیں روزانہ چلتی ہیں اس کے باوجود سیٹ ملنا دشوار ہوتا ہے اور کئی کئی روز انتظار کرنا پڑتا ہے ۔ پاکستانی بھائیوں کو چاہیئے کہ کراچی سے روانگی سے قبل ہی تہران سے مشہد کی سیٹ کی توثیق

کرالیں ورنہ بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، بہرحال ہم نے اپنا سامان " ورودت حال " سے ٹرالی پر رکھا اور باہر کی طرف رواں دواں ہوئے ۔ ہال کے بیرونی حصے میں دو حضرات نظر آئے جو جسم و جسامت اور لباس سے پاکستانی لگ رہے تھے ۔ ہم نے ارادتاً قدرے بلند آواز میں کہاکہ یہ تو پاکستانی بھائی لگ رہے ہیں دراصل ہم اپنی آواز ان حضرات تک پہونچانا چاہتے تھے چنانچہ ہماری آواز ان حضرات تک پہونچی اور ادھر سے فوراً جواب آیا " آپ رضوی صاحب تو ہنیں ہیں " میں نے عرض کیاکہ مجھے علی اکبر رضوی کہتے ہیں " فرمانے لگے آپ ہی کو لینے آئے ہیں ۔ علیک سلیک ہوئی انھوں نے ٹرالی سنبھالی اور ہم نے اپنے دل کو ، کہ مشہد پہونچ چکے تھے جس کی آرزو میں ہم نے رختِ سفر باندھا تھا ۔ ہم باہر آئے ، ان حضرات نے ٹیکسی لی اور ہم سب بیٹھ کر ہوٹل جواہری پہونچے ۔ ان حضرات کے نام ارشد حفیظ اور انوار علوی تھے ۔ ناصر رضا صاحب نے یہاں بھی عنایت فرمائی ۔ بعد میں بھی ان حضرات سے ملاقات ہوتی رہی ، یہ حضرات بہت ممدو معاون ثابت ہوئے گرچہ ان سے ہماری پہلی ملاقات تھی ، تہران سے مشہد تک کا سفر پرسکون اور فضاء ہموار رہی ۔ جہاز بھی بہت آہستگی سے زمین بوس ہوا راستے میں ہماری تواضع ہوئی جس کے لئے کچھ مرد حضرات اور کچھ مستورات پورے حجاب کے ساتھ میزبانی کررہی تھیں ، گویا ایرانی حجاب خواتین کی کارکردگی میں کسی طرح حارج ہنیں ہوتا خواہ وہ زمین پر ہوں یا فضائے بسیط میں ہر جگہ محوِ کار رہتی ہیں ۔ حجاب سے فحاشی و عریانی کا خاتمہ تو ہوا لیکن ان کی

کارکردگی متاثر ہنیں ہوئی ۔ گویا عورتیں ایران کی ترقی میں برابر کی شریک ہیں ۔ اچھی قوموں کی یہی نشانی ہوتی ہے ۔ ہوٹل پہونچ کر ہم نے بہت کوشش کی کہ آقائے ارشد حفیظ اور انوار علوی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے فرمانے لگے کہ انھیں کہیں اور جانا ہے ۔ پھر آنے کا وعدہ کیا اور تشریف لے گئے ۔ ہوٹل میں اپنے کمرے میں پہونچے تو وہاں تین عدد پلنگ تھے ۔ بستر یا پلنگ کو فارسی میں " تختِ خواب " کہتے ہیں اس کے سوا ضروریات کی تمام چیزیں مہیا تھیں مثلاً ریفریجریٹر، ٹیلیویژن وغیرہ، تیس ڈالر یومیہ کرایہ تھا جس میں ناشتہ یا " صبحانہ " شامل تھا ۔ ہوٹل " حرمِ مقدس " سے بہت قریب بارہ/ پندرہ منٹ پیدل کا راستہ تھا، ہم ہمیشہ پیدل ہی آتے جاتے رہے ۔ تہران سے مشہد فرودگاہ اور فرودگاہ سے ہوٹل اس میں کئی گھنٹے لگ گئے، اہلیہ کافی تھک چکی تھیں حرمِ مقدس کے مینار اور گنبد جگمگارہے تھے اور ہماری نظروں کے سامنے تھے ۔ ہم نے دور سے ہی سلام پیش کیا اور معذرت بھی کہ اس وقت حاضری ہنیں دے سکتے چنانچہ کمرے میں چلے گئے ۔

سب سے پہلے تہران فون کرکے ناصر رضا صاحب کا شکریہ ادا کیا ۔ اس کے بعد پاکستان فون کیا کہ اپنی خیریت بتاسکیں اور گھر والوں کی خیریت معلوم کریں ۔ تہران فون کرنے میں تو کوئی دقت ہنیں ہونا چاہیئے تھی اور نہ ہوئی ۔ خوشی اس بات کی ہوئی کہ چند ہی منٹ میں پاکستان فون مل گیا ۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ایران میں فون کا انتظام بہت اچھا ہے اور اخراجات بھی

بہت ہی کم ہیں - چونکہ بہت تھکے ہوئے تھے - کھانا کمرے میں ہی کھایا - قصر نمازیں ادا کیں - نماز کا معقول انتظام ہر کمرے میں ہوتا ہے - جانماز، تسبیح، سجدہ گاہ، دعا کی کتاب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر کمرے میں قبلہ رخ کا نشان ہوتا ہے - ضروریات سے فارغ ہو کر سو گئے - صبح اذان کی آواز سن کر بیدار ہوئے صبح کی اذان کے بعد مساجد میں تقریباً پندرہ منٹ دعائیں پڑھی جاتی ہیں اس کے بعد نمازِ صبح ادا ہوتی ہے -

ہم تیار ہو کر نیچے آئے - ناشتہ کیا اور حرم کے لئے پیدل ہی روانہ ہوئے - جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں ہوٹل سے حرم نظر آتا ہے - دو راؤنڈ اباؤٹ جسے فارسی میں میدان کہتے ہیں گذر کر حرم کے بیرونی احاطے میں داخل ہوئے - ہمارا ہوٹل خیابانِ امام رضاؑ (جس کا پرانا نام خیابانِ تہران تھا اور یہی سڑک تہران تک جاتی ہے) پر واقع ہے - بہت کشادہ اور دو رویہ ہے، درمیان میں خوبصورت اور سرسبز پودے لگے ہوئے ہیں سڑک کے دونوں طرف دکانیں ہیں جن میں ہر طرح کی روزمرہ کی اشیاء موجود ہیں - ہوٹل سے نکلنے کے بعد جس چیز نے سب سے پہلے مجھے متوجہ کیا وہ کتابوں کی دکان تھی - میں داخل ہو کر کتابوں پر نظر دوڑانے لگا کہ ایک طرف سے آواز آئی - "چہ می خواہی" آپ کیا چاہتے ہیں؟ "چہ می خواہی" اتنی تیزی سے کہا کہ میرے لئے سمجھنا قدرے مشکل ہوا - جدید فارسی سمجھنے میں دو دشواریاں ہیں پہلی یہ کہ ایرانی بہت سرعت سے بولتے ہیں دوسرے یہ کہ ہماری فارسی کتابی ہے اور حافظ و خیام کے دور کی ہے - اس کے علاوہ گفتگو کی زبان میں

ایران کے اپنے مقامی ثقافتی اور ہتذیبی رنگ کی جھلک ہوتی ہے - مقام کی تبدیلی سے فارسی زبان میں معانی بدل جاتے ہیں - میں نے مشہد میں راہنمائے مشہد خریدی تو یہ ایک کتاب تھی جس میں مشہد کے تمام تاریخی مقامات اور زیارت گاہوں کا ذکر تھا - اس کے برعکس جب میں نے تہران میں راہنمائے تہران کتب فروش سے طلب کی تو مجھے صرف تہران کا نقشہ ملا میں نے تفصیل مانگی تو جواب ملا اس قسم کی کتاب ہنیں ہے - اس کے علاوہ ایرانی بہت سے حروف حذف کرجاتے ہیں جس کا ذکر بعد میں ہوگا ، ایک دشواری یہ بھی ہے کہ بہت سے الفاظ جو قدیم فارسی میں مستعمل تھے اب متروک ہوچکے ہیں اور ان کی جگہ جو نئے الفاظ رائج ہوئے ہیں ہم ان سے ناواقف ہیں - بہرحال یہ ایک الگ بحث ہے جس پر بعد میں خامہ فرسائی ہوگی - میں نے عرض کیا" رہ نمائے مشہد می خواہم " میری حیرت کی انہتا نہ رہی چند سیکنڈ میں میرے سامنے ایک کتابچہ تھا جس کے اوپری سرے پر تحریر تھا " راہنمائے مشہد " میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا تو دوسری طرف انگریزی میں لکھا تھا (A Guide to Mashhad) میں مزید کتابیں دیکھنے لگا - غالباً دکان دار نے بھانپ لیا کہ میں کتابوں کا شائق ہوں ، چنانچہ انھوں نے ایک اور کتاب پیش کی " راہنمائے خراسان " - یہ کتاب ڈاکٹر علی شریعتی کی تحریر کردہ ہے - ڈاکٹر علی شریعتی میرے محبوب مصنف ہیں دو سو سے زائد کتابیں تحریر کرچکے ہیں اور میں ان کی متعدد کتابیں پڑھ چکا ہوں - ان کتابوں کے علاوہ میں نے چند اور کتابیں خریدلیں اور حرم کی جانب روانہ ہوگیا -

تقریباً پندرہ منٹ میں حرم کے بیرونی میدان میں داخل ہوا - اس سے گذر کر اندرونی صحن میں داخل ہوا - اس صحن کے مختلف حصوں میں دفاتر ہیں - ایک دفتر کا نام دفتر بین المللی ہے جہاں مختلف زبان جاننے والے علماء اور حضرات موجود ہوتے ہیں تاکہ جو لوگ فارسی زبان سے ناواقف ہیں ان کی مدد کی جائے - صحن کے بیرونی حصے میں مختلف رواق الگ الگ ناموں سے موسوم ہیں - مثلاً بستِ شیخ حر عاملی ، صحنِ انقلاب ، بستِ شیخ طوسی ، صحنِ جمہوری اسلامی ، بستِ شیخ بہائی ، صحنِ گوہر شاد اور صحنِ امام - اس کے علاوہ بیرونی صحن میں روابطِ عمومی کے لئے چھوٹے چھوٹے عارضی اطاق یا کیبن (Cabins) ہیں جو زائرین کی رہنمائی کرتے ہیں - انتظامات نہایت ہی معقول ہیں تاکہ کسی زائر کو دقت نہ ہو - اندرونی صحن میں کافی بڑا فوارہ ہے - اس کے چاروں طرف پینے کے پانی اور بیٹھنے کا انتظام ہے یہاں سے گذر کر اصل مقبرے میں داخل ہوتے ہیں - مقبرے میں داخلے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے - قدیم دروازے سے خواتین داخل ہوتی ہیں اور ایک نئی راہ داری یا بڑے ایوان سے گذر کر مرد حضرات داخل ہوتے ہیں اس طرح ایک حصہ مردوں کے لئے اور ایک حصہ عورتوں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے چونکہ ازدحام ہوتا ہے ایسے میں اگر کوئی بچھڑ جائے تو تلاش میں بہت دشواری ہوتی ہے - لہذا زائرین پہلے ہی آپس میں طے کرلیتے ہیں کہ زیارت کے بعد کہاں سب یکجا ہوں گے -

ہم نے یہ طے کیا کہ زیارتِ امام کے بعد فوارے کے پاس چالیس/ پینتالیس منٹ کا وقت گذار کر ایک دوسرے کا انتظار کریں گے - اگر ہم

دونوں میں کسی کو دیر بھی ہو جائے تو بھی وہاں سے کہیں اور نہیں جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا - زیارتِ امام کے بعد میں فوارے کے پاس واپس آگیا - کچھ دیر بعد اہلیہ بھی آگئیں ، میں نے اہلیہ سے پوچھا کہ جالی تک رسائی ہوئی کہ نہیں ؟ فرمایا ہوئی تو لیکن ایک عجیب عالم میں - فرمانے لگیں " بہت بھیڑ بھڑکا تھا میرے لئے وہاں تک پہونچنا دشوار تھا - اسی دوران میں دو ایرانی خواتین ایک ضعیفہ کو ایک وہیل چیئر (Wheel Chair) پر لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھیں - میں بھی ان کے سہارے بڑھتی رہی یہاں تک کہ وہ خواتین جالی کے قریب پہونچ گئیں اتنے میں ایک ریلا ایسا آیا کہ وہ مع ضعیفہ کے بائیں جانب نکل گئیں اور تھوڑے فاصلے پر جالی کے قریب پہونچ گئیں اور میں بھی خوش نصیبی سے داہنی طرف جالی کے پاس پہونچ گئی جالی کو بوسہ دیا اور دعائیں مانگتی رہی - وہاں سے نکلنا بھی اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ وہاں تک پہونچنا بہر حال خداوندِ کریم کا شکر ہے کہ ایک دوسرے ریلے کے ساتھ آسانی سے باہر نکل آئی اور اب آپ کے سامنے موجود ہوں " - حقیقت تو یہ ہے کہ یہی روز کا دستور ہے - پھر مجھ سے سوال ہوا کہ میری رسائی ہوئی کہ نہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ " مرد عموماً زیادہ پابندِ نظم و ضبط (Disciplined) ہوتے ہیں - میں ایک صف میں کھڑا ہو گیا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا جالی تک پہونچ ہی گیا لیکن وہاں سے نکلنا زیادہ دشوار ثابت ہوا - بہر حال خدا کا شکر ہے - مراد بر آئی " - اس طرح مشہد آمد کے دوسرے دن زیارت نصیب ہوئی - یہاں ایک سوال ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ اس افراتفری کی کیا ضرورت ہے :-

اتنی جلدی ہے کہ جلدی ہی مری
وجہِ تاخیر ہوئی جاتی ہے

اور لوگ ایک اصول کے تحت کیوں جالی تک نہیں جاتے اور جلد کیوں نہیں وہاں سے واپس آجاتے تاکہ دوسرے حضرات بھی آسانی سے زیارت کرلیں۔

ادب کا تقاضا تو یہی ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں پہونچ کر لوگ ادب کے تقاضے بھول جاتے ہیں اور جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور بے خودی طاری ہوجاتی ہے۔ جالی تک پہونچ کر چمٹے رہتے ہیں، آہ و زاری کرتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے دعا مانگتے ہیں یہاں تک کہ دوسرا ریلا ان کو باہر کی جانب ڈھکیل دیتا ہے اور یہ سلسلہ شب و روز جاری رہتا ہے۔ کوئی کسی کی شکایت نہیں کرتا بلکہ سب کے لئے دعا کرتے ہیں۔ چونکہ سب کے ساتھ وہ بھی ایک فرد ہے لہذا امید رکھتا ہے کہ اس کی دعا بھی مستجاب ہوگی یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔

ایک نکتہ

پچھلے صفحات پر آپ نے پڑھا ہوگا بستِ شیخ بہائی، صحنِ گوہر شاد، صحنِ امام اور بستِ شیخ طوسی وغیرہ۔ آخر صحن اور بست میں فرق کیا ہے؟ جہاں تک مکان اور مکانیت کا تعلق ہے تو حقیقت میں کوئی فرق نہیں۔ صحن ایک عام اصطلاح ہے۔ معنیٰ کے لحاظ سے وہی ہے جو عام طور پر سمجھا

جاتا ہے ۔ لیکن بست کے ایک خاص معانی ہیں جس کو اردو میں آپ " پناہ گاہ" کہہ سکتے ہیں ۔ پچھلے وقتوں کی بات ہے جب شاہی دور دورہ تھا تو علماء اور دیگر اکابرین ملت ، شاہی کروفر سے بچنے کے لئے بست میں داخل ہوجاتے تھے ۔ یہاں پہونچنے کے بعد وہ شاہی قوانین سے محفوظ ہوجاتے تھے ۔ یہی فرق بست اور صحن میں ہے ، ہزار خرابیوں کے باوجود ایک اصول تھا جس پر عمل ہوتا رہا تھا ۔ یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حکومت کے عمال نے کسی فرد کو بست سے گرفتار کیا ہو اور یہ بیان دے دیا ہو کہ بست سے نہیں صحن سے گرفتار کیا ہے ۔ آج جب کہ ہم مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں عملاً ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی کو سیاسی وجوہ کی بنا پر گرفتار کرنا ہو تو گرفتاری پہلے عمل میں آتی ہے اور وارنٹ اوف اریسٹ (Warrant of Arrest) بعد میں بنتا ہے ۔ گویا ہم پچھلے دور سے بھی گئے گذرے ہیں ۔ پاکستان میں بھی "آزاد علاقہ" کی یہی کچھ کیفیت ہے پاکستان میں اگر کوئی شخص "آزاد علاقہ" پہونچ جائے تو آج بھی گرفتاری سے محفوظ ہوتا ہے لیکن ایران میں یہ طریقہ ختم ہوگیا ہے ، اسلامی جمہوریہ ہے اور قانون سب کے لئے برابر ہے ۔

زیارت سے مشرف ہو کر ہم ہوٹل کی طرف آرہے تھے کہ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہوٹل کے سامنے والی مسجد سے اذان سنائی دی ، تعجب ہوا ، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مشہد میں زوال کا وقت ہونے والا ہے ساڑھے گیارہ بجے نماز ہوگی ، تہران میں ظہر کی نماز کے لئے اذان ٹھیک بارہ بجے ہوتی ہے ۔ یہ اکتوبر کے آخری ایام تھے جب مشہد میں نمازِ مغرب کی

اذان پانچ بجے شام ہوتی تھی بہر حال یہ اختلافات جغرافیائی حالت پر منحصر ہیں اور گردش لیل و نہار پر موقوف ہیں ۔

مشہد کے مختصر حالات

تیسری صدی کے ابتداء میں یہ ایک چھوٹا سا قریہ تھا اور اس کا نام سناباد تھا اور طوس سے تقریباً ۲۴ (چوبیس) کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا ۔ اس قصبے کی اہمیت ۲۰۳ھ میں ہوئی جب امام علی رضا علیہ السلام شہادت کے بعد یہاں مدفون ہوئے ۔ یہ قریہ سناباد سے مشہد علی رضاؑ اور بعد ازاں "مشہدِ مقدس" کے نام سے مشہور ہوا ۔

مشہد اب صوبہ خراسان کا دارالخلافہ اور ایران کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے ۔ تہران سے ۸۹۲ (آٹھ سو بانوے) کیلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے ۔ سطح سمندر سے ۹۸۵ (نو سو پچاسی) میٹر کی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں نہایت معتدل اور سردیوں میں برف باری کی زد میں ہوتا ہے ۔ شہر کا رقبہ ۲۰۴ (دو سو چار) کیلومیٹر اور آبادی ۱۵,۵۰,۰۰۰ (پندرہ لاکھ پچاس ہزار) افراد پر مشتمل ہے ، وجہِ شہرت اس شہر کا تقدس ہے ۔ صنعتی لحاظ سے بھی ابھرتا ہوا شہر ہے ۔ لاکھوں افراد دنیا کے چپے چپے سے زیارت کے لیے یہاں آتے اور سکونِ قلب حاصل کرتے ہیں ۔ مختلف عقائد اور مسلک کے لوگ یہاں تشریف لاتے ہیں اور اپنے اپنے عقائد کے لحاظ سے نماز اور دیگر عبادات بجالاتے ہیں ۔ تمام رواق عبادت گذاروں سے پر ہوتے ہیں ، کچھ نماز میں مشغول ہوتے ہیں ، تو کچھ تلاوت میں ، اپنے ساتھ قرآن مجید

لے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں قرآن شریف اور دیگر دعاؤں کی کتابیں کثرت سے موجود ہوتی ہیں ۔ مشہد کی سب سے مقدس اور خوبصورت ترین عمارت "آستانہ قدس رضوی" ہے جس کے بنانے میں فنکاران ایران نے اپنی مہارت کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور بے مثال عمارت تیار کی ہے ۔ اس کے گنبد، مینارے اور محرابیں قابل دید ہیں جس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ۔

مشہد کی تعلیمی ثقافتی اور مذہبی سر گرمیاں

مشہد میں تقریباً ۴۱ (اکتالیس) کنڈر گارٹن ، ۵۴۹ (پانچ سو انتالیس) پرائمری ۲۳۵ (دو سو پینتیس) سکنڈری اور ۱۱۵ (ایک سو پندرہ) ہائی اسکول ہیں جہاں ۵۰۳۰۳۸ (پانچ لاکھ تین ہزار اڑتیس) طلباء زیر تعلیم ہیں ۔ اس کے علاوہ پانچ عدد معلم حضرات کی تربیت کے مراکز ہیں ۔ دانش گاہِ فردوسی (Firdousi University) میں ۱۰۹۱۵ (دس ہزار نو سو پندرہ) طلبہ ۱۷ (سترہ) مختلف مضامین میں زیر تعلیم ہیں ۔ اس کے علاوہ سائنس اور میڈیسن میں ۶۴۹۱ (چھ ہزار چار سو اکیانوے) طلباء (دانشجو) ہیں ۔ دانشگاہِ پیام نور اور دانش گاہِ آزاد اسلامی کی شاخیں بھی یہاں کام کر رہی ہیں ۔ یہ دانش گاہیں اوپن یونیورسٹی طرز کی ہیں جہاں سے طلباء یعنی دانشجو فیضیاب ہو رہے ہیں ۔ اس کے علاوہ دانش گاہِ رضویہ اور ۲۳ (تئیس) دیگر دینی درس گاہیں ہیں جہاں دینی اور سائنسی تعلیم دی جاتی ہے اس طرح مشہد مرکزِ علم بنا ہوا ہے جہاں ایران کے علاوہ دیگر ممالک سے طلباء حصول علم کے لئے آتے ہیں

جہاں ان کے قیام و طعام کا نہایت معقول انتظام ہے ۔ ایرانی طریقۂ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کچھ طلباء جب بڑی کلاسوں میں پہونچ جاتے ہیں تو وہ کچھ وقت چھوٹی جماعتوں کے پڑھانے میں صرف کرتے ہیں جس کا ان کو مشاہرہ ملتا ہے ۔ اس طرح "کماؤ اور پڑھو" کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے ۔ تعلیمِ بالغان کا بھی باقاعدہ انتظام ہے جہاں مردوں اور عورتوں دونوں کو تعلیم دی جاتی ہے ۔ کتابیں کثیر تعداد میں چھپتی ہیں اور نہایت ارزاں ہیں تاکہ ہر کس و ناکس خرید سکے ۔ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے افراد جو علم سے محروم ہیں اور جن کی عمر چالیس سال سے کم ہے انکی تعلیم کا بھی باقاعدہ انتظام ہے گویا تعلیمِ بالغان بھی جاری و ساری ہے ۔

مختصر تاریخ حرم

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حرمِ مطہر کی مختصر تاریخ نذرِ قارئین کی جائے ۔ عہدِ منصور و مہدی میں حمید بن قحطبہ طائی (خیال رہے کہ یہ ابن قحطبہ وہی ہے ، جسے امام ابو حنیفہؒ نے اپنا معتقد ہونے کے سبب ہدایت کی کہ جناب زید بن علیؑ کی اولاد یحیٰؑ ، زید ، وغیرہ کی بنوامیہ کے خلاف مدد کرے) خراسان کے گورنر کی طرف سے بنوامیہ سے جنگ کے لئے جنرل مقرر کیا گیا تھا ۔ حمید بن قحطبہ طائی نے نوغان اور سناباد کے درمیان ایک خوبصورت باغ اور ایک محل تیار کرایا تھا جو چوتھی صدی ہجری کے ابتدائی سالوں تک قائم رہا ۔ ہارون رشید خود خراسان کی شورش کی سرکوبی کے لئے خراسان آیا تھا لیکن وہ یہاں پہونچ کر علیل ہوگیا اور ۱۹۳ھ میں موت نے

اس کو آن لیا - ہارون رشید اسی محل میں مدفون ہوا اور اس کی قبر پر ایک گنبد بنادیا گیا - ۲۰۲ ھ میں ہارون رشید کے فرزند مامون رشید نے سیاستِ دوراں کے چکر میں امام علی رضاؑ کو زہر دلوا کر شہید کرادیا اور اپنے والد ہارون رشید کے پہلو میں دفن کرا دیا (اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ ہارون رشید بھی وہیں دفن ہے) اس کے بعد سے آج تک مرقدِ مطہر امام رضاؑ زیارت گاہِ عالم ہوگئی اور لاکھوں افراد ہر سال زیارت کے لئے یہاں تشریف لاتے ہیں - آہستہ آہستہ یہاں آبادی بڑھتی رہی یہاں تک کہ نوغاں اور سناباد ایک ہوگئے اور یہ علاقہ مشہدِ رضا اور بعد ازاں مشہدِ مقدس کے نام سے مشہور ہوا - سلطان سبکتگین غزنوی نے اپنے دورِ اقتدار میں مقبرہ مسمار کردیا تھا لیکن اس کے بیٹے سلطان محمود نے ۴۲۸ ھ میں دوبارہ تعمیر کیا اور اس میں توسیع بھی کی - چنگیز خان اور اس کے بیٹے تولی جس نے بنو عباس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اسے ۶۱۷ ھ میں دوبارہ تباہ و برباد کیا - سلطان محمد خدا بندہ اگرچہ مغل (مغول) خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے اسلام اور شیعیت کو قبول کرلیا تھا اور ۷۰۳ ھ سے ۷۱۶ ھ تک حکومت کی اور مقبرے کو دوبارہ تعمیر کروایا - اس کے بعد صفوی ، افشاری اور قاچاری دور سے لے کر آج تک برابر اس میں توسیع ہوتی چلی آرہی ہے اور آج دنیا کا عظیم ترین مقبرہ سمجھا جاتا ہے جس کی زیارت کے لئے اکنافِ عالم سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں ہر سال آتے ہیں -

صحن انقلاب (عتیق)

یہ آستانہء قدس کی ایک خوبصورت ترین عمارت ہے ، اس کے
چاروں کونوں پر چار بالکونیاں (بالکونی کو فارسی میں ایوان کہتے ہیں) واقع ہیں
جن کے نام ایوانِ عباسی (شمالی) ایوانِ طلا (جنوبی) ایوانِ نقار خانہ (شرقی)
اور ایوانِ ساعت (غربی) ہیں - اس میں بہت بڑا گھڑیال لگا ہوا ہے یہ
خوبصورت ترین ایوان تین سو سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں لیکن ان کی
آب و تاب میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ہے ، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی
ابھی بن کر تیار ہوئے ہیں ، اس ایوان میں ایک بہت بڑی کھڑکی (پنجرہ)
اسٹیل اور برانز (Bronze) سے مستطیل شکل کی بنی ہوئی ہے ، جس سے
امام رضاؑ کے روضے کی زیارت کی جاسکتی ہے ، جو لوگ براہِ راست روضے
تک نہیں پہونچ پاتے یہاں سے زیارت کرتے ہیں - ایوانِ طلائی کی عمارت
جو اسی صحن میں واقع ہے امیر علی شیرنوائی جو سلطان حسین کا وزیر باتدبیر تھا
کے حکم سے ۸۷۲ ھ میں تیار ہوئی تھی - یہاں پر عرض کرنا مناسب معلوم
ہوتا ہے علی شیرنوائی ازبکستان میں ایک مشہور شاعر گذرا ہے جس کی اہلِ
ازبکستان بہت قدر کرتے ہیں اور یہی علی شیرنوائی ازبکستانی ازبک زبان کا
موجد بھی ہے - اس کا ذکر میں اپنی کتاب "کوہِ قاف کے اس پار" میں قدرے
تفصیل سے کرچکا ہوں -

مرقد کے مینار

مرقدِ مقدس کے دونوں جانب سنہرے دو مینار واقع ہیں - عموماً مینار

گنبد کے ساتھ بنائے جاتے ہیں لیکن ان میناروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک منارہ گنبد سے ملحق ایوانِ نادری پر بنا ہوا ہے جو صحنِ انقلاب کے جنوب میں واقع ہے اور دوسرا صحنِ انقلاب کے شمالی حصے میں ایوانِ عباسی پر بنا ہوا ہے اور قدرے فاصلے پر ہے۔ بظاہر ایک عجیب بات لگتی ہے لیکن غالباً ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ جو زائرین خیابانِ رضا (قدیم نام خیابانِ تہران) سے تشریف لائیں ان کو بھی گنبد دونوں میناروں کے درمیان لگے۔ پہلا مینار جو گنبد سے ملحق ہے طہماسپ اول صفوی کے دور میں تعمیر ہوا اور دوسرا مینار نادر شاہ (Nadir Shah) کے دور میں بنایا گیا تھا۔ یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرقدِ مقدس تک پہونچنے کے لئے چاروں طرف خیابان بنے ہوئے ہیں مثلاً خیابانِ شیرازی، خیابانِ طبرسی، خیابانِ صفوی اور خیابانِ امام رضاؑ، خیابانِ امام رضاؑ کا پرانا نام خیابانِ تہران ہے، میرا قیام اسی خیابان پر ہوٹل جواہری میں تھا جہاں سے میں پیدل پندرہ منٹ میں مرقدِ مقدس تک پہنچ جاتا تھا۔

نقارہ خانہ

زمانۂ قدیم میں اہم مواقع پر عوام کو جمع کرنے اور اعلان کرنے کے لئے نقارہ بجانا عام دستور تھا۔ لیکن مشہدِ مقدس میں ۸۶۰ ھ میں جب بالیسنقر (BAISONQOR) شاہ رخ، ہرات سے یہاں زیارتِ امام رضاؑ اور بیماری سے شفاء کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو پہلی بار نقارہ بجا تھا، اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا اور سوائے ایامِ عزاء کے طلوع و غروبِ آفتاب سے قبل

نقارہ بجایا جاتا ہے - یہ نقار خانہ صحن انقلاب کے مشرق میں واقع ہے -

سقہ خانہ (حوض اسماعیل طلائی)

صحنِ انقلاب کے وسط میں سقہ خانہ واقع ہے - سقہ خانے کو ہند و پاک میں سبیل کہتے ہیں - یہ سقہ خانہ یا سبیل نادر شاہ افشار کے عہد میں ہرات کے سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھی - اس کا نام سقہ خانۂ نادری ہے - بنانے والے کا نام اسماعیل تھا - غالباً اسی وجہ سے اس کو حوضِ اسماعیل بھی کہتے ہیں - اس کی تعمیر ۱۳۴۷ھ میں ہوئی تھی - اس حوض کے ساتھ اب چاروں طرف سنگِ مرمر کی بینچیں لگی ہوئی ہیں تاکہ زائرین یہاں آرام کر سکیں اور اپنے ساتھیوں کا انتظار بھی - اس کے علاوہ منارۂ ساعت، صحنِ جمہوری، صحنِ امام خمینی، صحنِ آزادی، رواقِ دارالترجمہ، مسجد گوہر شاد، دارالحفاظ، دارالسیادہ، توحید خانہ (برائے خواتین) اور مسجد بالاسر (محمود غزنوی دور کی قدیم ترین مسجد) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں جن کی تفصیل طوالت کی وجہ سے نہیں دی جارہی ہے - زائرین حضرات بہر حال دیکھ سکتے ہیں -

حرم مطہر

حرم حضرت رضاؑ سنہرے گنبد کے نیچے واقع ہے اور مختلف ناموں کے محرابوں سے گھرا ہوا ہے - یہ صناعی کا اعلیٰ نمونہ ہے قبرِ مطہر اسی ضریح کے اندر ہے۔ حرمِ مطہر رضوی تقریباً مربع شکل میں ہے - توسیع کے دوران تقریباً ۱۳۵ (ایک سو پینتیس) مربع میٹر اس میں اضافہ کیا گیا ہے - پیش روئے مبارک کو جنوب، پائینِ مبارک کو مشرق، پشتِ سر کو شمالی، اور بالائے سر

مبارک کو غربی حصہ کہتے ہیں - حرم کی دیوار ۲۰ (بیس) سینٹی میٹر تک سنگِ مرمر، اس کے بعد ۹۲ (بیانوے) سینٹی میٹر تک کاشی کاری کی اینٹوں سے مزین کی گئی ہے جس کو " سلطان سنجری " کہتے ہیں - ان حسین ٹائلز (اینٹوں) پر آیاتِ قرآنی اور اقوالِ امام کندہ ہیں - دیواروں پر صفوی دور کے مشہور خطاط علی زادہ عباسی نے سورۂ جمعہ کی آیاتِ مبارکہ تقریباً ۸۰ (اسی) سینٹی میٹر قطر میں خط ثلث میں تحریر کی ہیں جس کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے - گنبدِ طلائی قبرِ مطہر کے اوپر بنایا گیا ہے - اس کی اونچائی ۳۱ ، ۲۰ (اکتیس اعشاریہ بیس) میٹر ہے جو خوش نمائی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے اور رات میں جگمگاتا ہوا دور سے نظر آتا ہے اس کے گرد علی زادہ عباسی کے کتبات نظر آتے ہیں -

مختلف مقامات سے گذرتے ہوئے ہم باہر آرہے تھے کہ بیرونی کھلے ہوئے علاقے میں ایک عارضی میوزیم نظر آیا، اس کے نزدیک کھدائی ہورہی تھی تاکہ مزید زمین دوز سڑکیں بن سکیں - چند سڑکیں تو تیار تھیں اور زیرِ استعمال بھی تھیں - چند اور بنانا مقصود تھیں - کام اس طرح ہورہا تھا کہ آمد و رفت والے حضرات متاثر نہ ہوں اور کام بھی جاری و ساری رہے - یہ میوزیم زمین دوز سڑکوں کے اوپر قائم ہے، چونکہ اس وقت میوزیم بند تھا ہم آگے نکل گئے یہ میوزیم صرف بعدِ نمازِ مغرب کھلتا ہے جہاں کثرت سے لوگ آتے ہیں، اسی شب جب ہم دوبارہ حرم کے لئے روانہ ہوئے تو پہلے میوزیم میں داخل ہوگئے میوزیم کے باہر بڑے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا " السلام علیک یا علی بن موسیٰ الرضاؑ " سب سے پہلے جس چیز پر ہماری نظر پڑی وہ

قولِ امام تھا، بہنایت خوبصورت اور جلی حروف میں لکھا ہوا تھا" ہر مراد ے را بہ ہمت میتوان تسخیر کرد " یہ قول اتنا دل کو بھایا کہ فوراً نوٹ کرلیا ۔ چند قدم اور بڑھے تھے کہ ایک قطعے پر نظر پڑی ۔ اتنی خوبصورت کتابت کہ تعریف ہنیں کی جاسکتی جی میں آیا کہ فوٹو لیا جائے لیکن باہر لکھا ہوا تھا" عکس ممنوع است " کاش میں اس تحریر کا عکس پیش کرسکتا ۔ بہرحال قطعہ نذرِ قارئین ہے :-

خواہی کہ دلت جامِ محبت باشد
سرچشمۂ نیکی و سعادت باشد
خاموش نشیں و کم سخن گو کہ رضا
فرمود سکوت بابِ حکمت باشد

ہم جوں جوں آگے بڑھتے رہے ایک سے ایک نایاب چیزیں آنکھوں کو خیرہ کرتی رہیں ۔ مختلف ادوار کی لکھی ہوئی قرآنی آیات ، قطعات ، رباعیات ، احادیث اور اقوالِ امام وغیرہ وغیرہ گویا یہ کہ ایک خزینہ تھا جہاں پہونچ کر انسان کھو جاتا ہے ۔ ہم نے تقریباً ایک گھنٹہ وہاں گذارا اور پھر حرم میں داخل ہوئے ۔ حرم میں داخل ہونے کے لئے چاروں طرف بڑے بلند و عریض دروازے ہیں مشہد کے چاروں خیابان یہاں آکر ختم ہوتے ہیں یعنی خیابانِ رضا (جس کا پرانا نام " خیابانِ تہران " ہے)، خیابانِ شیرازی ، خیابانِ طبرسی اور خیابانِ صفوی ۔ ہم جس دروازے سے داخل ہوتے تھے وہ کافی بلند و عریض اور مطلا ہے ۔ دروازے پر ایک چوبدار جس کے ہاتھ

میں ایک چاندی کا چوب ہوتا ہے ہر وقت خاموش کھڑا رہتا ہے ، نہ وہ کسی سے مخاطب ہوتا ہے اور نہ اس کو کوئی مخاطب کرتا ہے ۔ یہی پرانا دستور ہے اور اب تک چلا آرہا ہے ۔ دروازے پر قرآنی آیات کندہ ہیں جن کی خوبصورتی دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں ۔ یہاں سے گذر کر ایک وسیع و عریض احاطے میں داخل ہوتے ہیں جس کے مرکز میں ایک فوارہ ہے اس کے گرد سبیل ہے اور چاروں طرف سنگِ مرمر کی بینچیں نصب ہیں جہاں زائرین آرام کرتے ہیں اور پانی پیتے ہیں یہی جگہ انتظار گاہ کا بھی کام دیتی ہے ۔ یہاں سے گذر کر حرمِ مقدس میں داخل ہوتے ہیں ۔ خواتین اور مردوں کے لئے الگ الگ دروازے ہیں ۔ اندر کے حالات پہلے لکھے جاچکے ہیں ، جب ہم حرم کے بیرونی اطاق میں داخل ہوتے ہیں تو جوتے پہلے ہی اتار لیتے ہیں ۔ قالین باہر تک بچھے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اس اطاق کے بائیں جانب جوتے رکھنے کا انتظام ہے اپنے جوتے کفش بردار کے سپرد کریں آپ کو فوراً ایک ٹوکن مل جائے گا ۔ واپسی پر ٹوکن دیجئے اور اپنے جوتے لے لیجئے یہ خدمت مفت ہے ۔ یہاں کام کرنے والے نہایت چاق و چوبند ہیں اور پھرتی سے کام کرتے ہیں ، اس اطاق سے ذرا آگے بڑھیں تو داہنی جانب ایک دفتر ہے جہاں اگر آپ چاہیں تو نذرانہ پیش کرسکتے ہیں ۔ پانچ سو ، ایک ہزار اور دو ہزار اور پانچ ہزار ریال ، آپ کو روضۂ اطہر کی ایک خوبصورت تصویر پیش کی جائے گی ۔ اس تصویر کے کونے میں رقم درج ہوگی ۔ بہرحال یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے وہاں کوئی کسی سے چندے کی فرمائش نہیں کرتا بلکہ اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے ۔ ہمہ وقت ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے لیکن گداگر کہیں نظر نہیں آتے ۔

سب ایک ہی دھن میں ہوتے ہیں یعنی زیارتِ امام ۔

زیارت امام عالی مقام

میں ایک ہفتہ مشہد میں رہا اور روزانہ کئی کئی بار حاضری دی لیکن مجھے کوئی گداگر یا مانگنے والا نہیں ملا، صرف ایک بار ایسا ہوا کہ میں واپس آرہا تھا کہ قریب سے آواز آئی اگر کھانے پینے کی کوئی چیز ہو تو عنایت کر دیجئے ۔ ظاہر ہے کہ میرے پاس کھانے کی کوئی شے نہ تھی میں آہستہ سے آواز کی سمت بڑھا اور چپکے سے ان بزرگ کی جیب میں کچھ رقم ڈال دی اور آگے بڑھ گیا، میں اس صحن سے باہر نکلا تو ایک بزرگ نظر آئے کافی عمر رسیدہ ان کے ہمراہ ایک محترمہ بھی تھیں جو غالباً ان کی اہلیہ ہوں گی ۔ کمر خمیدہ تھی، آہستہ آہستہ حرم کی جانب جارہے تھے، کرتا، چوڑی مہری کا پائجامہ اور کوٹ پہنے ہوئے تھے ۔ مجھے ہندوستانی لگے ازراہِ ہمدردی میں نے اردو میں پوچھ لیا ۔ کیا آپ ہندوستان سے تشریف لائے ہیں؟ کڑک دار آواز اور انگریزی میں بولے، نہیں! آسٹریلیا سے ۔ میں نے جرأت سے کام لیا اور پوچھ ہی لیا کہ اصل کہاں کی ہے؟ پھر اردو میں جواب ملا، علیگڑھ، انڈیا.... بات ختم ہوگئی ۔ وہ آگے بڑھ گئے، میں کھڑا سوچتا رہا غریب الدیار امامؑ کی کیا شان ہے ۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی تک کے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں جن میں بچے، بوڑھے عورت اور مرد سب ہی شامل ہوتے ہیں کسی کی زبان پر حرفِ شکایت نہیں، سب ایک ہی دھن میں مگن ہوتے ہیں ۔

ایسے بھی اس جہان میں گذرے ہیں کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا، قاتل نہیں رہا

دفتر بین المللی

میری آرزو تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ یہاں کے حالات سے آگہی حاصل کروں ۔ چنانچہ میں ایک ریسپشن آفس (Reception Office) جس کو فارسی میں پذیرش کہتے ہیں، میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا ۔ مجھے بتایا گیا کہ میں دفترِ امورِ بین المللی جو صحنِ جمہوری میں ہے سے رجوع کروں ساتھ ہی مجھے پورے علاقے کا نقشہ بھی عنایت ہوا تاکہ وہاں تک پہونچنے میں آسانی ہو ۔ میں نے اپنی اہلیہ کو وہیں رکنے اور انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور واپس صحنِ جمہوری کی طرف روانہ ہوگیا ۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر مجھے دیر بھی ہوجائے تو بھی وہ اسی جگہ میرا انتظار کریں کیونکہ ایک بار کوئی ادھر ادھر ہوگیا تو تلاش مشکل ہوتی ہے ۔ کچھ دیر میں میں صحنِ جمہوری میں واقع دفتر" بین المللی " میں پہونچ گیا ۔ دروازہ ہلکا بند تھا میں نے دق الباب کیا یااللہ کہا اور دروازہ کھول کر داخل ہوا ۔ چار پانچ افراد بیٹھے ہوئے اپنے اپنے کام میں مشغول تھے میں نے سلام کیا اور فارسی میں عرض کیا کہ فارسی میری کمزور ہے ۔ عرض مدعا کرنا چاہتا ہوں ۔ ایک طرف سے آواز آئی ۔ آپ اردو میں ہمکلام ہوں یہاں مختلف زبانیں بولنے والے موجود ہیں ۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ میرا مسئلہ حل ہوگیا، میرا تعارف مولانا محمد عبداللہ جوہری سے کرایا گیا مختصراً بات چیت ہوئی ۔ مولانا موصوف خود دو فنجان چائے لائے اور شکر کی ڈلی بھی یعنی قند ۔ میں نے مزاحاً کہا مولانا چمچہ کہاں ہے ؟ فرمانے لگے یہاں چمچے نہیں ہوتے ۔ بہر حال چمچی لاتا ہوں ۔ چنانچہ مولانا واپس گئے اور دوسرے کمرے سے ایک چمچی لائے ۔ چائے کا دور چلا، مولانا فرمانے لگے میں

کلاس لینے جارہا ہوں - کل دس بجے آجائیں پھر اطمینان سے بات ہوگی -
مولانا سے مل کر اطمینان بھی ہوا اور خوشی بھی، معلوم ہوا کہ مولانا کا تعلق
پاکستان کے بلتستان کے علاقے سے ہے، بچپن میں تعلیم کی غرض سے آئے
تھے کہ یہیں کے ہورہے - شادی بھی ایرانیوں میں کی اور تین بیٹے ہیں - میں
نے پوچھا بچے کیسے ہیں - فرمانے لگے بڑے شیطان ہیں، میں نے کہا زبان کیا
بولتے ہیں- فرمایا ماں کی زبان بولتے ہیں گویا مادری زبان اصل زبان ہے بچہ
کہیں کا ہو بولتا ماں ہی کی زبان ہے - بہرحال اس مختصر گفتگو کے بعد مولانا
اپنی دانشگاہ کی طرف گئے اور میں اپنی منزل کی طرف، طے پایا کہ کل (فردا)
ان سے اسی دفتر میں ملاقات ہوگی اور آئندہ کا پروگرام طے ہوگا - واپس آیا تو
اہلیہ کو اپنی جگہ پایا - فرق اتنا تھا کہ کھڑا چھوڑ گیا تھا بیٹھا ہوا پایا -

ہم گذشتہ شب دیر سے ہوٹل سے روانہ ہوئے پہلے عارضی میوزیم گئے
اور پھر حرم میں داخل ہوئے - خیال تھا کہ رات میں مجمع کم ہوگا - سردی
شروع ہوچکی تھی - دن میں موسم بہت خوشگوار ہوتا ہے لیکن رات میں اچھی
خاصی سردی ہوجاتی تھی - خلافِ توقع رات میں مجمع دن سے بھی زیادہ تھا
خصوصاً خواتین کے حصے میں، پروگرام کے تحت ہم سبیل کے پاس یکجا
ہوئے تو اہلیہ نے فرمایا - آج تو بہت بھیڑ تھی - ضریح تک نہ پہونچ سکی - دور
سے ہی زیارت پڑھ لی - میں نے عرض کیا جہاں اتنا مجمع ہو ہر روز کیسے پہونچ
سکتے ہیں آخر دوسرے بھی تو اسی غرض کے لئے آئے ہوئے ہیں سب کو موقع
ملنا چاہئے - یہی قدرت کا نظام ہے - ایک چیز جو میں نے محسوس کی وہ یہ کہ
کسی کو کسی سے شکوہ نہیں ہوتا - کوشش سب کی ہوتی ہے کہ ضریح تک ہر

روز پہونچے - کچھ پہونچ پاتے ہیں اور کچھ نہیں، لیکن گلہ شکوہ کسی کے لب پر نہیں آتا -

آج حرم کا ہمارا دوسرا چکر تھا - اس کے علاوہ میوزیم میں بھی ایک گھنٹہ گذارا تھا - آج اہلیہ فرمانے لگیں بہت تھک گئی ہوں - سواری لے لیں بیرونی صحن کے ساتھ ہی ٹیکسی اسٹینڈ (Taxi Stand) ہے - فوراً ٹیکسی مل گئی زمین دوز سڑک سے گذر کر ہم ہوٹل پہونچے، تھک کر چور ہو گئے تھے کمرے میں جاکر کچھ دیر آرام کیا پھر لفٹ سے گراؤنڈ فلور پر آئے جہاں پذیرش (Reception) ہے - کھانے کا ہال زیر زمین (Under Ground) ہے - فارسی میں گراؤنڈ فلور کو کفِ دست اور انڈر گراؤنڈ کو طبقِ زیرین کہتے ہیں - لفٹ صرف کفِ دست تک آتی جاتی ہے، کھانے کے کمرے یا ہال تک جانے کے لئے زینہ اختیار کرنا پڑتا تھا - اہلیہ کو کھانے کے بعد زینہ چڑھنا منع ہے اس لئے ہم نے کفِ دست ہی میں اپنے کھانے کا انتظام کیا تھا - ہم نے آقائے مدیر یعنی مینجر سے درخواست کی اور انھوں نے فوراً انتظام کر دیا، اس طرح ہم کو بہت آسانی ہو گئی اور ہم پائین اور بالا کی بار بار مشق سے بچ گئے - چونکہ تھکن بہت تھی ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھا سکے - بہر حال اوپر کمرے میں گئے تھک کر چور ہو چکے تھے لیٹتے ہی نیند نے آلیا - کل کی یادداشت صبح بعدِ نمازِ فجر لکھ لی تھی - واقعات اگر روزانہ نہ لکھے جائیں تو بڑی دشواری ہوتی ہے -

ایران میں دینی تعلیم کے طریقۂ کار کا مختصر ذکر

سفرنامے کی ابتدا میں ہم نے ایران میں طریقۂ تعلیم کا ذکر کیا تھا جس

میں دستوری تعلیم کی بات ہوئی تھی، اب ہم آپ کی توجہ دینی تعلیم کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ دینی تعلیم کے پانچ مدراج ہیں جس کی ابتداء طالبِ علم یا دانشجو سے ہوتی ہے۔ جب یہ طالبِ علم یا دانشجو مختلف مدارج سے گذرتے ہوئے مخصوص درجے پر فائز ہوجاتے ہیں تو ان کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ مشکل سے دو فیصد طلباء درجۂ اجتہاد تک پہونچتے ہیں جو طلباء درجۂ اجتہاد تک نہیں پہونچتے مولوی یا مولانا کہلاتے ہیں اور عموماً محراب و منبر، درس و تدریس یا دیگر علمی کاموں سے منسلک ہوجاتے ہیں گویا مجتہد حضرات نے تو دینی علوم میں ایم۔ اے کرلیا اور اس طرح وہ اس قابل سمجھے جاتے ہیں کہ مختلف مسائل میں اپنی رائے قائم کر سکیں اور اجتہاد کر سکیں۔ اس کے بعد مبلغ الرسالہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے یہ علماء مزید کاوش کرتے رہتے ہیں اور حصولِ علم میں سرگرداں رہتے ہیں۔ پھر انہیں حجۃ الاسلام کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ علماء مزید ریسرچ (Research) کرتے رہتے ہیں اور حصولِ علم میں سرگرداں رہتے ہیں۔ پھر انھیں آیۃ اللہ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے، پانچواں اور آخری رتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ کہلاتا ہے اور وہی مرجعِ تقلید ہوتا ہے گویا اب ان کی جانب تمام اہم مسائل کے لئے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہوتا آیا ہے کہ ایک وقت میں صرف چار یا پانچ علماء مرجعِ تقلید ہوتے ہیں جن کے مراکز نجفِ اشرف، قم، مشہد اور دمشق ہیں۔ ایرانی قانون ۱۹۰۶ء کے تحت مرجعِ تقلید یعنی آیۃ اللہ العظمیٰ کو کسی حالت میں گرفتار نہیں کیا جاسکتا چونکہ ابتدائے انقلاب کے وقت امام خمینی کا شمار آیۃ اللہ العظمیٰ میں نہیں ہوتا تھا اسی لئے شہنشاہِ ایران نے آپ کو گرفتار کرا کے ملک بدر کیا تاکہ ان سے اس

کی جان چھوٹ جائے - آپ نجفِ اشرف براہِ ترکی تشریف لے گئے - وہاں سے فرانس اور پھر واپس تہران فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے -

درمیان میں شہنشاہِ ایران نے کئی بار آپ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے صاف انکار کردیا - آپ کا فرمانا تھا کہ شہنشاہ ایک زہریلا سمندر ہے جس نے ایک انگلی بھی اس سمندر میں ڈالی وہ زہر آلود ہوجائے گا -

عدد پانچ کی اہمیت

یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ عدد پانچ اسلام میں عموماً اور اہلِ تشیع میں خصوصاً بہت اہم سمجھا جاتا ہے مثلاً پنج وقتہ نماز، پنجتن پاک یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسین علیہم السلام - فقۂ جعفریہ میں خمس بہت اہم ہے یعنی آمدنی سے اخراجاتِ ضروری منہا کرکے بچت کا ۱/۵ حصہ خمس کی نیت سے نکالا جاتا ہے جس میں سے نصف سہمِ امام ہوتا ہے اور نصف سہمِ سادات جس کے لئے علمائے کرام سے رجوع کیا جاتا ہے - سرکاری ٹیکسوں میں تو کمی کا رجحان پایا جاتا ہے لیکن جہاں تک زکواۃ اور خمس کا تعلق ہے صاحبِ نصاب حضرات عموماً اس کام میں پرخلوص ہوتے ہیں -

زکواۃ اور خمس کا وجوب

شیعیؑ نقطۂ نگاہ سے زکواۃ اور خمس نہ صرف نکالنا واجب ہے بلکہ مستحقین تک پہونچانا بھی ضروری ہے - یہی وجہ ہے کہ ایسی رقوم حکومت کو دینے سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے - پاکستان میں رمضان شروع ہونے سے

چند روز قبل اربوں روپے بینک سے نکلوالیے جاتے ہیں تاکہ زکواۃ نہ کٹ سکے کیونکہ پہلی رمضان کو بینک میں جمع شدہ رقوم میں سے زکواۃ کاٹ لی جاتی ہے، چند روز بعد یہ تمام رقوم واپس بینک میں آجاتی ہیں - دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ صاحبِ نصاب حضرات ایسی رقوم جن حضرات کو دیتے چلے آئے ہیں ان سے انکار کیسے کریں، یہ کہنا کہ حکومت نے زکواۃ کاٹ لی ہے کافی ہنیں ہے - بہرحال یہ بحث طلب مسئلہ ہے جس پر علماء کو غور کرنا چاہیئے اور حکومت کو بھی - میں نے تو محض یہاں اشارہ کردیا ہے -

نیشاپور روانگی سے قبل کچھ ضروری انتظامات

ہم نے گذشتہ شب ہی طے کرلیا تھا کہ کل یعنی ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو نیشاپور جانے کا انتظام کریں گے لیکن وہاں جانے سے قبل کچھ دیگر انتظامات کرنے تھے - واپسی کے لئے مشہد سے تہران کی سیٹ کی توثیق (Confirmation) کرانی تھی - علاوہ ازیں ڈالر بھی ریال میں تبدیل کرانے تھے تاکہ راہ میں وافر ریال پاس ہوں کیونکہ ڈالر ہر جگہ تبدیل ہنیں ہوتے - پی آئی اے (P.I.A) کے دفتر بھی جانا تھا تاکہ جناب ارشد حفیظ اور انوار علوی کا شکریہ ادا کیا جاسکے - ان ہی کی وجہ سے ہم کو مشہد میں کافی آسانیاں بہم پہنچیں - چنانچہ ہوٹل سے ہم نے ٹیکسی لی اور سیدھے پی آئی اے (P.I.A) کے دفتر پہونچ گئے جہاں ارشد حفیظ اور انوار علوی سے ملاقات ہوئی، ان لوگوں نے دریافت کیا، کیسے آنا ہوا ؟ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات نے بہت زحمت اٹھائی اور ہمارے لئے آسانیاں ہی آسانیاں بہم

پہونچائیں اس لئے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں - آپ لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ - انھوں نے پوچھا آپ کی واپسی کب ہوگی ؟ واپسی کی سیٹ کی توثیق کرانی ہے کہ نہیں ؟ میں نے عرض کیا یہ بھی میرے ذہن میں ہے - یہاں سے نکلتے ہوئے توثیق نشست (Confirmation of Seat) بھی کرالوں گا - فرمایا ٹکٹ دیجئے - شرکتِ ہوا پیمائے ملیء ایران (ھما) کو ٹیلیفون کیا، بات ہوگئی - پھر ارشد حفیظ صاحب نے علوی صاحب سے فرمایا بہتر ہے کہ خود چلے جائیے اور کمپیوٹر نمبر لے لیں تا کہ بالکل اطمینان ہو جائے - ساتھ یہ بھی فرمایا کہ آپ کو ڈالر تو نہیں کیش کرانے ہیں ؟ میں نے کہا کہ ضرور کیش کرانا ہیں - فرمایا کہ ڈالر دیجئے - بہرحال علوی صاحب ڈالر اور میرا ٹکٹ لے کر گئے اور پندرہ / بیس منٹ میں واپس آگئے آج ایک ڈالر کے ۱۶۳ (ایک سو تریسٹھ) تومان یا ۱۶۳۰ (ایک ہزار چھ سو تیس) ریال ملے سرکاری نرخ ۱۵۸ (ایک سو اٹھاون) تومان فی ریال ہے - یعنی ۱۵۸۰ (ایک ہزار پانچ سو اسی) ریال - عجیب بات ہے کہ سارے نوٹ ریال میں ہوتے ہیں، کاروبار بھی اسی طرح ہوتا ہے مگر دکاندار حضرات قیمت کبھی تومان میں اور کبھی ریال میں بتاتے ہیں جس کی وجہ سے نووارد حضرات کو تھوڑی الجھن ہوتی ہے - بہرحال یہ وہاں کا عام طریقہ ہے - ہم نے دوبارہ ان حضرات کا شکریہ ادا کیا اور اسی ٹیکسی میں حرم کے لئے روانہ ہوگئے - ٹیکسی والے نے آج ہم کو خیابانِ رضا گیٹ کے بجائے خیابانِ طبرسی گیٹ پر پیادہ کیا یعنی گاڑی سے اتار دیا - فارسی میں کار سے اتارنے کو " پیادہ کردن " کہتے ہیں - ہم اتر کر حرم کی جانب چلے تو لیکن یہ نیا راستہ تھا، کہاں

سے حرم میں داخل ہوں، چکرا سے گئے۔ گھوم پھر کر پہونچ تو گئے لیکن صحنِ جمہوری کی تلاش ہوئی، مولانا محمد عبداللہ جوہری سے یہ طے پایا تھا کہ ہم ان سے ساڑھے دس بجے ملیں گے۔ اہلیہ کو ہم نے فروشگاہِ کتبِ رضوی کے پاس بٹھا دیا اور خود چل نکلے۔

سید ابو لقاسم صانعی سے ملاقات اور موزۂ قرآن، آستانۂ قدس رضوی کا ذکر

کچھ دیر میں پوچھتے پوچھتے دفترِ بین المللی صحنِ جمہوری پہونچ گئے، مولانا منتظر تھے۔ ان کے ساتھ موزۂ قرآن، آستانۂ قدسِ رضوی پہونچ گئے۔ جہاں مولانا جوہری نے مدیرِ موزہ سید ابوالقاسم صانعی سے تعارف کرایا۔ کچھ گفتگو فارسی میں ہوئی۔ دورانِ گفتگو انکشاف ہوا کہ آقائے صانعی کراچی یونیورسٹی کے طالبِ علم رہ چکے ہیں۔ چنانچہ ان سے انگریزی میں بات چیت شروع ہوئی۔ میرے لئے مزید آسانی ہوگئی، مولانا تو تعارف کرانے کے بعد چلے گئے کیونکہ ان کو کلاس لینی تھی میں نے کچھ کتابوں کا تذکرہ کیا۔ فرمانے لگے کوشش کروں گا کہ کل مل جائیں۔ میں نے بڑی کوشش کے بعد ان کے پاس کچھ رقم رکھوا دی تاکہ ان کو خریداری میں دشواری نہ ہو۔ وہ بضد رہے کہ وہ کتابیں حاصل کرلیں گے لیکن میں بہرحال اپنی جگہ بضد رہا اور کچھ رقم ان کے پاس پیشگی چھوڑدی، میں نے عرض کیا (ایسے موقعے پر" خواہش می کنم " کہتے ہیں) قرآنِ کریم کے نایاب نسخے موجود ہیں کیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ مجھے کچھ کا عکس مل سکے؟ فرمانے لگے کوشش کروں گا۔ کچھ عرصہ

پہلے ایک کتاب چھپی تھی جس کا نام " نامۂ ہدایت " " مقدمۂ ای بر آشنائی باقرآن " تھا جو ڈاکٹر محمد مہدی رکنی کی ادارت میں چھپی تھی اب نایاب ہے۔ کوشش کروں گا کہ ایک نسخہ دستیاب ہوجائے، میں ان کا شکریہ بھی ادا کرتا رہا اور اظہارِ تمنا بھی۔ میں نے عرض کیا کہ میں اب دو روز بعد حاضری دوں گا کیونکہ مجھے نیشاپور جانا ہے۔کچھ دیر مزید گفتگو جاری رہی، مدیر موصوف بہت ہی نیک دل اور ہمدرد انسان ہیں، مولانا سے معلوم ہوا کہ آقائے صانعی کو آم کا اچار بہت پسند ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ تحفہ ان کو جلد روانہ کروں گا۔ (۱) مدیر موصوف سے مل کر میں موزہ میں داخل ہوا اور بہت دیر تک بڑے شوق سے مختلف ادوار کے قرآن مجید کامل اور اجزاء دیکھتا رہا اور دیکھتا ہی رہا حضرتِ علیؑ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا قرآن (اجزاء) حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کا نوشتہ قرآن، میں اسی ماحول میں محو اور گم تھا کہ اہلیہ نے کہا کافی دیر ہوچکی ہے، ہم کو ہوٹل چلنا چاہیئے۔ میں بادلِ نخواستہ وہاں سے روانہ ہوا اور ہوٹل پہونچ گیا۔ اللہ جانے مجھے کیوں اس بات کا یقین تھا اور سکونِ قلب بھی کہ مجھے ان نایاب قرآنِ مجید کے عکس ضرور ملیں گے ربِ کریم کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا جس کا ذکر اگلے صفحات میں ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اس پر رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

---

(۱) مولانا موصوف گذشتہ رمضان میں پاکستان تشریف لائے تھے، ان کی معرفت تحفۂ اچار آقائے صانعی کی خدمت میں بھجوایا۔

انڈیا آفس لائبریری کا ایک واقعہ

میں یہاں ایک واقعہ لندن کا تحریر کرنا چاہتا ہوں جو اسی نوعیت کا ہے - ایک روز میں انڈیا آفس لائبریری گیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ قلمی نسخے دیکھنا چاہتا ہوں - ایک انگریز بہادر تشریف لائے مجھ سے مختلف سوالات کئے اور نام دریافت کیا، پھر فرمایا کچھ دیر انتظار کیجئے اور چلے گئے - چند منٹ بعد ایک اور صاحب تشریف لائے جو شکل و شباہت سے پاکستانی یا ہندوستانی معلوم ہوتے تھے انہوں نے بھی مختلف سوالات کئے غالباً یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ قلمی نسخوں سے میری کتنی دلچسپی ہے - باتوں باتوں میں، میں نے ان کا وطن مالوف پوچھ لیا - پتا چلا اصلی وطن راولپنڈی، پاکستان ہے۔ الحمدللہ مسلمان ہیں اور اب برطانیہ کا پاسپورٹ رکھتے ہیں، لائبریری کے اس حصے کو کھولا جو مقفل تھا - پھر پوچھا کہ کتنے دن یہاں قیام کا ارادہ ہے - میں نے جواب دیا کہ کل انشاء اللہ پاکستان روانگی ہے - آج کا دن آپ کی نذر ہے - فرمایا یہاں تو ایسی نگارشات و نوادرات بھری پڑی ہیں، ایک دن میں آپ کیا کیا دیکھیں گے - میں نے عرض کیا کچھ آج، بقیہ زندگی باقی تو اگلے سفر میں - میں ان کے ساتھ ہو لیا پھر سوال ہوا کہ یہاں تو کئی سو زبانوں کے قلمی نسخے بھرے پڑے ہیں آپ ہی فرمائیے کہ کیا کیا دیکھیں گے - میں نے عرض کیا کہ عربی اور خصوصاً قرآن مجید - فرمانے لگے قرآن مجید اور ان کے اجزاء بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں - بہرحال میں آپ کو دو قرآن مجید کی زیارت کراؤں گا لیکن یاد رکھئے ابھی ان کو کیٹلاگ

(Catelogue) ہنیں کیا ہے تحقیق ہورہی ہے ، قدامت کی اور نسبت کی بھی - اس کے بعد انہوں نے دو چوبی صندوق کھولے - قرآن مجید کو بڑی احتیاط سے کھولا اور آخری صفحہ میری طرف کیا - تحریر خط کوفی میں تھی اور بہت قدیم لگ رہی تھی ، خط کوفی کا پڑھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات ہنیں ہے - فرمانے لگے یہ حضرتِ عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید ہے ، کہا ھی جاتا ہے لیکن ابھی تک اس کی تحقیق ہنیں ہوسکی ہے اور اس پر ریسرچ (Research) ہورہی ہے - بعد ازاں انہوں نے دوسرا قرآن کریم میری طرف کیا اور آخری صفحہ بڑی احتیاط سے کھولا اور فرمایا یہ قرآن مجید علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا کہا جاتا ہے یہ نسخہ بھی خط کوفی میں ہے ، آخری صفحے پر علیؑ ابن ابی طالب لکھا ہوا ہے جو میں ان کی مدد سے پڑھ سکا - یہ دونوں قرآنی نسخے دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں - کچھ دیر ساکت رہا پھر میر انیس کا یہ مصرع یکایک زبان پر آگیا -

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

اظہارِ مدعا کیا کہ ان کی فوٹو کاپی چاہیئے - فرمایا کہ آپ کل جارہے ہیں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے ; میں نے عرض کیا کہ ابھی فوٹو گرافر لاتا ہوں - فرمانے لگے یہ کام اتنی آسانی سے اور جلدی ہنیں ہوسکتا - صرف ہمارے فوٹو گرافر ہی کو اجازت ہے ، دوبارہ تشریف لائیں تو ہم سے رجوع کیجیئے گا کوئی سبیل پیدا کی جائے گی - یہ سعادت ابھی تک حاصل نہ ہوسکی ، خدا کرے کہ اگلے سفر میں کامیابی نصیب ہو - میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں اور کتنے

بدنصیب کہ ہمارے خزانے غیروں کے پاس ہیں اور ہم سکون سے بیٹھے ہوئے ہیں ، اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان خزانوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہورہی ہے ورنہ بہت پہلے یہ ناپید ہوچکے ہوتے ۔ یہ واقعہ تو جملہ معترضہ کے طور پر لکھا گیا ۔ اب میں پھر واپس اپنے سفر کی روداد پر آرہا ہوں ۔

مشہد مقدس کے بازار کی سیر

حرم سے واپسی پر کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا ۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر کپڑے بدلے کیونکہ ساڑھے چار بجے مولانا محمد عبداللہ جوہری تشریف لانے والے تھے اور ان کے ہمراہ ہمیں بازار جانا تھا ۔ مولانا ممدوح سرِوقت یعنی عین وقت پر تشریف لائے ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ یہاں لوگ وقت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں ۔ ہم مولانا کے ساتھ بازار گئے ۔ یوں تو دکانیں ہر طرف ہیں لیکن جو چیزیں ہم کو درکار تھیں ان کے لئے " بازارِ رضا " جانا تھا ۔ بازارِ رضا کو یوں سمجھئے جیسے کراچی کا بوہری بازار یا لاہور کا انار کلی ، فرق صرف اتنا ہے کہ انار کلی اور بوہری بازار گراؤنڈ فلور یعنی " کفِ دست " تک محدود ہیں لیکن بازارِ رضا پہلی منزل یعنی طبقِ بالا پر بھی ہے ۔ اور پورا بازار مسقف ہے چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں لیکن سامان سے بھری پڑی ہیں ۔ میں نے پہلے ہی سن رکھا تھا کہ یہاں مول تول بہت ہوتا ہے ، ایرانی مول تول کے ماہر گردانے جاتے ہیں اور مولانا صاحب نے بھی یہی فرمایا تھا ۔ ساتھ ہی مجھے آگاہ کیا تھا کہ پہلی دکان جہاں سے ہمیں عقیق اور

عقیق کی تسبیح خریدنی ہے وہ زیادہ بھاؤ تاؤ نہیں کرتے ۔ ہم سب سے پہلے زینے سے اوپر گئے مولانا کو دیکھتے ہی دکاندار پہچان گیا ۔ ہم نے عقیق کی فرمائش کی تو بہت ساری ڈبیاں سامنے رکھ دیں، سب سے پہلے دکاندار نے دو عقیق الگ کئے اور ہماری جانب متوجہ ہوا اور فرمایا ایک آپ کے لئے اور ایک آپ کی ہمسر یعنی اہلیہ کے لئے ۔ جدید فارسی میں اہلیہ یا شریکِ حیات کو ہمسر کہتے ہیں ۔گویا دکان دار کا یہ پہلا حربہ ہمیں سر کرنے کا تھا ۔ ہم فاتح بن کر دکان سے نکلے یا مفتوح یہ تو بعد کے واقعات سے معلوم ہوگا ۔ ہم بہرحال اس کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ایرانی یوں بھی خصوصاً اپنی خوش گفتاری اور خوش اخلاقی کے لئے مشہور ہیں ۔ ان کی زبان پر ہمہ وقت چشم، خیلے ممنون، متشکر، جانِ من، دلِ من، سلامت، خوش آمدید، چشمِ ما روشن اور دلِ ماشاد وغیرہ وغیرہ جیسے الفاظ رہتے ہیں ۔ خاطر مدارات میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، جس دکان میں جائیں یا جس دفتر میں داخل ہوں فنجان میں چائے پیش ہوگی یہ روزمرہ کا دستور ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب چیزیں دکھاوے کی ہیں تو میں عرض کروں گا کہ ہم تو الفاظ ہی سن کر حظ اٹھاتے ہیں اور چہرہ دیکھ سکتے ہیں جو ہر لمحے ہنستا مسکراتا نظر آتا ہے ۔ دل کا حال تو دل والا جانے یا اللہ تعالیٰ

کسی کے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

خوش خلقی بہرحال اچھی چیز ہے اور ہمیشہ کام آتی ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ "زباں شیریں جہاں گیری" ایرانی عام طور سے خوش قامت بھی ہوتے ہیں ۔

چھریرا جسم، کھلتا ہوا رنگ، بڑی اور دلکش آنکھیں ان پر کماں جیسے ابرو، ابھرا ہوا ماتھا، ہنستے مسکراتے چہرے، موتیوں کی لڑی جیسے شفاف دانت اور خوبصورت پتلے پتلے ہونٹ ۔ ان کے ہونٹ اور آنکھوں کو دیکھ کر بے اختیار میر تقی میر کے یہ اشعار زبان پر آجاتے ہیں :۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

گلابی رخسار پر کالے تل نے ہی تو حافظ شیرازی کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرَد دلِ ما را
بہ خالِ ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

میں ان خیالوں میں محو تھا کہ یکایک مجھے اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد آگیا ۔ لکھے دیتا ہوں، شاید آپ کو بھی پسند آئے ۔

محترم طفیل اے رحمن سے ملاقات

ایک روز کا واقعہ ہے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کسی کام سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ محترم طفیل اے رحمن جو ان دنوں اٹارنی جنرل تھے قالین دیکھ رہے ہیں اور میرا سیلز مین ان کی حضوری میں ہے ۔ میں نے کسی بہانے سے سیلز مین کو ہٹادیا اور خود ان کی خدمت میں حاضر ہوکر قالین

دکھاتا رہا اور باتیں کرتا رہا ۔ محترم طفیل اے رحمن نے قالین خرید لیا اور چیک (Cheque) بھی عنایت فرمادیا اس کے بعد فرمانے لگے آپ غیر معمولی خوش اخلاق ہیں ۔ انگریزی میں جو الفاظ انہوں نے استعمال کیئے وہ یہ تھے Look, you are extraordinary courteous میں نے عرض کیا کہ سیلز مین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خوش اخلاق ہو ۔ انہوں نے فرمایا آپ یقیناً مالک معلوم ہوتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ صحیح سمجھا آپ نے لیکن آپ کے سامنے بہرحال سیلز مین ہی ہوں ، پھر میں نے عرض کیا جناب آپ نے مجھ کو پہچانا ہنیں اور آپ نہ پہچاننے میں حق بجانب بھی ہیں لیکن میں آپ کو پہچانتا ہوں ۔ میں آپ کی کلاس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور پچھلی نشستوں پر بیٹھتا تھا کیونکہ مقصد صرف کچھ حاصل کرنا تھا ، امتحان پاس کرنا ہنیں ۔ میں پاکستان کے ابتدائی دنوں میں سرکاری ملازم تھا اور دفتر میں کام نہ ہونے کی وجہ سے مشغولیت کا یہ طریقہ نکالا تھا ۔ سرکاری دفاتر کے لئے کہیں چھت ڈالی جارہی تھی اور کہیں کھڑکی دروازے نصب کیئے جارہے تھے ۔ میری بات سنتے ہی جناب رحمن صاحب صوفے سے اچھل پڑے مجھے گلے لگایا فرمانے لگے میں بہت شرمندہ ہوں ، پھر گفتگو شروع ہوئی میں نے چائے پیش کرنے کی اجازت چاہی ۔ فرمانے لگے اب تو بغیر پیئے ہنیں جاؤں گا ۔ چلنے لگے تو فرمایا کیا میرے ساتھ چل سکتے ہو ؟ عرض کیا بسر و چشم ، فرمایا ناپ (پیمائش) کیلئے فیتہ لے لو ، میں ساتھ ہولیا اور محترم رحمن نے کئی کمروں کے قالین کے لئے آرڈر دیئے ، یہ تھا حسن اخلاق کا اجر ۔ بات یہیں ختم ہنیں ہوئی ، آہستہ آہستہ بے تکلفی بڑھی اور بات دوستی تک پہونچی

بعد میں جناب رحمن چیف جسٹس سندھ بنے لیکن ان کی آمدورفت باقی رہی ، ایک دن فرمانے لگے میں اب غریب ہوگیا ہوں قالین نہیں خرید سکتا ۔ میں سوچتا رہا جب وکیل تھے تو امیر اور جب چیف جسٹس ہوئے تو غریب ، خدمت کا جذبہ غربت تک کھینچ لایا اسی کو کہتے ہیں حب الوطنی ۔ چیف جسٹس بننے کے بعد زیادہ دن زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ راہیء ملکِ عدم ہوگئے لیکن جب تک جئے عزت و وقار سے جئے ۔ خداوندِ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔ آمین ۔

بازار رضا میں خریداری

ہم اپنے سلسلۂ خریداری کی طرف پھر رجوع ہوتے ہیں ۔ ہم نے اس دکان سے پانچ عدد عقیق کی تسبیحیں ، تقریباً دو درجن عقیق جن میں سفید ، پیلا نارنجی اور سیاہ رنگ (جگری) شامل تھا خرید لئے ۔ علاوہ ازیں چند عقیق کے دانوں پر اللہ اور پنجتن پاک کے نام کندہ کروائے اور کچھ دیگر اشیاء کے آرڈر دے کر وہاں سے نکلے ، یہاں مول تول کا مزہ نہیں آیا ۔ ہماری اہلیہ کو ایک عدد ایرانی نقاب خریدنا تھا چنانچہ ایک نقاب فروشی کے مرکز پر ہمارے مولانا ممدوح ہم کو لے گئے ۔ یہاں مول تول کا صحیح لطف آگیا دکاندار پانچ ہزار تومان مانگتا ۔ مولانا دو ہزار کہتے ، پھر بحث شروع ہوتی ، مولانا اسے چھوڑ کر کسی اور نقاب کی بات کرتے ۔ یہاں بھی اسی قسم کی بات ہوتی ، نہ مولانا اسے چھوڑتے اور نہ ہی دکاندار ان کو بخشتا ۔ مولانا محترم نے ایک نقاب کی مناسب قیمت میرے خیال میں لگائی ، دکاندار برابر قیمت بڑھوانے کی سعی کرتا رہا لیکن مولانا موصوف اپنی قیمت پر اڑے رہے ۔ مولانا چلنے لگے تو وہ ساتھ ہولیا ۔ ہم سے بار بار کہتا ایں خوب است ، چیزے بہتر ، قیمتے بہتر ، آغا

.... یعنی یہ بہت خوب ہے قیمت بہت ہی کم ہے ضرور خرید فرمائیں ۔ مولانا زینوں کے پاس پہونچے اور دکاندار کو یقین کامل ہوگیا کہ مولانا قیمت ہنیں بڑھانے کے تو اس نے ناچار نقاب مولانا کی طرف بڑھا دیا اور رقم کا طالب ہوا ۔ مولانا نے رقم اس کے حوالے کی اور نقاب میری اہلیہ کے ، کئی دن کی ملاقات کے بعد مولانا آج پہلی بار مسکرائے ۔ اس دوران میں خاموش رہا اور مزہ لیتا رہا ۔ آج مجھے ایک ایرانی گائڈ کا قول یاد آیا ، کسی ٹورسٹ نے ایرانی گائڈ سے دریافت کیا تہران سستا ہے کہ مہنگا ؟ اس نے جواب دیا سستا بھی اور مہنگا بھی ۔ ٹورسٹ نے کہا یہ کیسے ؟ اس نے جواب دیا اگر آپ کو مول تول آتا ہے تو سستا ورنہ مہنگا ۔ اس واقعہ کا ہرگز یہ مطلب ہنیں کہ ایسا ہر جگہ ہوتا ہے ، بعض دکانیں ایسی بھی ہیں جہاں قیمت مقرر ہوتی ہے ۔ نہ کم اور نہ زیادہ ، چیزیں پسند کیجئے کاؤنٹر پر جائیے اور قیمت مقررہ ادا کیجئے اور تشریف لے جائیے ۔

میوہ فروش کا ذکر

اس چھوٹی موٹی خریداری کے بعد ہم ہوٹل پہونچے تو آٹھ بج چکے تھے ہم نے مولانا کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھایا ۔ اس کے بعد مولانا کو خدا حافظ کہنے باہر تک آئے ۔ باہر یکایک مجھے یاد آیا کہ پھل فروش کو پیسے دینا ہیں میں اس کے پاس اسی مقصد سے دو بار گیا لیکن اس نے کسی نہ کسی طریقے سے مجھے ٹال دیا ۔ میں نے مولانا کو بتایا کہ مجھے اس پھل فروش کو کچھ رقم ادا کرنی ہے ۔ دو بار کوشش کر چکا ہوں لیکن یہ بھلا مانس ٹال جاتا ہے چلئے میرے ساتھ تاکہ اس کی رقم دے دی جائے ۔ ہوٹل سے چند گز کے فاصلے پر ہی پھل

فروش تھا۔ مولانا میرے ہمراہ ہولئے، پھل فروش سے بات کی، پھر میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ یہ کہتا ہے کہ انہوں نے خریدا ہی کیا ہے، چند خوشے انگور کے لئے ہیں اس لئے ان سے کیا پیسہ لینا، اِمام رضاؑ کے مہمان ہیں، یہ انگور میری طرف سے، میں خاموش ہوگیا۔ پھر دکاندار کا شکریہ "خیلے ممنون" کہہ کر ادا کیا، بہرحال میرے سر کا بوجھ ہلکا ہوگیا، سوچنے لگا مہمان نوازی کا یہ بھی ایک انداز ہے، ایرانی بہرحال مہمان نوازی کے لئے مشہور ہیں۔ مولانا صاحب کو خدا حافظ کہہ کر ہم واپس ہوٹل آگئے اور کل نیشاپور جانے کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔

نیشاپور کے لئے روانگی

محمود عرفانی آقائے رانندہ سے طے ہو چکا تھا کہ وہ نو بجے ہوٹل آجائیں تاکہ بعدِ ناشتہ، برائے نیشاپور ہم روانہ ہوجائیں ۔ حسبِ دستور وہ ٹھیک وقت پر ہوٹل پہونچ گئے اور فون پر اپنے پہونچنے کی اطلاع دی، ہم تیار تھے، نکلنے والے ہی تھے کہ کراچی سے ہمارے فرزند سلمہ، کا فون آگیا ۔ سب لوگوں کی خیریت معلوم ہوئی دل کو سکون ہوا اپنی خیریت اور پروگرام سے ہادی سلمہ کو آگاہ کیا ۔ ہادی سلمہ، نے یہ بھی بتایا کہ مرکز، صوبہء پنجاب اور سندھ میں محترمہ بے نظیر کی حکومت تشکیل پارہی ہے اور صوبہء بلوچستان و سرحد میں جناب نواز شریف کی پارٹی حکومت بنا رہی ہے، بہرحال یہ تو سیاسی معاملات ہیں ہمیں ان سے کیا سروکار، ہماری تو دعا ہے کہ ملک میں امن و آشتی رہے تاکہ ہمارا ملک ترقی کرے اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو اور لوگ میل محبت سے رہیں ۔

ہم "آسانسور" یعنی خودکار زینے سے نیچے آئے، کمرے کی کنجی کاؤنٹر یعنی پذیرش پر چھوڑی، خدا حافظ کہا اور کار میں بیٹھ کر نیشاپور کی سمت روانہ ہو گئے ۔ نیشاپور مشہدِ مقدس سے ۱۳۷ (ایک سو سینتیس) کیلو میٹر پر واقع ہے یہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے، تیسری صدی ہجری میں شاہپور اول کے زمانے میں باقاعدہ آباد ہوا تھا ۔ بہت ہی خوبصورت شاد و آباد شہر تھا، ہلاکو اور اس کے بیٹے تولی کے دور میں بری طرح برباد ہوا، اس کے بعد زمانے کے بہت

سے نشیب و فراز دیکھے ۔ مشہد کے بعد زیارت گاہ اور ٹورزم (جہانگردی) کے لحاظ سے دوسرا اہم شہر ہے ،۳۱ ھ مطابق ۶۴۱ عیسوی میں جب ایران فتح ہوا تھا تو یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ۔ یہ ایک صنعتی شہر رہا ہے اور فیروزہ کی کان کی وجہ سے بہت مشہور ہے ، یہاں ایک نکتہ بیان کرتا چلوں ، شاید آپ کو دلچسپ اور معلوماتی لگے ، ایرانی لکھتے " نیشابور " ہیں لیکن بولتے " نیشاپور " ہیں ۔ اسی طرح " ک " اور " گ " کے لئے تحریر میں ان کے یہاں فرق نہیں ہوتا ، ہمیشہ " ک " لکھتے ہیں اور حسبِ ضرورت " ک " یا " گ " پڑھتے ہیں ۔

قدم گاہ حضرت امام رضا

یہ مقام نیشاپور سے ۳۵ (پینتیس) کیلو میٹر پہلے ، خیابانِ بزرگ سے ذرا پرے ہے ، اس کو قدم گاہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک براؤن (Brown) پتھر کے ٹکڑے پر قدم کے نشان ہیں اور یہ نشانِ قدمِ امامِ رضا سے منسوب ہیں ۔ یہ پتھر مسجد کی دیوار میں چنا ہوا ہے ، مسجد کے علاوہ ایک خوبصورت مینار بھی بنا ہوا ہے ، عکسِ بقعہء قدم گاہ زینتِ کتاب ہے ، یہ بلند و بالا گنبد و مینار جس پر کاشی کاری کا کام ہے ہشت پہل ہے اور شاہ سلیمان صفوی کے دورِ اقتدار میں بنایا گیا تھا ، دونوں مینار و مسجد قدرے بلندی پر ایک خوبصورت باغ میں واقع ہیں ، سیڑھیاں کافی اونچی ہیں جن پر چڑھنا ہم جیسوں کے لئے مشکل کام ہے ، میں تو جیسے تیسے چڑھ گیا اہلیہ کو نیچے ہی چھوڑ گیا

تھا تاکہ کچھ دیر آرام کر لیں ۔ میں نے ایک قدرتی چشمے کے ابلتے ہوئے پانی کے حوض سے وضو کیا اور نمازِ ظہر ادا کی اور قدمِ مبارک کی زیارت بھی ۔ میں نماز سے فارغ ہوا تو آقائے رانندہ عرفانی کو دیکھنے لگا تاکہ نیچے جائیں ، عرفانی تو نظر نہ آئے کہ وہ ابھی نماز میں مشغول تھے ، یکایک دیکھا کہ میری اہلیہ ہانپتی کانپتی پہونچ چکی ہیں ، میں نے پوچھا آپ کیسے آگئی ہیں ؟ میں تو آپ کو نیچے چھوڑ آیا تھا ۔ فرمانے لگیں آپ تو چلے آئے ، ایک ایرانی خانم نے پر جوش الفاظ میں مجھ سے کہا ، میں ان کی زبان تو نہ سمجھ سکی لیکن اس نتیجے تک پہونچی کہ گویا وہ کہہ رہی ہیں ہمت نہ ہارو ، اوپر جاؤ اللہ مدد کرے گا چنانچہ میں حسبِ خواہشِ دلی پہونچ گئی ۔ اگر جذبہ صادق ہو تو خداوندِ کریم کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے ۔ لاکھ لاکھ پروردگار کا شکر ہے کہ میں آپ کے سامنے ہوں ، میں نے کہا بے شک ہمتِ زناں (اصل محاورہ ہمتِ مرداں ہے) مددِ خدا ، میں نے کہا تو پھر دیر کس بات کی ہے حوضِ فوارہ پر وضو کریں اور نماز بھی ادا کر لیں ، ہمیں تو نماز قصر پڑھنی ہے ، چار کے بجائے دو رکعت ، اللہ تعالیٰ نے ہم کو کیا کیا سہولتیں دی ہیں اسی لئے تو کہتے ہیں کہ **دینِ اسلام آسان دین ہے اور فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے ۔**

تقریباً ایک گھنٹہ قدم گاہِ حضرتِ امامِ رضاؑ پر گذار کر ہم نیشاپور کے لئے کار سے روانہ ہوئے ۔ قدم گاہ ، مسجد اور میناروں کے علاوہ بھی یہ دیکھنے کی جگہ ہے ۔ خوبصورت باغ ، بہتا ہوا چشمہ چونکہ بلندی پر ہے ، اس کا پانی سائفن کے ذریعہ پورے علاقے میں پہونچایا جاتا ہے جس کی وجہ سے سارا علاقہ

سرسبز اور شاداب ہے ۔ مقامی لوگ تفریح کے لئے بھی آتے ہیں جیسے پکنک منا رہے ہوں ۔ میں نے دیکھا کہ چند اہلِ خاندان چھوٹی ٹکڑیوں میں بیٹھے کھانے پینے میں مشغول تھے ۔ ایسے مواقع پر اکثر مانگنے والے موجود ہوتے ہیں لیکن مجھے اب تک مانگنے والے کہیں دکھائی نہیں دیئے ۔ ہاں ایسے مقامات پر بڑے بڑے صندوق ضرور ہوتے ہیں جہاں آپ حسبِ توفیق رقم ڈال سکتے ہیں ۔

ہم چند منٹ میں نیشاپور پہونچ گئے ۔ وہاں ایک بس پہلے ہی کھڑی ہوئی تھی جس پر لکھا ہوا تھا " کاروانِ زیارتی و سیاحی " جس سے اندازہ ہوا کہ یہاں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں ۔ یہاں مختلف قومیتوں کے لوگ نظر آئے ہماری کار ایک وسیع و عریض خوبصورت باغ کے گیٹ پر رکی ۔ آقائے عرفانی نے فرمایا کہ آپ لوگ تشریف لے چلیں میں چند منٹ بعد شریک ہو جاؤں گا وہ ہمیں اتار کر کار کا انجن وغیرہ دیکھنے لگے ، چند منٹ بعد وہ ہم سے آملے ۔ ہم سب سے پہلے " کمال الملک " کے مقبرے پر پہونچے ، کمال الملک ایک بہت ہی مشہور مصور اور مجسمہ ساز گذرے ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا ہم نے ان کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور مقبرۂ عطار نیشاپوری کی طرف چل پڑے جو یہاں سے چند گز کے فاصلے پر ہے ، مقبرے پر لکھا ہوا تھا ۔ " آرام گاہِ عارف نامی شیخ عطار نیشاپوری " لوحِ مزار فرش سے تقریباً ڈیڑھ فٹ بلند ہے اور سنگِ سیاہ سے بنا ہوا ہے ، یہاں کا دستور ہے کہ لوگ مزار پر ہاتھ رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں ، ہمارے یہاں تو مزار پر کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر سورۂ فاتحہ پڑھتے اور

ثواب پہونچاتے ہیں، مقصد دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے، طریق کار مختلف ہے لیکن معترضین کو موقع ملتا ہے اور اسے غلط رنگ دے کر کہتے ہیں کہ لوگ قبر نشیں سے کچھ طلب کر رہے ہیں حالانکہ یہ باطل سوچ ہے اور ایسا ہرگز ہنیں ہوتا۔ بہرحال یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔

فکرِ　ہر　کس　بقدرِ　ہمت　اوست

عطار نیشاپوری

اب چونکہ عطار نیشاپوری کا ذکر چل نکلا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر حالاتِ زندگی اور کلام کا نمونہ نذرِ قارئین کیا جائے۔ نامِ نامی فرید الدین ابو حامد محمد بن ابوبکر بن اسحاق۔ بقول دولت شاہ سمرقندی سالِ ولادت ۵۳۷ھ اور بقول قاضی نوراللہ شوستری ۵۱۳ھ ہے۔ ولادت اطرافِ نیشاپور غالباً مقامِ شاد باغ میں ہوئی۔ آپ کے والدِ محترم علاقے کے بہت مشہور عطار تھے اور اچھا کاروبار تھا، والد کے انتقال کے بعد آپ نے بھی آبائی پیشہ اختیار کیا اور خوب ترقی دی، عطاری سے مراد دوا فروشی ہے ایران میں دوا فروشی کو دارو فروشی کہتے ہیں جبکہ برِصغیر پاک و ہند میں شراب فروشی کو کہتے ہیں، بسا اوقات مقام بدلنے سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں، اس کا تذکرہ میں نے اپنے سفرنامے "کوہِ قاف کے اس پار" میں کافی تفصیل سے کر دیا ہے،۔ بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہم پھر عطار نیشا پوری کی طرف رجوع ہوتے ہیں، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ عطاری میں آپ کس

کے شاگرد تھے کہاں سے یہ فن سیکھا، پہلی بات تو یہ کہ ان کا خاندانی پیشہ ٹھہرا دیگر شواہد سے پتا چلتا ہے کہ آپ حکیم مجد الدین بغدادی، سلطان محمد خوارزم کے ذاتی معالج کے شاگرد تھے، کاروبار خوب چلا کہ یکایک انقلاب آیا، انقلاب کے بارے میں جامی کی روایت ہے " عطار نیشاپوری ایک روز اپنے کام میں مشغول تھے کہ ایک درویش حاضر ہوا اور کئی بار اللہ، اللہ کہا، عطار نے توجہ نہ دی، پھر درویش گویا ہوا کہ اے خواجہ کس طرح مرنا چاہتے ہو ؟، عطار نے فوری جواب دیا جس طرح تم مرنا چاہتے ہو، درویش نے جواب دیا کہ تم اس طرح نہیں مر سکتے، عطار نے کہا یقیناً، درویش نے اپنا کاسۂ چوبی سر کے نیچے رکھا اور نعرہ لگایا " اللہ " اور اللہ کو پیارا ہو گیا - یہ انداز دیکھ کر عطار کی حالت بھی غیر ہوئی سارا سامان ادھر ادھر پھینکا اور حالتِ جنون میں باہر آگئے، بقول دولت شاہ سمر قندی، عطار اس واقعے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے اور اسی حال میں شیخ الشیوخ عارفِ بزرگ کامل رکن الدین عارف و محقق کے پاس پہونچے، توبہ کی اور ان کے حلقے میں شامل ہو گئے - عمر کا اچھا خاصا حصہ سفر میں جستجوئے حق میں بسر کیا، مکہ شریف سے ماوراالنہر تک مشائخ سے ملے، اور مجد الدین بغدادی سے بھی شرفِ نیاز حاصل کیا - شعر و شاعری گھٹی میں پڑی تھی مثنوی، غزل، قصیدہ اور رباعی تمام اصنافِ سخن میں خامہ فرسائی کی، سب ہی کچھ کہا اور بے انتہا کہا رسولِ اکرمؐ کی شان میں فرماتے ہیں :-

اے زمین و آسماں خاکِ درت
عرش و کرسی خوشہ چینِ جوہرت

از زبانم جز ثنائے تو مباد
نقدِ جانم جز وفائے تو مباد

ان نغماتِ دلپذیر کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ مجھے میر انیس کا ایک شعر یاد آرہا ہے آپ بھی سن لیجئے

طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھ دوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

غرض یہ کہ شیخ عطار نے اتنا کچھ کہا ہے کہ ان کی شاعری کا اس سفر نامے میں احاطہ کرنا ناممکن ہے ۔ مولانا جلال الدین رومی (بلخی) فرماتے ہیں کہ عطار نیشاپوری پیشوائے عشاق اور روح عشق ہیں اور سنائی مثل چشم ۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پی سنائی و عطار آمدیم

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

عبدالرحمن جامی جو نہ صرف خود شاعر بے مثل تھے بلکہ عظیم

المرتبت سخن شناس بھی ، عطار کے بارے میں فرماتے ہیں " آن قدر اسرار توحید و حقائق عرفان در مثنویات و غزلیات او مندرج است کہ سخنان ہیچ یک از ایں طائفہ نیست " ۔

ہم قبر عطار پر حاضر ہوئے ، فاتحہ پڑھی ، ہمہ اطراف پھولوں کی بارش دیکھی اور باہر آگئے ، حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ۔

قبل ازیں میں نے ایک بس کا ذکر کیا تھا جس کے اوپر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا " کاروان زیارتی و سیاحی " گویا کچھ لوگ وہاں محض سیاحت کے لئے آتے ہیں اور کچھ زیارت کی خاطر جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم سیاحتی بھی تھے اور زیارتی بھی ، اور پوری طرح بحمد اللہ فیضیاب ہو رہے تھے ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلام عطار سے کچھ اجزاء آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں تاکہ آپ بھی محظوظ ہو سکیں ، غزلیاتِ عطار سے چند نادر نمونے درج کئے جاتے ہیں ۔

عطار کی قبر کا ماحول ہم کو کئی سو سال پیچھے لے گیا اور اس دور کا ایک ہلکا سا خاکہ ہماری نظروں میں گردش کر رہا تھا اور ہم اس ماحول میں کھوئے کھوئے سے تھے کہ خنک ہوا کے جھونکے نے ہم کو چونکا دیا ، گھڑی پر نظر پڑی تو بارہ بجنے والے تھے ۔ ہم نے آقائے عرفانی کی طرف دیکھا انہوں نے فرمایا کہ گاڑی میں تشریف رکھیں ، دو تین منٹ میں عمر خیام کی قبر تک پہونچ جائیں گے ، دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن وقت کی کمی اور عمر خیام کی دلکشی وہاں کھینچ لے گئی ، ہم کار میں بیٹھے اور یہ ایک کیلو میٹر کا فاصلہ چشم زدن میں ہی طے

ہو گیا۔

قبل اس کے کہ ہم آپ کو عمر خیام کی دنیا میں لے چلیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرید الدین عطار کی اس دنیا سے رحلت کا مختصر حال لکھتے چلیں۔ قدیم اور معتبر ترین روایت ابن الفوطی کے مطابق عطار کی موت طبیعی نہ تھی بلکہ منگولوں کے قتل و غارت کے دوران عطار کی شہادت نیشاپور میں واقع ہوئی۔ چنگیز خان اور اس کے بیٹے تولی نے نیشاپور کو تاخت و تاراج اس طرح کیا کہ کتے بلی تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ اس ظلم و جور کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چنگیز خان کے داماد تغاجار گورگاں کو قتل کر دیا گیا تھا، واقعۂ شہادت عطار نیشاپور سے مردِ فقیر کی بشارت کہ " تم میری طرح ہنیں مرو گے " صحیح ثابت ہوتی ہے، گو عطار نیشاپوری ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن اپنے کلام کی وجہ سے آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اپنے کام، تحریروں اور کتابوں ہی سے زندہ رہتا ہے اور دنیاوی کروفر یہیں دھرا رہ جاتا ہے

سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

ناپائیداری عالم کے سلسلے میں مولائے کائنات حضرتِ علیؑ کے دو اشعار حاضر ہیں :

وفی قبض کف الطفل عند ولو دہ

پیدائش کے وقت بچے کی مٹھی بند رہتی ہے

دلیل علی الحرص المرکب فی الحی

اس بات پر دلیل ہے کہ حرص زندہ کیلئے لازمی شے ہے

وفی بسطها عند الممات مواعظ

اور مٹھی کا موت کے وقت کھلا رہنا یہ سبق دیتا ہے کہ

الا فانظرونی قد خرجت بلاشیء

آگاہ ہو جاؤ اور مجھ کو دیکھو کہ خالی ہاتھ جارہا ہوں

کلام عطار نیشاپوری

عطارِ نیشاپور کے چند اشعار نذرِ قارئین ہیں جس سے ان کی قادر الکلامی

اور روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔

کس نداند مردِ عاشق را و لیک
هر گروهی را گمانی دیگر است

نیست عاشق را بیک موضع قرار
هر زمانی در مکانی دیگر است

جوهر عطار در سودای عشق
گوی آن از بحر و کانِ دیگر است

○○○

اگر تو عاشقی معشوق دور است
وگر تو طالبی مطلوب حور است

دلِ زاهد همیشه در خیالست
دلِ عاشق همیشه در حضورست

نصیبِ زاهدان اظهارِ راهست
نصیبِ عاشقاں دایم حضورست

در رہِ عشاق نام و ننگ نیست
عاشقاں را آشتی و جنگ نیست

ساقیا خونِ جگر در جام ریز
تا شود پر خون دلی کز سنگ نیست

○○○

حدیثِ فقر در دفتر نگنجد
حسابِ عشق در محشر نگنجد

دریں رہ پاک دامن بایدت بود
کہ ایں جا دامنِ تر در نگنجد

○○○

اسرار تو در زباں نگنجد
و اوصافِ تو در بیاں نگنجد

اسرارِ صفاتِ جوہر عشق
دائم کہ دریں زباں نگنجد

○○○○○

از پسِ پردۂ دل دوش بدیدم رخ یار
شدم از دست و برفت از دلِ من صبر و قرار

گفتم ، این جاں بلب آمد زِ فراقت ، گفتا
چوں تو در ہر طرفی ہست مراکشتہ ہزار

گفتم ، ای جاں ، شدم از نرگسِ مستِ تو خراب
گفت ، در شہر کسی نیست زِ دستم ہوشیار

○○○

زعشقت سوختم اے جاں ، کجایی
بماندم بی سروساماں ، کجائی

چوں شوقِ آفتابِ طلعتِ تو
شدم چوں ذرہ سر گرداں ، کجائی

چناں شد در غمت عطار بیدل
کہ شد بروی، جہاں زنداں ، کجائی

○○○

چہ رخسارہ کہ از بدرِ منیر ست
لبش شکر فروشِ جوی شیر ست

خطا گفتم مگر مشکِ ختا ست او
کہ در پیرامن بدرِ منیر ست

مکن ای شمع خوباں ناز چندیں
کہ شمع حسنِ خوباں زود میر ست

لافِ خود کم زن ، کہ اندر قلبِ لشکر ھای عشق
رایتِ ناموس و طول و عرض و دار و گیر نیست

این سخن منکر نماید ہر خسی تر دامنی
عاشقاں را مقتدا و قبلہ و تکبیر نیست

عمر خیام کا ذکر

عمر خیام کی قبر ہم کو دور ہی سے نظر آئی جو ایک خوبصورت باغ میں واقع ہے جہاں پھولوں اور پتیوں کی بارش ہوتی رہتی ہے ۔ ہم ذرا آگے بڑھے تو ایک حوض کے کنارے عمر خیام کا نیم جسم کا ایک مجسمہ نظر آیا جس نے سب سے پہلے ہم کو متوجہ کیا، یہ مجسمہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے ۔ اس مجسمے سے ذرا آگے ایک نہایت خوبصورت عمارت میں عمر خیام کی دائمی آرام گاہ ہے ۔ مقبرے کی موجودہ عمارت ۱۳۴۱ھ میں "انجمن آثارِ ملی" نے بنوائی ہے یہاں ہمارے رانندہ نے ہمارا گروپ فوٹو لیا اور ہم عمر خیام کی آخری آرام گاہ کے قریب گروپ فوٹو کھنچوا کر بہت خوش ہوئے حوض اور عمر خیام کے نیم تنہ مجسمے سے چل کر اصل مقبرے میں داخل ہوئے ۔

جیسا کہ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں کہ یہاں کا دستور ہے کہ قبر کی لوح پر ہاتھ رکھ کر سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں چنانچہ ہم نے بھی فاتحہ پڑھی اور دعائے خیر کی ، خداوند کریم مرحوم کو غریقِ رحمت کرے آمین ۔ دنیا تو عموماً عمر خیام کو ایک شاعر کی حیثیت سے جانتی پہچانتی ہے حالانکہ وہ ایک بہت بڑے ریاضی داں ہونے کے علاوہ مختلف علوم کے ماہر تھے ، دنیا کے کسی ملک میں چلے جائیے آپ کو عمر خیام کے نام موسوم رستوران (Restaurant) یا کوئی اور بڑی عمارت ملے گی ۔ گویا عمر خیام مشرق کی پہچان ہے ۔ عمر خیام کی چند رباعیات پیشِ خدمت ہیں :-

کلامِ حکیم عمر خیام

اے دل مے و معشوق مکن در باقی
سالوس رہا کن و مکن زراقی
گر پیروِ احمدی خوری جام شراب
زاں حوض کہ مرتضاش باشد ساقی

(شراب و معشوق ترک نہ کر بلکہ مکر و فریب اور دھوکے بازی سے توبہ کر لے، اگر سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہے تو حوضِ کوثر سے جس کے ساقی حضرت علی مرتضیٰ ہیں جامِ شراب پیئے گا۔)

خواہی کہ پسندیدۂ انام شوی
مقبولِ قبول خاصہ و عام شوی
اندر پے مومن و جہود و ترسا
بد گوی مباش تا نکو نام شوی

(اگر تو چاہتا ہے کہ مقبولِ خاص و عام ہو تو پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کر خواہ مومن ہو، یہودی ہو یا آتش پرست۔)

مائیم بطفِ حق تولا کردہ
وز طاعت و معصیت تبرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد
ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

(اے اللہ تیری مہربانی پر پورا پورا بھروسہ ہے اسی لئے عبادت اور گناہ دونوں سے بیزار ہیں اگر تو مہربان ہے تو کیا ہوا نہ کرنے کے برابر اور نہ کیا ہوا کرنے کے برابر ہو جاتا ہے ۔)

گر اسپ براق انست وگر فیروزہ
مغرور مشو بدولتِ دہ روزہ
از قہر فلک ہیچ کسے جان نبرد
امروز سبو بشکست و فردا کوزہ

(اگر تیرے پاس لعل و گہر ہوں گھوڑے اور ساز و سامان ہو پھر بھی چند روزہ زندگی پر غرور نہ کر کیونکہ آج کوزہ ٹوٹ سکتا ہے تو کل سبو ۔)

آنم کہ پدید گفتم از قدرتِ تو
پروردہ شدم بہ ناز و نعمتِ تو
صد سال بہ امتحان گنہ خواہم
تا جرم من است بیش یا رحمتِ تو

اسی خیال کی ترجمانی کسی اردو شاعر نے یوں کی ہے

مرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
مرے کریم بتادے حساب کرکے مجھے

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا

○○

بد خواہِ کسان ہیچ بمقصد نہ رسد
یک بد نہ کند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم تو خواہی بدمن
تو نیک نہ بینی و بمن بد نرسد

(دوسروں کی برائی چاہنے والا کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچتا، وہ ایک برائی کرتا ہے تو اس پر سو برائیاں نازل ہوتی ہیں، یہ سمجھ لے کہ تو کبھی اچھائی نہیں دیکھے گا اور نہ میں برائی دیکھوں گا۔) کہتے ہیں چاہ کن را چاہ درپیش۔

مے خوردن من نہ از برائے طرب است
نہ بہر فساد و ترکِ دین و ادب است
خواہم کہ بہ بیخودی برآرم نفسے
مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

(میرا شراب پینا نہ عیش پرستی ہے اور نہ دین و ادب سے دوری، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بیخودی میں گذرتی چلی جائے۔)

مرزا غالب نے اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

OO

با دشمن و دوست فعل نیکو نیکوست
بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو
با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(دوست و دشمن سب کے ساتھ نیکی کرو جس کی عادت نیکی کرنا ہے وہ بدی کب کرے گا، اگر تم دشمن کے ساتھ نیکی کروگے تو وہ دوست بن جائے گا اور اگر دوست کے ساتھ بدی کروگے تو وہ دشمن ہو جائے گا۔)

کتابوں کی خریداری

خیام کی قبر کے باہر بڑے پھاٹک پر ایک شخص کتابیں فروخت کر رہا تھا ۔ کتابیں جمع کرنا میری کمزوری ہے ، چنانچہ کتابیں دیکھنے لگا ۔ کتابیں تو بہت سی پسند آئیں لیکن سفر ہوائی تھا لہذا وزن کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ کتابیں نہ خرید سکا پھر بھی چلتے چلتے دو عدد کتابیں خرید ہی لیں ۔ پہلی کتاب رباعیاتِ عمر خیام با ترجمہ زبانہائے عربی ، اردو ، انگلش ، فرانسیسی ، المانی ۔ دوسری کتاب دیوانِ عطار نیشاپوری ، وزن کم ہو یا زیادہ ایسی کتابیں روز روز کہاں دستیاب ہوتی ہیں ۔ اہلیہ دیکھتی رہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن نظر بچا گیا ۔ آقائے رانندہ سے کہا کہ قیمت ادا کر دیں اور کتابیں کار میں رکھ لیں ، وقتِ ضرورت کے لئے میں نے کچھ رقم آقائے رانندہ کے پاس رکھوا دی تھی ، میں نے خود چند چھوٹے چھوٹے رسائل اور خریدے اور اسی باغ کے دوسرے حصے کی طرف روانہ ہوگئے ، جہاں بقعۂ امام زادہ محروق واقع ہے ۔

امام زادہ محروق

شجرۂ نسب یوں ہے ، محمد بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ۔ ۲۰۰ ھ عہدِ مامون عباسی میں اس کے گماشتوں نے آپ کو شہید کر دیا ، ظلم یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ ظالموں نے آپ کے جسدِ مبارک کو نذرِ آتش بھی کیا ، اسی وجہ سے آپ کو محمد محروق کہتے ہیں ۔ جیسا کہ پہلے ذکر

ہو چکا ہے بقعۂ امام زادہ محروق ہنایت ہی خوبصورت عمارت ہے اور اسی
باغ میں واقع ہے ، یہ عمارت یعنی آرام گاہِ امام زادہ محروق دسویں صدی
ہجری میں بنائی گئی تھی ، مگر اب بھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی بنائی گئی
ہو ، ہم نے اس کی زیارت کی اور فاتحہ خوانی بھی ۔ ہم سوچتے رہے اور سوچتے
رہے کہ جس کی زمانے نے قدر ہنیں کی اور جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے
رہے ، آج ان کے روضے کی زیارت کے لئے اکنافِ عالم سے لوگ جوق در
جوق چلے آتے ہیں ، اور جنھوں نے ظلم و ستم ڈھائے ان کا کوئی پرسانِ حال
ہنیں ، مشہور ہے کہ امام زادہ ابراہیم کی بھی قبر اسی روضے میں ہے ۔

نیشا پور میں نہار

ان زیارتوں سے فارغ ہوئے تو ڈیڑھ بج چکا تھا ۔ کھانے کی فکر ہوئی ،
اپنی کم ، آقائے رانندہ کی زیادہ کہ وہ ابھی جوان رعنا ہیں ، اور ہمارے ساتھ
ہمہ وقت رہے ، معلوم ہوا کہ اسی احاطے کے اندر ایک رستوران
(Restaurant) ہے ، چنانچہ ہم اسی سمت چل دیئے ، راستے میں دیکھا کہ
ایک بچہ روٹی قسم کی کوئی شے لئے جارہا ہے ۔ کسی زمانے میں اسی طرح کی
دہلی میں گول گول پتلی پتلی اور بڑی روٹیاں بکا کرتی تھیں ، میں نے آقائے
عرفانی سے دریافت کیا ؟ آغا این چیست ؟ انہوں نے جواب دیا " این نون
است " ذہن پر بہت زور دیا کچھ پلے نہ پڑا ۔ کھانے کی میز پر اسی " نون " کے
ٹکڑے آئے تو میں نے پھر استفسار کیا کہ آغا این چیست ؟ انہوں نے پھر وہی

جواب دیا " این نون است " میں نے کاغذ قلم اس کی طرف بڑھایا اور فرمائش کی کہ " لکھو " انہوں نے لکھا " نان " میں بول اٹھا آغا یہ نان ہے ۔ کہنے لگے کہ ہم لکھتے نان ہیں اور بولتے نون ہیں ۔ کھانے کے ساتھ دہی قسم کی ایک چیز آئی میں نے پھر پوچھا این چیست ؟ بولے ایں ماس است ، میں نے پھر گزارش کی کہ لکھو فوراً " لکھا ماست " گویا لکھنا کچھ اور بولنا کچھ عام دستور ہے ۔ یہیں تک بس نہیں پورے پورے جملے لکھتے کچھ ہیں بولتے اور پڑھتے کچھ ہیں ۔ مثلاً لکھتے ہیں می نشینیم بولتے می شینیم ، می روند میرند ، او بخانہ آمد اون اومد خونہ وغیرہ ۔ بہرحال زبان ان کی ہے جو چاہیں لکھیں اور جو چاہیں بولیں ۔ یہاں ہم جیسے پردیسی کو کچھ نہ کچھ دقت تو ہوتی ہی ہے ، دیگر زبانوں کا بھی کچھ یہی حال ہے ۔

ایرانیوں کی خوش خوراکی

اہل ایران کی خوش خلقی ، خوش قامتی ، خوش گفتاری کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ، اب ان کی کچھ خوش خوراکی کا بھی ذکر ہو جائے ۔ ایران کا دستور ہے کہ آقائے رانندہ بھی ساتھ کھانے میں شریک ہوتے ہیں ، چنانچہ ہم نے تین کھانوں کا آرڈر دیا ۔ ایک کھانا تو آقائے رانندہ نے تناول فرمایا دوسرا ہم دونوں نے مشکل سے ختم کیا ، تیسرا کھانا اور کچھ روٹیاں ہم نے پیک کروا لیں اور آقائے رانندہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور عرض کیا کہ یہ آپ کی خانم کے لئے ہماری جانب سے ہے ، آقائے رانندہ کی اہلیہ جو ابھی نئی نویلی دولھن

ہیں ہم نے ان سے اصرار کے ساتھ کہا یہ ان کے لئے قبول کیجئے وہ بہت خوش ہوئے اور " خیلے ممنوں " فرمایا، ایک بار کے بجائے دو بار، ہم نے بھی تشکر کہا ۔ وہاں کی روٹیاں بھی عجیب ہوتی ہیں، ایک تو وہی جس کا ابھی ذکر ہوا، دوسری تنوری، افغانی روٹیوں جیسی ہوتی ہیں، اندازاً تین ساڑھے تین فیٹ لمبی اور کم و بیش چھ انچ چوڑی ہر جگہ اور تقریباً ہر اسٹور پر جہاں خوردنی اشیاء فروخت ہوتی ہیں بہت فراوانی سے ملتی ہیں، کچھ لوگ گھوم پھر کر بھی فروخت کرتے ہیں ۔ ایرانی ہمیشہ باسی اور ٹھنڈی روٹی کھاتے ہیں جو ہم کو بالکل نہیں بھاتیں لیکن ان کا ڈھنگ ہے، ہماری گرم گرم روٹیاں ان کو پسند نہیں، وہ کہتے ہیں آپ کا منہ ہے کہ تندور، یعنی تنور کی نکلی ہوئی گرم گرم بھاپ نکلتی ہوئی روٹیاں کھا لیتے ہیں یہ ہماری پسند اور وہ ان کی ۔ اگست ۱۹۹۴ء کے سفر میں انکشاف ہوا کہ وہاں نان کی ایک اور قسم ہوتی ہے جسے نان سنگ کہتے ہیں ۔ یہ نسبتاً لذیذ ہوتی ہے اور گرم پتھروں پر پکائی جاتی ہے، افغانستان اور ہمارے بعض قبائلی علاقوں میں بھی اس کا رواج ہے ۔

نیشا پور سے واپسی

دیکھنے کو تو یہاں اور بھی بہت سی چیزیں تھیں لیکن وقت کی کمی ہمارے آڑے آئی اور ہم کو واپس ہونا پڑا ۔ آقائے رانندہ کا ایک جملہ جو وہ کسی وقت بے خیالی میں کہہ گئے تھے کہ ان کی خانم شام پانچ بجے دینی مدرسے جاتی ہیں ہم کو یاد رہا اور اسی لئے میں نے کوشش کی کہ پانچ بجے سے پہلے ہم

ہوٹل پہونچ جائیں ۔ واپسی میں سڑک کے کنارے جگہ جگہ سیب فروخت ہو رہے تھے ، ہم ایک جگہ رک گئے ، میں نے فروشندہ سے سوال کیا " این چند " یعنی یہ سیب کا تھیلا کتنے کا ہے ؟ اس بھلے مانس نے قیمت اتنی کم بتائی (میرے خیال میں) کہ میں مول تول کی ساری چوکڑی بھول گیا اور دو تھیلے سیب کے (سیبِ درختی) خرید لئے اور گاڑی میں رکھوائے (سیبِ زمینی یہاں آلو کو کہتے ہیں)۔ آقائے راننده نے میری طرف دیکھا بھی لیکن میں اس کی نظر کو نظر انداز کر گیا ۔ ہوٹل پہونچ کر میں نے آقائے عرفانی یعنی راننده سے عرض کیا کہ ایک ٹوکرہ آپ کے لئے ہے اور ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہا کہ دوسرا ٹوکرہ وہ کل یعنی فردا پی آئی اے (P.I.A) کے دفتر پہونچا دیں ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میرے شکریے کے مستحق ہوئے ۔

ایران کے توالت (Toilet)

یہاں ازبکستان کے برخلاف حالات ہیں ، ٹوائلٹ کو توالت نام دے دیا گیا ہے جو ہنایت مناسب بدل ہے اور ایرانیوں کی خوبصورت اختراع ہے ۔ ہر جگہ طہارت کا معقول انتظام ہے ، آپ کہیں بھی چلے جائیں خیابان بزرگ کے ساتھ پٹرول پمپ ہوں ، کوئی بازار ہو یا زیارت گاہ ، ہر توالت میں اسلامی طرز کا شاور (Islamic Shower) ہوتا ہے ۔ لوٹے بالکل ہنیں ہوتے طہارت کے لئے شاور (Shower) کا استعمال ہوتا ہے ۔ ایرانی طہارت کا بے حد خیال رکھتے ہیں ، ازبکستان میں طہارت کا کہیں بھی انتظام

نہیں ہوتا ان کے توالت نہایت ہی بدبو دار ہوتے ہیں جیسا کہ میں "کوہِ قاف کے اِس پار" میں لکھ چکا ہوں کیونکہ ایرانی بخوبی جانتے ہیں کہ طہارت و پاکیزگی نصفِ ایمان ہے ۔ نماز اور وضو کا بھی ہر جگہ مناسب انتظام ہے ۔ ایرانی نماز میں وقت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں ، یہاں ریل گاڑیاں یعنی ترن (ریلوے لائن کو راہِ آہن کہتے ہیں) رک جاتی ہیں اور بعدِ نماز روانہ ہوتی ہیں ، دور دراز کی بسوں کا بھی یہی حال ہے کہ جہاں نماز کا وقت ہوا اور وہ رک جاتی ہیں تاکہ لوگ وقت سے نماز ادا کر لیں ۔ خورد و نوش ، نماز اور رفع حاجت کے لئے بسیں بھی مناسب جگہوں پر ٹھہر جاتی ہیں ، گویا تمام انتظامات ایک اسلامی ملک کے شایانِ شان ہیں ۔

ایران اور موسیقی

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں پانچ بجے سے پہلے ہی ہم ہوٹل پہونچ گئے ، کافی تھک چکے تھے لہذا ہوٹل کے نیچے ہال ہی میں چائے پینا طے پایا۔ ہم ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئے ، نظر گھمائی تو ایک سمت ٹیلیویژن پر پروگرام آرہا تھا ۔ سوچنے لگے کہ کچھ دیر ایرانی ٹیلی ویژن دیکھ لیا جائے ، چائے کا آرڈر دیا اور چائے کا انتظار کرنے لگے ۔ چائے آگئی تو ہم نے اسے ایسی خالی میز پر پہونچانے کے ئے عندیہ ظاہر کیا جہاں سے ٹیلیویژن آسانی سے دیکھا جاسکے ، ہماری جلد ہی ایک ایسی میز کی جانب رہنمائی کی گئی ۔ ٹیلیویژن پر دینی پروگرام پیش کیا جارہا تھا اندازہ ہوا کہ اب یہ اختتام کے قریب ہے ، بعد ازاں دوسرے پروگرام کا اعلان ہوا تو پتا چلا کہ یہ ایک قسم کا ڈراما ہے ۔ ہمارے شوق میں اضافہ ہوا اور پاکستان ٹیلیویژن کے ڈرامے ذہن میں یکے بعد دیگرے گردش کرنے لگے ۔ پاکستانی ڈراموں کی بہت شہرت ہے ، یہاں تک کہ بھارت والے جہاں کی فلم انڈسٹری ہم سے بہت آگے ہے ہمارے ڈرامے بہت شوق سے دیکھتے ہیں اور ان کی خوبیوں کے معترف ہیں ۔ ایرانی ٹیلیویژن دیکھنے کا اصل مقصد یہ جاننا تھا کہ ایرانی موسیقی کی اب صورتِ حال کیسی ہے انقلاب سے قبل تو ایرانی موسیقی کی بہت دھوم تھی لوگ جھوم جھوم جاتے تھے ۔ ہمیں صحیح اندازہ تو نہ ہوسکا کہ اصل موضوع کیا ہے لیکن موسیقی ، جہاں تک ہم سمجھ سکے ، ذکر کئے دیتے ہیں ۔ موسیقار خوش

قامت بھی تھا اور خوش آواز بھی، چہرے مہرے سے شائستگی جھلک رہی تھی محض موسیقی پیش کر رہا تھا رقص نہیں، ہم محظوظ بھی ہوئے اور خوش بھی۔ خوش اس لئے کہ اب ایران میں علمائے کرام کا دور دورہ ہے تو موسیقی کی اجازت کیسے ملی، میں اس نتیجے پر پہونچا کہ علمائے ایران خوش الحانی کو تو پسند کرتے ہیں لیکن "غنا" کو نہیں، خوش الحانی تو ایسی لطیف شے ہے کہ ہر کس و ناکس پسند کرتا ہے یہاں تک کہ معصوم بچے بھی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ علی الصباح چڑیاں چہچہا کر حمدِ باریٔ تعالیٰ کرتی ہیں، خوش الحان مؤذن اذانِ فجر سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے مؤذن کی خوش الحانی پر مجھے میر انیس کا یہ شعر یاد آگیا

شعبے صدا میں، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

کوئل کی کوک اور بلبل کا چہکنا، سب کو پسند ہے لیکن کوے کی کائیں کائیں یا مقرر کا کرخت لہجہ کوئی پسند نہیں کرتا۔ اصل چیز خوش الحانی ہے اور یہی روح موسیقی ہے بشرطیکہ سامع عالی ظرف ہو سافل جذبات سے عاری ہو اور روحانی غذا کا طالب ہو۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور فطرت کے تقاضے سے کون انکار کر سکتا ہے البتہ "غنا" سے اجتناب برتنا چاہیئے۔ موسیقی "غنا" کی حدود میں اس وقت داخل ہوتی ہے جب کہ انسان اسے سن کر مدہوش ہونے لگے، یا کھو جائے، اگر تھکا ماندہ ذہن ہلکی پھلکی موسیقی سن کر کچھ سکون حاصل کر لے تو میں نہیں سمجھتا کہ ایسی موسیقی کو "غنا" کہہ سکتے ہیں۔ علاوہ

ازیں ایسی موسیقی جو میدانِ جنگ میں جوش اور ولولہ پیدا کرے ، خون گرمائے اور دشمن پر چڑھ دوڑنے کا جذبہ پیدا کرے اور دشمن کو زیر کرنے میں مددگار ہو ، آپ اسے کیسے غیر انسانی اور غیر اسلامی کہہ سکتے ہیں ۔ قومی ترانہ کیا ہے ؟ جنگی ترانے کیا ہیں ؟ کیا یہ موسیقی سے عاری ہیں ؟ کیا ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارے شاعروں نے اور موسیقاروں نے اپنا پورا پورا کردار ادا نہیں کیا تھا ؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایران میں دیگر فنون کی طرح ایرانی موسیقی میں بھی انقلاب آیا ہے ۔ " غنائیت " ختم کرکے جوش و جذبہ پیدا کرنا اس کا کام رہ گیا ہے ، قومی ترانہ ہو یا طبلِ جنگ ہر جگہ جوش و جذبہ کارفرما ہے ۔ ان حالات میں ایرانی ٹیلیویژن سے موسیقی کا پیش کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ۔ ہمارے پاکستان میں تو کچھ علماء سرے سے موسیقی کے ہی خلاف ہیں بہرحال اپنی اپنی سوچ ہے ۔ کچھ دیر یہاں قیام کے بعد ہم اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے اور قدرے آرام کے بعد حرم کے لئے روانہ ہوگئے صبح و شام وہاں حاضری دینا ہمارا روز کا معمول تھا اور اسی غرض سے یہ سفر اختیار کیا تھا ۔

سفرِ طوس

ہم نے آقائے راندہ عرفانی کو بتادیا تھا کہ کل صبح بعد صبحانہ طوس کا عزم ہے چنانچہ وہ ٹھیک ۹ بجے ہوٹل آگئے ۔ ہم نیچے (ہم کف) میں بیٹھے ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ وہ خراماں خراماں ہمارے پاس آگئے اور السلام علیکم کہا اور ساتھ ہی خیریت دریافت کی " حال شما چہ طور است " ہم نے سلام کا

جواب دیا اور ایرانی لہجہ اپناتے ہوئے عرض کیا الحمدللہ خوب ہستیم اور دوبارہ کہا از مرحمتِ شما خوب ہستیم ، وہ خوش ہوگئے ۔ خیلے ممنون دو بار کہا اور ساتھ ہی فرمایا " رحمتِ خدا بہ شما باشید " انکے ساتھ ہم باہر آئے اور کار میں بیٹھ گئے قبل اس کے کہ آپ ہمارے ساتھ طوس کی سیر کریں یہ کہنا چاہتے ہیں بلکہ یہ بہت پہلے ہی عرض کر دینا چاہیئے تھا بقول شخصے " کبھی ہنیں سے تاخیر بہتر ہے " (Better late than never) ۔ ابتدا ہی میں ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ ایران میں ہوٹل والے قیام کے حساب سے ایڈوانس لے لیتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ ایسا ہنیں ہوا ، نہ تو تہران میں اور نہ مشہد میں چنانچہ ہم بھی سخی بن گئے ۔ کھانے کا آرڈر دیتے تو زبانی ، نہ کبھی " صورتِ غذا " یعنی مینو (Meno) دیکھا اور نہ صورتِ حساب یعنی بل (Bill) یہاں تک کہ اخبار وغیرہ جو چیز باہر سے منگاتے نقد رقم ادا نہ کرتے ، سارا حساب روانگی کے وقت بیباق کر دیا ، اس میں مجھے کسی قسم کی الجھن نہ ہوئی اور نہ کبھی خیال گذرا کہ رقم زیادہ طلب کی گئی ہے ۔ پاکستان برابر ٹیلیفون بھی کرتے رہے ۔ مجھے ادائیگی زیادہ ہنیں لگی ، لوگ کہتے ہیں کہ حساب روز کر لینا چاہیئے اور ادائیگی بھی لیکن میں نہ سمجھ سکا کہ آخر ایسا کیوں ؟

قبر فردوسی پر حاضری

اب ہم آپ کو اپنے ساتھ طوس لئے چلتے ہیں یعنی فردوسی کا طوس جس نے کئی سو سال قبل فرمادیا تھا :-

نمیرم از ایں پس کہ من زندہ ام
کہ تخم سخن را پراگندہ ام

حکیم ابوالقاسم فردوسی ۳۲۳ ھ یا ۳۲۹ ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۱ ھ یا ۴۱٦ ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے ۔ شاہ نامہ جو " شاہنامۂ فردوسی " کے نام سے مشہور ہے تقریباً ۳۵ (پینتیس) سال میں مکمل کیا ۔ اسی شاہنامے کی وجہ سے دنیا فردوسی کو جانتی اور پہچانتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے علاوہ بھی فردوسی کا کلام پرمغز اشعار پر مشتمل ہے اور اہلِ قلم اس کا اقتباس پیش کرتے ہیں ۔ فردوسی کا مقبرہ مشہد سے تقریباً چوبیس کیلو میٹر شمال مغرب میں طوس میں واقع ہے ۔ یہ مقبرہ ایک نہایت ہی خوبصورت باغ میں واقع ہے ، نیا مقبرہ ۱۳۴۷ ھ میں تعمیر ہوا تھا ۔ اس باغ کے مغرب میں ایک میوزیم ہے جہاں مختلف قسم کی اشیاء رکھی ہوئی ہیں ، اس میں سب سے اہم شے شاہنامے کا ایک قلمی نسخہ ہے جس کا وزن ۷۳ (تہتر) کیلوگرام ہے ۔ فردوسی کی اصل قبر تہہ خانے میں تقریباً تیس / پینتیس فٹ نیچے ہے ، وہاں پہونچنے پر نظریں خیرہ ہوجاتی ہیں چاروں طرف شاہنامے کے اشعار اور تصاویر کندہ ہیں جو جنگ کا ماحول پیدا کرتی ہیں ۔ رستم و سہراب کی جنگ کا نقشہ کندہ ہے ، جنگ رستم با پیل تنِ مازندران وغیرہ وغیرہ ۔ ہم نے بھی وہاں فوٹو کھینچوایا ۔ قبر کی لوح (تختی کا بالائی حصہ) کالے پتھر کی ہے جس کے اوپر آیاتِ قرآنی خوبصورتی سے کندہ ہیں ، لوح کو ایک فریم سے جڑ دیا گیا ہے ، جس کے اوپر شیشہ لگا ہوا ہے تاکہ لوگ پڑھ سکیں لیکن آیاتِ قرآنی کی بے

حرمتی نہ ہو ۔ بچے ذوق و شوق سے بوسہ دے رہے تھے ۔ ہم بڑی مشکل سے اس جگہ کا عکس کھینچ سکے ۔ بعد ازاں جہاں رستم و سہراب کی جنگ کندہ کی گئی تھی ، ہم نے دوبار فوٹو کھینچوایا تاکہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے ۔ (تصاویر کا کچھ حصہ اور فردوسی کا فوٹو نذرِ قارئین ہے ۔) اس باغ کو دیکھ کر جہاں فردوسی کا مقبرہ ہے ایرانی ذوقِ جمال سامنے آتا ہے ۔ خوبصورت عمارتیں ہیں ، نہریں ہیں ، فوارے ہیں ، باغات ہیں ، پیدل چلنے کیلئے پختہ راستے ہیں ، گویا فردوسِ مشرق کا ایک نمونہ ہے ۔ میوزیم میں یوں تو بہت سی اشیاء ہیں ، ایک سے ایک نایاب ، جنھیں دیکھ کر آدمی بے خود ہو جاتا ہے شاہنامے کے قلمی نسخے کے علاوہ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ایک قدیم قالین ہے جس میں یہ شعر بنا ہوا (بافت) ہے

توانا بود ہر کہ دانا بود
زِ دانش دلِ پیر برنا بود

تقریباً تیس سال قبل میرے ایک ایرانی کاروباری دوست (Business Friend) نے مجھے ایک قیمتی ریشم کا قالین جو ساڑھے پانچ فٹ لمبا اور ساڑھے تین فٹ چوڑا ہے تحفے میں دیا تھا اس پر حسبِ ذیل اشعار منقش ہیں اور جو میرے گھر کی زینت ہے فرق اتنا ضرور ہے کہ میرا قالین تیس / پینتیس سال پرانا ہے اور میوزیم والا قالین کئی سو سال پرانا ۔ ایرانی قالین کے لئے مشہور ہے کہ جتنا پرانا اتنا ہی گراں ، اولڈ از گولڈ والی انگریزی کہاوت اس پر پوری اترتی ہے ۔ اردو میں کہتے ہیں " نیا نو سال پرانا سو سال "

میرے قالین پر حسبِ ذیل اشعار منقش ہیں ۔

بنی آدمؑ اعضائے یک دگرند
کہ در آفرینش ز یک گوہرند
چو بہ درد عضوی آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

ذکرِ فردوسی ابھی جاری ہے اس لئے اب میں پندنامۂ فردوسی سے چند اقتباسات پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا :-

چو دانا ترا دشمنِ جاں بود
بہ از دوست مردے کہ ناداں بود

○○

چو با مرد دانات باشد نشست
زبردست گردد بسی زیردست

○○

اگر نرم گوید زبانِ کسے
درشتی بہ گوشش نیاید لبے

○○

بدان بر زبان است مردم بہ رنج
چو رنجش نخواہی سخن را بسنج

○○

ز ناداں بنالد دلِ سنگ و کوہ
ازیرا ندارد بر کس شکوہ

○○

نداند زِ آغاز انجام را
نہ از ننگ داند ہمی نام را

مشہد مقدس کی دیگر زیارت گاہوں پر حاضری

مولانا محمد عبداللہ جوہری سے طے پایا تھا کہ کل (فردا) ان کے ساتھ زیارتوں پر جائیں گے چنانچہ جمعرات ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو مولانا جوہری ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل تشریف لائے۔ ساتھ ہی آقائے رانندہ عرفانی نے بھی اپنی آمد کی خبر دی، ہم تیار بیٹھے تھے فوراً روانہ ہو گئے۔ پہلے ہم بینک کی طرف گئے اور ڈالر عوض کرائے۔ آج ڈالر کے ۱۶۲ (ایک سو باسٹھ) تومان یا ۱۶۲۰ (ایک ہزار چھ سو بیس) ریال ملے جو سرکاری نرخ سے چار تومان زیادہ تھے۔ بینک کے ساتھ ہی کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی، ہم اس میں گھس گئے۔ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ دکان خریداروں سے بھری پڑی ہے، لوگ نہ صرف کتابیں دیکھ رہے ہیں بلکہ خرید بھی رہے ہیں، مجھے کچھ کتابوں کی تلاش تھی اور میری تمام تر توجہ "راہ نمائے تہران" پر تھی جو ہاتھ نہ آسکی بہر حال مولانا صاحب کو کچھ کتابوں کی ضرورت تھی جو مل گئیں۔ ہم گاڑی میں بیٹھے اور زیارات کے لئے روانہ ہو گئے۔ آج جو زیارات ہم کو نصیب ہوئیں اور جو تاریخی مقامات ہم دیکھ سکے ان کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ آپ بھی ہمارے ساتھ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر ہی شریکِ سفر ہو جائیں بلکہ اگر میں یوں کہوں کہ ہم خرمہ و ہم ثواب ہو جائیں تو بہتر ہو گا۔

اباصلت ہروی

سب سے پہلے ہم اباصلت ہروی (جو خواجہ اباصلت کے نام سے

مشہور ہیں) کے مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھی - یہ جگہ مرکزِ شہر سے تقریباً دس کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے ، اباصلت ہروی حضرتِ امامِ رضاؑ کے خاص خادم تھے جن کا انتقال ۲۳۶ ھ میں ہوا تھا -

خواجہ مراد

آپ کا نامِ نامی ہرثمہ بن العین تھا لیکن شہرت خواجہ مراد کے نام سے ہوئی - آپ کا شمار حضرتِ امامِ رضاؑ کے احباب میں ہوتا ہے ، آپ کا ارتحال ۲۱۰ ھ میں ہوا ، آپ کا مقبرہ مشہد کے جنوب میں تقریباً ۱۴ (چودہ) کیلو میٹر پر ہے اور بہشتِ رضا کے سامنے واقع ہے - ہم یہاں اباصلت ہروی کے مقبرے پر حاضری کے بعد حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھی ، بہشتِ رضا میں شہدائے جنگِ ایران و عراق مدفون ہیں خدا سب کی مغفرت فرمائے -

امام زادہ محمد

امام زادہ محمد ، گنبدِ خشتی میں مدفون ہیں - آپ کا نسب اٹھارہ واسطوں سے امام سجادؑ سے جا ملتا ہے - گنبد پرانا اور صفوی دور کا معلوم ہوتا ہے جو خشت کا بنا ہوا ہے اسی وجہ سے اس کو گنبدِ خشتی کہتے ہیں اب نئے سرے سے گنبد کی تعمیر ہو رہی ہے - جب ہم وہاں حاضر ہوئے تھے تو تعمیر کا کام جاری تھا یہ گنبد خیابان طبرسی کوچہ ، نوغان پر واقع ہے -

آرام گاہ نادر شاہ

یہ ایک نہایت خوبصورت باغ میں واقع ہے یہ عمارت ۱۳۳۸ھ میں انجمنِ آثارِ ملی نے بنوائی تھی، نادر شاہ کا مجسمہ ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے - یہ مجسمہ اٹلی کی ایک فرم برونی (Bruni) نے تیار کیا تھا - مجسمے کی اونچائی پانچ میٹر ہے اور وزن چودہ ہزار کیلو گرام ہے عمارت کے اندر ایک میوزیم بھی ہے جہاں نادر شاہ کی کلاہ، خود، زرہ، اور دیگر حربی اسلحہ جات دکھائے گئے ہیں جن کی کل تعداد ۱۳۰ (ایک سو تیس) تک پہونچتی ہے - اس عمارت کا افتتاح ۱۳۴۲ھ میں ہوا تھا، نادر شاہ ۱۱۴۸ھ میں تخت نشین ہوا اور ۱۱۶۰ھ میں قزلباشوں کے ہاتھوں قوچان میں قتل ہوا - عمارت میں ایک کتب خانہ ہے جو کتاب خانۂ علامہ طباطبائی کے نام سے مشہور ہے، اس کی دیکھ بھال ادارۂ ارشادِ اسلامی (Islamic Guidance Organisation) کرتی ہے -

پیر پالا ندوز

شیخ محمد عارف جو پیر پالان دوز کے نام سے مشہور ہیں، بہت بڑے زاہد گذرے ہیں - آپ کو پالا ندوز اس لئے کہتے ہیں کہ آپ اپنی روزی گھوڑے کی زین بنا کر کمایا کرتے تھے، آپ کا انتقال ۹۸۵ھ میں ہوا آپ کا مقبرہ بستِ پائیں کے سامنے ہے جو سلطان محمد بندہ کے دور میں تیار ہوا تھا لیکن حال ہی میں "آستانۂ قدس" کی جانب سے دوبارہ تعمیر ہوا ہے -

گنبد سبز

یہ گنبد خیابان خاکی پر واقع ہے ۔ گنبد کا رنگ سبزی مائل فیروزی ہے اسی وجہ سے اس کو گنبدِ سبز کہتے ہیں ، اس گنبد کے نیچے مردِ عارف شیخ محمد مومن استرآبادی مدفون ہیں جن کا انتقال ۹۰۴ ھ میں ہوا تھا آپ نے کتاب " تحفہء مومن " جو طبِ قدیم کے بارے میں ہے لکھی تھی یہی وجہِ شہرت بنی عمارت ۱۱۰۱ ھ شاہ عباس صفوی کے دور میں تعمیر ہوئی تھی ، یہ عمارت صوفیائے کرام اور درویشوں کی آماجگاہ بنی رہی اب یہ عمارت کلچرل ہیریٹج (Cultural Heritage) یا " ادارۂ میراثِ فرہنگی " کی نگرانی میں ہے اور اچھی دیکھ بھال ہو رہی ہے ۔

مصلائے مشہد

یہ روضہ ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر " پنج رہِ خیاباں " کے کنارے واقع ہے ۔ روضے کے دونوں جانب بالکونی بنی ہوئی ہے ۔ روضے کے اندر کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ ۱۰۸۷ ھ میں شاہ سلیمان صفوی کے دور میں اس کی تعمیر ہوئی تھی ۔ اس کو مصلائے مشہد اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں یہاں عیدین کی نماز ادا کی جاتی تھی گویا یہ مشہد کی قدیم عید گاہ ہے ۔ اندر کاشی کاری کا خوبصورت کام ہوا ہے ۔ اس وقت یہ روضہ (Cultural Heritage) یا " ادارۂ میراثِ فرہنگی " کے زیرِ انتظام ہے ۔

مسجد ہفتاد و دوتن

یہ مسجد بازارِ بزرگ میں واقع ہے ۔ کسی زمانے میں یہ ایک مقبرہ تھا لیکن بعد میں اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ جہاں دو مینار، ایک ہال اور صحن ہیں ۔ کہتے ہیں کہ مقبرہ ۸۵۵ ھ میں تعمیر ہوا تھا اسے مسجدِ ہفتاد و دو تن کیوں کہتے ہیں اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی ۔

امام زادہ یحییٰ

امام زادہ یحییٰ حضرت زید شہید کے فرزند اور امام زین العابدینؑ کے پوتے ہیں ۔ آپ کی والدۂ ماجدہ " ریطہ دختر ابی ہاشم عبد اللہ بن محمد حنفیہ " ہیں آپ ۱۰۷ ھ میں متولد ہوئے ۔ آپ کو بنی امیہ سے جان کا خطرہ تھا اس وجہ سے کربلا سے مدائن چلے گئے اور پھر وہاں سے خراسان ہجرت فرمائی لیکن دشمنوں نے وہاں بھی پیچھا کیا، آخر کار آپ کو ۱۸ سال کی عمر میں خراسان کے مقام " جوز جان " پر جو مشہد سے تقریباً ۵۰ (پچاس) کیلو میٹر پر ہے ۱۲۵ ھ میں شہید کر دیا ۔ آپ کا مقبرہ دامنِ کوہ میں قریہ میامی سے ایک کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔ کہتے ہیں کہ آپ کا مقبرہ دسویں صدی ہجری میں تعمیر ہوا ۔ خراب سڑک اور پہاڑی علاقے کی وجہ سے وہاں کم لوگ پہونچ پاتے ہیں خصوصاً ایسے حضرات جو صرف چند روز کے لئے مشہد جاتے ہیں ان کا میامی تک پہونچنا دشوار ہوتا ہے ۔

عمارت ہارونیہ

آرام گاہِ فردوسی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اس کے بالکل قریب ہی عمارتِ ہارونیہ ہے یہ بہت ہی قدیم عمارت ہے لیکن کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جس سے یہ پتا چل سکے کہ یہ عمارت کب بنائی گئی تھی ۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی زمانے میں خانقاہ رہی ہو گی عمارت کی ابتدائی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اندازہ ہوتا ہے شاید قبلِ اسلام یہ آتشکدہ تھا جس میں کچھ تبدیلی کر کے اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد کی شکل دے دی گئی ، یہاں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ " امام محمد غزالی " کی قبر طوس میں ہونا چاہیئے لیکن ان کے مقبرے کا صحیح پتا نہیں لگ سکا لہذا اس بزرگ ہستی کی یادگار کے طور پر اس عمارت سے متصل ایک پتھر بطور یادگار نصب کر دیا گیا ہے تاکہ یادگار باقی رہے ۔

ان تمام مقامات کی زیارت کے بعد واپس ہوئے تو بہت دیر ہو گئی تھی چنانچہ دوپہر کا کھانا بہت دیر میں کھایا اور کچھ دیر آرام کیا ، مولانا محمد جوہری چار بجے تشریف لانے والے تھے اور ہمیں بازار جانا تھا ۔ آقائے رانندہ کا خیال تھا کہ دوپہر بعد وہ پھر تشریف لائیں اور ہم سیر کو نکلیں ہم نے طے کیا کہ کل (فردا) جمعہ ہے لہذا زیادہ سے زیادہ وقت حرم میں گذاریں اور آج کچھ چیزیں مولانا جوہری کے ہمراہ خرید لیں کیونکہ جمعے کو بازار عموماً بند ہوتے ہیں لہذا ساری خریداری آج ہی کر لینا چاہیئے ۔ مولانا تشریف لائے میں نے جمعے کی چھٹی کا ذکر کیا کہنے لگے کہ یہاں جمعے کو بازار بند نہیں ہوتے

صرف نماز کے لئے ضرور کچھ دیر کے لئے کاروبار بند ہوتا ہے، اور بعدِ نماز لوگ کاروبارِ زندگی میں مشغول ہو جاتے ہیں، ہاں دفاتر جمعرات کو ظہر کے وقت بند ہو جاتے ہیں اور جمعے کو چھٹی ہوتی ہے۔

مشہد میں تبرکات کی خریداری

خریداری کے لئے مشہد کے مشہور بازار " بازارِ رضا " جانا تھا۔ جہاں زینہ چڑھنا پڑتا ہے اور جہاں خودکار زینہ یا "آسانسور" نہیں ہیں اس لئے اہلیہ کو ہوٹل میں چھوڑا تاکہ وہ آرام بھی کرلیں اور اگر کراچی سے فون آئے تو گفتگو کرلیں اور ان لوگوں کو اپنا اگلا پروگرام بھی بتا دیں کہ ہم سنیچر کو انشاء اللہ تہران کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ مولانا تشریف لائے۔ ہم بازار گئے، چھوٹے موٹے تحائف خریدے۔ مول تول میں زیادہ لطف نہیں آیا معلوم ہوا کہ اگر مستورات ساتھ نہ ہوں تو دکاندار آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں یا یوں کہیئے کہ خریدار دکاندار کے قابو میں آجاتے ہیں، ممکن ہے کہ قیمت کچھ زیادہ دینا پڑے لیکن وقت کی اچھی خاصی بچت ہو جاتی ہے، مولانا چونکہ بازار جاتے رہتے ہیں لہذا ان کی شناسائی کام آئی اور ہم جلدی واپس ہوٹل آگئے۔ جمعے کا بیشتر حصہ ہم نے حرم میں گذارا اور باقی ماندہ مقامات کی زیارت کی اور مزید تفصیلات حاصل ہوئیں جن کا ہم ذکر ذیل میں کرنے جا رہے ہیں۔

مشہد مقدس میں آخری دو دن

جمعرات یعنی ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء کا زیادہ وقت مولانا جوہری کے ساتھ گذرا۔

بیرون شہر کی زیارتیں کیں اور سرراہ کچھ خریداری بھی ۔ جمعہ یعنی ۲۲ اکتوبر کا بھی بیشتر وقت مولانا جوہری ہی کے ساتھ گذرا ، کچھ وقت خریداری میں اور بیشتر وقت حرم میں ، چونکہ ہم کو ۲۳ اکتوبر کو شام پانچ بجے کی پرواز سے تہران جانا تھا ہم نے طے کیا کہ باقی زیارتوں سے بھی مشرف ہولیں ۔ خدا جانے پھر کب آنا نصیب ہو ، تمنا تو یہی ہے کہ آئندہ سال پھر حاضری دیں اور کم از کم ایک ماہ دنیا و مافیہا کو فراموش کر کے یہاں گذاریں ۔ مولانا جوہری سے اس سلسلے میں گفتگو بھی ہو چکی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دو ماہ قبل ان کو مطلع کر دیا جائے تو وہ ایک فلیٹ کا انتظام کر دیں گے جو آرام دہ بھی ہو گا اور ارزاں بھی ۔ مولانا آئندہ ماہ رمضان المبارک میں پاکستان تشریف لانے والے ہیں امید ہے کہ اس بارے میں ان سے مزید گفتگو ہو گی ۔ اب میں مشہد کے ان مقامات اور زیارات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا ذکر میں اب تک نہ کر سکا تھا ۔ مقامات اور زیارات اتنی ہیں کہ سب کا تفصیل سے ذکر کرنا مشکل امر ہے ۔ بہر حال کچھ کا تو تذکرہ قبل کر چکا ہوں ، باقی کا مختصر ذکر اب کرنے جا رہا ہوں تا کہ آپ بھی میرے ساتھ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر شریک ہوں اور مثاب بھی ۔

صحن جمہوری اسلامی

یہ صحن حال ہی میں بنایا گیا ہے اس کا رقبہ دس ہزار مربع میٹر ہے ۔ اس صحن کے شمالی اور جنوبی دروازوں کی پشت پر دو مینار بنائے گئے ہیں جن کی بلندی تیس میٹر ہے ۔ یہ صحن دار الولایہ کے ذریعے حرم سے متصل ہو گیا ہے

اس صحن کے مشرقی حصے کی عمارت کو " دارالرحمہ " کہتے ہیں، زائرین ان تمام راستوں سے حرم میں داخل ہوتے ہیں۔

صحن قدس

یہ صحن بھی حال ہی میں بنایا گیا ہے اس کا رقبہ دو ہزار پانچ سو مربع میٹر ہے یہ حصہ صحن امام اور بستِ بھای کے درمیان واقع ہے۔ اس کے گراؤنڈ فلور (طبقہ ہم کف) پر ۲۸ (اٹھائیس) عدد حجرے ہیں، ہر حجرے کا رقبہ ایک سو پچاس مربع میٹر ہے اس کے علاوہ ایک ایوان بھی ہے جس کا رقبہ ایک سو پچاس مربع میٹر ہے، یہ حصہ " ایوان قبلہ " کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک نیا سقہ خانہ یا سبیل بھی ہے۔

صحن امام خمینی

یہ صحن حرم مطہر کے بائیں جانب اور خیابان رضاً (جس کا پرانا نام خیابان تہران ہے) کے سامنے واقع ہے اس کا رقبہ تقریباً آٹھ ہزار تین سو مربع میٹر ہے، شیخ بہائی کی قبر اس صحن اور صحن آزادی کے درمیان واقع ہے ہمارے ہوٹل کے خیابان رضا پر واقع ہونے کی وجہ سے ہم عموماً اسی راستے سے حرم مطہر میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی صحن سے زمین دوز سڑکوں کا اجراء ہوتا ہے۔ کچھ سڑکیں بن چکی ہیں اور باقی پر کام جاری ہے۔

صحن آزادی نو

یہ صحن حرم مطہر کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ صحن فتح علی شاہ قاچار

کے دور کی تعمیر ہے، اس کی لمبائی تقریباً پچاسی میٹر اور چوڑائی چون میٹر ہے، اس صحن میں چار ایوان ہیں - سب سے مشہور ایوانِ طلاء ہے جو حرمِ مطہر سے ملحق ہے طلائی کام ناصر الدین شاہ قاچار کے دور میں ہوا تھا۔

مسجد گوہر شاد

مسجدِ گوہر شاد کا شمار ایران کی مشہور ترین مساجد میں ہوتا ہے - یہ مسجد حرمِ مطہر سے ملی ہوئی ہے اور ۸۲۱ ھ میں گوہر شاد خانم (جو شاہ رخ میرزا کی شریکِ حیات تھیں) کی فرمائش سے بنائی گئی تھی - اس کا رقبہ نو ہزار چار سو دس مربع میٹر ہے - اس میں ایک صحن اور چار ایوان ہیں اور سات عدد نماز کے لئے ہال بنے ہوئے ہیں - ایوان کے دونوں اطراف چالیس میٹر بلند نہایت خوبصورت مینار ہیں - مینار پر اس دور کے مشہور خطاط بائینسقر کی خطاطی کے لاثانی نمونے اب تک موجود ہیں - اس ایوان کی مسجدِ مقصورہ کے منبر کو منبرِ صاحب الزماںؑ کہا جاتا ہے، یہ منبر ۱۲۴۳ ھ میں اخروٹ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا، منبر کے بنانے میں کہیں لوہے کی کیل یا کسی اور قسم کی دھات استعمال نہیں ہوئی ہے - اس مسجد میں ایک عمومی کتب خانہ بھی ہے جس میں چونتیس ہزار چھ سو پچاس کتابیں ہیں اس سے طلباء اور علماء سبھی فیض یاب ہوتے ہیں -

دار الحفاظ

یہ ایوان بقعہ مبارک کے جنوب اور مسجدِ گوہر شاد کے شمال

مشرق یعنی مرقد کے سرہانے (پیش روئے مبارک) کی طرف واقع ہے ۔ دارالحفاظ بھی خانم گوہر شاد یعنی مسجدِ گوہر شاد کے بانی کا بنوایا ہوا ہے ، زائرین اس جگہ سے حرم میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور حرم میں داخل ہوتے ہیں ، یہ رواق ایک دروازے کے ذریعے حرم سے متصل ہے یہاں زائرین و دیگر حضرات تلاوتِ قرآنِ کریم کرتے رہتے ہیں اسی وجہ سے اس کو دارالحفاظ کہتے ہیں ۔

توحید خانہ

یہ رواق حرمِ مطہر کے شمال اور صحنِ انقلاب کے جنوب میں واقع ہے - یہ رواق مستورات کے لئے مخصوص ہے .جہاں خواتین نماز ادا کرتی ہیں - اور تلاوتِ قرآنِ کریم کرتی ہیں ۔

دار لسیادہ

یہ رواق حرم کے مغرب میں واقع ہے . یہ خانم گوہر شاد یعنی اہلیہ شاہ رخ میرزا کی یادگار ہے - اس کے شمال مشرق میں ایک بہت بڑی نقرئی کھڑکی ہے (جس کو فارسی میں پنجرہ کہتے ہیں).جہاں سے زائرین مرقدِ امامؑ کی زیارت کرتے ہیں، میں بھی اکثر وہاں جایا کرتا تھا کیونکہ اس جگہ نسبتاً ازدحام کم ہوتا ہے اور کھڑکی چونکہ بہت بڑی ہے لہذا آپ دور سے بھی زیارت کر سکتے ہیں ۔

مسجد بالا سر

یہ مسجد چھوٹی ہے مگر یہاں کی قدیم ترین مسجد ہے ، یہ محمود غزنویؒ

کے دور کی یادگار ہے اور یہ حرم کے مغرب میں حرم سے متصل ہے چونکہ یہ امام کے سر کی جانب ہے اس لئے اس کو مسجدِ بالاسر کہتے ہیں۔

رواق دار الولایہ

یہ جدید ترین اور عظیم رواق حرم کے جنوب میں واقع ہے اور اس کا رقبہ دو ہزار تین سو پانچ مربع میٹر ہے یہ صحنِ جمہوری اسلامی (Court of Islamic Republic) سے ملحق ہے۔

رواق دار الرحمہ

یہ رواق صحنِ جمہوری اسلامی کے مشرقی حصے میں واقع ہے، اور اس کا رقبہ صرف تین سو پینسٹھ مربع میٹر ہے لیکن اپنی چمک دمک میں بے مثال ہے۔ پچی کاری کا کام بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے، علاوہ ازیں آئینہ کاری و دیگر دوسرے طریقوں سے نہایت خوبصورت و چمکدار بنایا گیا ہے اس کا افتتاح ۱۳۷۱ھ میں ہوا تھا۔

پارک ملت

یہ پارک مشہد کے مغرب میں وکیل آباد بلیوارڈ (فارسی مین بلوار کہتے ہیں) کے ساتھ ہی واقع ہے۔ اس پارک کا رقبہ سات لاکھ بیس ہزار مربع میٹر ہے۔ پارک ملت میں کھیل کود کا خصوصاً بچوں کے لئے، نہایت معقول انتظام ہے۔ خوبصورت باغات ہیں سر سبز درخت ہیں، روشیں ہیں اور موسمی پھولوں کی بہتات ہے پارک میں ایک خوشنما مسجد بھی ہے تاکہ عوام

نماز ادا کر سکیں۔

پارک جنگلی و کیل آباد

یہ پارک مشہد کے جنوب مغرب میں ۸ (آٹھ) کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، یہاں زمین دوز خوشگوار آب (Subterranean Water) بھی ہے۔ اس کو جنگلی پارک کیوں کہا جاتا ہے؟ اصل وجہ نہ معلوم ہو سکی، ممکن ہے کہ کسی زمانے میں یہ جنگلی جانوروں کی آماجگاہ رہا ہو۔

پارک کوہ سنگی

یہ پارک ڈاکٹر علی شریعتی خیابان کے آخر میں دامن کوہ میں مشہد کے جنوب میں واقع ہے۔ اس پارک میں ایک ریستوران (Restaurant) اور حوض ہے، ریستوران کافی وسیع و عریض ہے چند خصوصی کمرے بھی ہیں جہاں دعوت کا انتظام ہوتا ہے۔ تقریباً بیس سال قبل ہمارے دوست زیدی صاحب یہاں کونسل جنرل ہوا کرتے تھے ہم نے دوپہر کا کھانا (ناہار) ایرانی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے کھایا تھا۔

بند گلستان

یہ ایک چھوٹا چار پانچ سو سال قدیم بند تیموری دور کی یادگار ہے۔ بند کی لمبائی صرف ایک سو بیس میٹر اور چوڑائی چودہ میٹر ہے۔ دریائے گلستان پر طرقبہ سے چار کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس بند کو دیکھ کر گلستان سعدی شیرازی ذہن میں آتی ہے۔ موسم بہار میں جب اس بند میں پانی بھرا

ہوا ہوتا ہے تو ایک حسین نظارہ پیش کرتا ہے ، حضرتِ شیخ سعدی تو یہاں سے دور بہت دور شیراز میں رہتے تھے ممکن ہے کہ گلستان جیسی اعلیٰ تصنیف صفحہء قرطاس پر لانے کیلئے دریائے گلستان آئے ہوں اور یہیں بیٹھ کر ایسی مشہورِ عالم کتاب لکھ ڈالی ہو ۔ ان کی کسی تحریر سے یا تاریخی شواہد سے اس بات کا پتا نہیں چلتا ہے محض میرا اپنا خیال ہے کہ شاید ایسا ہی ہو ۔

حصار

یہ گلستان بند سے پہلے خیابان طرقبہ پر واقع ہے چھوٹے چھوٹے باغات ہیں ، نہایت دلپسند اور خوش نما ۔ آب و ہوا کے لحاظ سے بہت صحت بخش ہے اور لوگ چھٹیوں میں پک نک (Picnic) منانے یہاں آتے ہیں ۔

چشمہ گلب (گیلاس)

یہ چشمہ مشہد کے شمال مغرب میں پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر اور آرام گاہِ فردوسی سے اکیس کلو میٹر پر واقع ہے ۔ اس کا پانی ایک قدرتی حوض میں جمع ہوتا ہے جس کی گہرائی تقریباً دس کلو میٹر ہے ۔ یہاں پہونچنے کے دو راستے ہیں ایک راستہ آرام گاہِ فردوسی سے جاتا ہے اور دوسرا مشہد قوچاں خیابان سے ۔ موسم یہاں خوشگوار ہوتا ہے طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے علاوہ ان مقامات کے بہت سے دوسرے تفریحی مقامات (Picnic Spots) بھی ہیں جن سے لطف اندوز ہونے کے لئے وقت درکار ہے ۔ رسل و رسائل کی سہولت موجود ہے اور ٹرانسپورٹ ارزاں بھی ہے لیکن

بات ساری وقت کی ہے اور دوسری یہ کہ دلچسپی کس قدر کس کو ہے ۔ ایسے مقامات پر تفریح کے لئے پیدل بھی بہت چلنا پڑتا ہے، اگر آپ خود پیدل چلنے کے عادی ہیں تو بہت خوب سبحان اللہ قدم آگے بڑھائیے، مگر قدم آگے بڑھانے سے پہلے اپنے ہمسفر کی آمادگی کو بھی پیشِ نظر رکھئے ۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تفریح تو کرنا چاہتے ہیں مگر پیدل چلنے سے جی چراتے ہیں ان مقامات پر تفریح بھی کرنا اور پیدل نہ چلنا دونوں کا ایک ساتھ چلنا امر محال ہے، یہاں میں مزید مقامات کے نام بتائے دیتا ہوں جو قابلِ دید ہیں ۔ اگر آپ کے پاس وقت ہے اور پیدل چلنے کی ہمت بھی ہے تو ان مقامات پر ضرور تشریف لے جائیں اور لطف اندوز ہوں ۔ ان مقامات کے نام حسب ذیل ہیں :۔

پارک میرزا کوچک خان جنگلی، اخلومد یا اخلمد، رودخانہ وسدکارہ، (Kardeh River And Dam) طرقبہ، شانزیر، حاغرق، سد طرق، غارِ مغان، بندِ فریمان، شاہانِ گرماب اور دریاچہ بزنگان وغیرہ وغیرہ ۔

مشہد سے واپسی

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں جمعہ کا بیشتر وقت ہم نے حرمِ مطہر میں گذارا اور کچھ بازار کی سیر میں ۔ کل بروز ہفتہ ۲۳ اکتوبر کو بعدِ عصر تہران کے لئے روانہ ہونا ہے، چنانچہ آرام سے اٹھے، ضروریات اور ناشتے سے فارغ ہو کر حرم کے لئے روانہ ہوگئے تا کہ اپنے جدِ اعلیٰ سے رخصت ہولیں اور نذرانہء عقیدت پیش کریں ۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوٹل واپس آئے، دوپہر کا کھانا

کھایا اور اوپر کمرے میں جانے کیلئے سوچ ہی رہے تھے کہ معلوم ہوا لفٹ خراب ہے پہلے تو ہوٹل والوں نے خود ٹھیک کرنے کی کوشش کی لیکن ٹھیک نہ کر سکے ۔ میں تو جیسے تیسے زینے سے جا سکتا تھا مگر مسئلہ تو اہلیہ کا تھا کہ ان کے لئے زینہ چڑھنے کی طبی ممانعت ہے ، اسی انتظار میں چار بج گئے مولانا محمد عبداللہ جوہری صاحب بھی خدا حافظ کہنے آگئے تھوڑی دیر بعد میں مولانا موصوف کے ہمراہ اوپر گیا اور سامان اٹھا لایا سامان چونکہ مختصر اور ہلکا تھا، کوئی دشواری نہیں ہوئی ۔ ہلکے پھلکے سامان کے ساتھ سفر میں یہ آسانیاں ہوتی ہیں ، پانچ بجے کے قریب آقائے رانندہ تشریف لائے سامان کار میں رکھا گیا ہوٹل کے عملے کو الوداع کہا وہ بھی دروازے تک " بہ سلامت روی و باز آئی " کہنے آئے مولانا جوہری کار تک تشریف لائے معانقہ کیا اور ماہِ رمضان المبارک میں پاکستان آنے کا اعادہ کیا اور ہم کو خدا حافظ کہا اور اپنے گھر روانہ ہو گئے ۔ ہم کار نشین ہو کر فرودگاہ کی طرف روانہ ہوئے خداوندِ عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مشہدِ مقدس کا قیام نہایت آرام دہ اور پر سکون رہا ، پچھلے وقتوں کا سفر کچھ اور تھا جب طرح طرح کی دشواریاں ہوتی تھیں اور اب کچھ اور ہے جب کہ ساری سہولتیں میسر ہیں لیکن وطن وطن ہے ۔ وطن سے دور وطن کی یاد کچھ زیادہ ہی ستاتی ہے مگر ہمارا یہ سفر اور مشہدِ مقدس کا قیام اور زیارتوں کا فیض ہمارے ساتھ تھا جس سے وطن کی یادیں مغلوب رہیں اور ہم کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی ۔

مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے :-

گفت معشوقے بہ عاشق اے فتیٰ
تو بہ غربت دیدہ ای بس شہر ہا
پس کدامیں شہر از آنھا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

ہوٹل سے نکلنے سے کچھ دیر قبل ہم نے پاکستان فون کیا، خیریت معلوم کی مجھے حیرت ہوئی اور خوشی بھی کہ ہوٹل والوں نے اس کال کے پیسے ہنیں لیے میں نے اصرار کیا تو مسکرا کر فرمایا کہ آپ کے حساب میں درج کر لیا ہے، جب دوبارہ آپ تشریف لائیں گے تو وصول کرلوں گا میں نے " خیلے ممنون و متشکر " ایک بار کے بجائے دو بار کہا اور فرودگاہ کے لئے روانہ ہوگئے - روانگی سے قبل ایک معمولی سا واقعہ ہم کو پیش آیا اس کا لکھنا بھی یہاں ضروری سمجھتا ہوں - ایک روز ہم حرم سے نکلے، رات زیادہ ہو چکی تھی اہلیہ نے کہا سردی بہت ہے پیدل ہنیں چلا جا رہا ہے تو میں نے ٹیکسی کر لی ٹیکسی ڈرائیور زمین دوز راستے سے گذر کر اوپر آیا اور لمبے راستے سے ہوٹل کی طرف روانہ ہوا ہوٹل کے قریب پہونچ کر بھی آگے کی جانب نکلنے لگا تو میں نے ٹوکا، وہ رک گیا، ہم گاڑی سے اترے اور کرائے کے لئے ایک ہزار ریال کا نوٹ دیا - کرایہ عموماً تین یا چار سو ریال ہوتا ہے یہ مجھے پہلے سے ہی معلوم تھا - ہم جیسے ہی گاڑی سے اترے وہ فوراً ہی بقیہ رقم واپس کئے بغیر تیزی سے نکل گیا، اس نے ایسا غلطی سے کیا یا جان بوجھ کر لیکن مجھے اس کا یہ رویہ اچھا ہنیں لگا - بات محض معمولی رقم کی تھی آٹھ یا دس روپے کی لیکن کیا کہا جائے کچھ لوگ

ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے زائرین کو ہوشیار رہنا چاہیئے میں نے یہ بات برسبیلِ تذکرہ لکھ دی ہے گو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن یہ حقیقی واقعہ ہے ۔ ویسے میرا تاثر یہی ہے کہ وہاں کے عوام عموماً نہایت خوش اخلاق اور ایماندار ہوتے ہیں اور نہایت مہمان نواز ۔ ٹاکسی ڈرائیور ایک الگ مخلوق ہے خواہ وہ کسی ملک کا ہو ۔ اس قسم کے اِکا دکا واقعات ہر ملک میں ہو جاتے ہیں ۔

ہم تقریباً نصف گھنٹے میں فرودگاہ پہونچ گئے ۔ آقائے عرفانی سے رخصت ہوئے ۔ سامان حمال کو دیا اس لئے نہیں کہ وزنی تھا بلکہ اس لئے کہ حمال ہماری صحیح کاؤنٹر تک رہنمائی کرے گا اور ہم پوچھ گچھ سے بچ جائیں گے ۔

قبل اس کے کہ رودادِ سفر کو آگے بڑھاؤں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آستانۂ قدس کے انتظام و انصرام کا مختصر ذکر ہو جائے تاکہ آپ وہاں کے پس منظر سے کماحقہ واقف ہو جائیں ۔

آستانۂ قدس کا انتظام و انصرام

پچھلے چند صفحات جو آستانۂ قدس کے بارے میں میں نے تحریر کئے ہیں اور جس میں اماکن قدس کے مختلف ایوان ، مساجد ، کتاب خانہ ، میوزیم ، چھاپہ خانہ ، دواخانہ اور دفتر بین الملل وغیرہ وغیرہ کا مختصر ذکر ہے جو کئی لاکھ مربع میٹر پر محیط ہے ، اس کے انتظام و انصرام کی کیا صورت ہے اور اس کے لئے رقم کہاں سے مہیا ہوتی ہے ذہن میں اس خیال کا ابھرنا ایک فطری امر

ہے ۔ لہذا چاہتا ہوں کہ وہاں کے انتظام و انصرام کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ "آستانہ قدس" سے ایرانی حکومت کا کوئی تعلق ہنیں ہے اور نہ ایرانی حکومت سے کسی قسم کی مالی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے ، "آستانہ قدس" کی اپنی آمدنی وقف کی جائداد سے اربوں میں ہے یہاں تک کہ جو حضرات بغرضِ زیارت ایران تشریف لے جاتے ہیں اور جن کی سالانہ تعداد لاکھوں تک ہوتی ہے ویزا (Visa) فیس بھی ہنیں لی جاتی بلکہ ہر زائر مشہدِ مقدس میں ایک وقت امام کا مہمان ہوتا ہے اور اسے مہمان خانہ امام سے اعلیٰ قسم کا کھانا پیش کیا جاتا ہے ۔ یہاں تین ہزار مہمانوں کے طعام کا روزانہ انتظام ہوتا ہے ۔ یہ تعداد آہستہ آہستہ دس ہزار تک بڑھانے کا انتظام ہو رہا ہے ۔

آستانہ قدس کی آمدنی کو ملکی معیشت کے فروغ میں جس حکیمانہ منصوبہ بندی سے صرف کیا جاتا ہے وہ ناداری و بے روزگاری کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ مزید آمدنی کا ذریعہ ہے اور وہ اس طرح کہ آستانہ قدس کی طرف سے مختلف قسم کی صنعتیں لگائی گئی ہیں تاکہ لوگ باکار ہوں اور عزت سے روزی کما سکیں لیکن ایسے افراد جو ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہیں ان کے لئے روزینہ مقرر ہے اور رہنے سہنے کا انتظام بھی ہے ۔

اب ان چند اہم سرگرمیوں کا ذکر کیا جارہا ہے جس سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور عزت کی روزی کما رہے ہیں ، انقلابِ ایران کے بعد ان سرگرمیوں میں بھی انقلاب آیا اور نئی نئی صنعتیں لگائی جارہی ہیں اور

مختلف امور کے لئے الگ الگ دفتر ہیں ۔ (۱) دفترِ ثقافتی امور (۲) دفترِ زرعی امور (۳) روضے کے زائرین کا دفتر (۴) محفوظ سرمایہ کاری کا دفتر (۵) شہری اراضی کا دفتر (۶) مالی و انتظامی امور کا دفتر اور (۷) تکنیکی فروع کا دفتر ۔ یہ تمام دفاتر اپنے اپنے کام میں صاحبِ اختیار ہیں لیکن ان سب کی کارکردگی کی دیکھ بھال کے لئے ایک خصوصی گروپ قائم ہے ۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ سب کو احساسِ ذمہ داری ہے اور سب ہی ایک لگن سے کام کرتے ہیں اگر تمام دفاتر اور صنعتوں کا تفصیل سے ذکر کیا جائے تو بات طولانی ہو جائیگی لہذا میں چند ہی کے ذکر پر اکتفا کروں گا ۔

(۱) **قالین بافی کا کارخانہ** :۔ جہاں ہزاروں افراد کام کرتے ہیں ۔

(۲) **لکڑی کا کارخانہ** :۔ جہاں مختلف چوبی اشیاء تیار کی جاتی ہیں اور برآمد بھی کی جاتی ہیں ۔

(۳) **ٹائل سازی کا کارخانہ** :۔ (ایرانی ٹائل خوشنمائی اور مضبوطی کے لئے تمام دنیا میں ایرانی قالینوں کی طرح مشہور ہیں ۔)

(۴) **گرینائٹ کا کارخانہ** :۔ جہاں مختلف قسم کے پتھروں کی اشیاء تیار کی جاتی ہیں ۔

(۵) **تیار شدہ چھت اور ستون کا کارخانہ** :۔

(Pre - Fabricated House)

(۶) **ادارۂ نشر و اشاعت** :۔ جہاں مختلف زبانوں میں کتابیں چھپتی ہیں اور جہاں اہلِ دانش و بینش مصروفِ کار رہتے ہیں ، اسی کا ایک ذیلی ادارہ

مدرسے ، اسکول اور کالج وغیرہ کھولنے اور چلانے پر مامور ہے اس کے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں ہزاروں طلباء زیر تعلیم ہیں یہاں زرعی تعلیم بھی دی جاتی ہے ۔

(۷) روٹی کا کارخانہ :۔ یہاں اچھی اور ارزاں روٹیاں تیار ہوتی ہیں اور " نان رضا " کے نام سے مشہور ہیں ، اسی قسم کا کارخانہ زاہدان میں بھی لگایا گیا ہے تاکہ اس علاقے کے لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں ۔

(۸) شکر کا کارخانہ :۔ جہاں مختلف قسم کی شکر تیار کی جاتی ہے ۔ چینی یا شکر ایک ہی شے ہے لیکن شوگر کیوب کو اہل ایران قند کہتے ہیں ۔

(۹) بنجر زمینوں کو زرخیز بنانے کا منصوبہ :۔ اس منصوبے کے تحت بنجر زمینوں کو زرخیز بنانے کا کام جاری ہے اور ایسی زمینیں ایسے کاشتکاروں کو مفت دی جاتی ہیں جن کے پاس خود اپنی زمین نہیں ہوتی ۔

(۱۰) کپڑے کا کارخانہ :۔ جہاں دھاگہ اور مختلف قسم کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں ۔ ایسے کارخانے مشہد کے علاوہ نیشاپور میں بھی قائم کئے گئے ہیں ۔

ان تمام کارخانوں کے رسل و رسائل کے لئے ٹرانسپورٹ کا بھی معقول انتظام کیا گیا ہے ۔

حسبِ بالا مختصراً جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ " آستانہ قدس " محتاجوں اور ناداروں کی خبر گیری تو کرتا ہی ہے لیکن اصل میں ملک میں ناداری اور محتاجی کے خاتمے کی طرف تیزی سے گامزن ہے ۔

اسلام ایک ایسا نظامِ معیشت چاہتا ہے جس میں ہر کس و ناکس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں، کوئی کسی پر بوجھ نہ بنے، بیکاری اور بیروزگاری کا خاتمہ ہو، زکوۃ و خمس دینے والے پیدا ہوں نہ کہ لینے والے، یہی ایک اچھے معاشرے کی پہچان ہے، یہی انقلابِ ایران کی منزل ہے، خداوندِ قدوس اس نیک مقصد کے حصول میں انہیں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے، آمین۔

مشہد مقدس سے روانگی

کار سے اترتے ہوئے ہم نے آقائے عرفانی سے دریافت کر لیا تھا کہ حمال کو کتنی اجرت دی جائے انہوں نے فرمایا تھا کہ تین سو ریال ، ہمارے پاس سو اور دو سو کے نوٹ نہیں تھے ، چنانچہ ہم نے ان صاحب زادے کو جو چودہ پندرہ سال سے زیادہ کے نہ تھے پانچ سو ریال کا نوٹ دیا اور تشکر بھی کہا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہی صاحب زادے (حمال) تشریف لائے اور مجھے دو سو ریال واپس کرنے لگے ، مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے شاید یہ سمجھا کہ چونکہ میرے پاس چھوٹے نوٹ نہ تھے اس وجہ سے میں نے پانچ سو کا نوٹ دیا تھا - یہ تو درست ہے کہ میں نے ان کو پانچ سو کا نوٹ دیا تھا لیکن زائد رقم ان سے واپس لینے کی خواہش بالکل نہ تھی ، بہر حال میں نے ان کا مزید شکریہ ادا کیا اور رقم واپس کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کا انعام ہے ، انہوں نے " خیلے ممنون " کہا اور تشریف لے گئے ۔ مجھے اس وقت مشہد کا وہ ڈرائیور یاد آگیا جس کو میں نے ہزار ریال کا نوٹ دیا تھا کم از کم نصف رقم واپس کرنا تھی مگر وہ ہم کو ٹیکسی سے اتار کر تیزی سے روانہ ہوگیا اور ممنون بھی نہیں کہا ۔ وہ میوہ فروش بھی یاد آیا جس نے مجھ سے پھل کی قیمت نہ لی اور مولانا جوہری کے استفسار پر کہا کہ چند خوشہ ء انگور کی قیمت کیا لوں ؟ ہوٹل والا بھی ذہن میں آیا جس نے میری روانگی کے وقت پاکستان کال کے پیسے بھی نہ لئے ۔ میرے دماغ میں یہ بات گھومنے لگی کہ ایک ہی شہر کے

باسی کیسے ہوتے ہیں ۔

کاؤنٹر پر جم غفیر تھا، ایک کاؤنٹر پر ہم بھی قطار (Queue) میں کھڑے ہو گئے ۔ اندازاً بیس منٹ میں ہماری باری آئی ۔ سامان ان کے سپرد کیا، بورڈنگ کارڈ جیب میں ڈالا اور راہ داریء پرواز ڈھونڈنے لگے ۔ چند منٹ میں راہداریء پرواز مل گئی، سیکیوریٹی سے گذر کر ایک بڑے ہال میں جا بیٹھے ہم وقت سے کافی پہلے پہونچ گئے تھے ہماری پرواز سے پہلے ایک اور پرواز جا رہی تھی ہم نے معلوم کیا کہ کیا ہم اس پرواز سے تہران جا سکتے ہیں ؟ معلوم ہوا ممکن نہیں، ہم خاموش ہو رہے، اس پرواز کے بعد دیکھا کہ لوگ جوق در جوق چلے آرہے ہیں ان سب کو بھی اسی فلائٹ سے تہران جانا تھا جس سے ہمیں جانا تھا ۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد جہاز اپنے وقت کے مطابق روانہ ہوا اور ٹھیک وقت پر تہران میں زمین بوس ہوا دوران سفر مختصر سی خاطر تواضع بھی ہوئی ۔ جہاز خاصہ بڑا تھا کم و بیش تین سو مسافر تھے ۔

وہاں لوگ سفر بہت زیادہ کرتے ہیں ۔ بے شمار لوگ جہاز سے سفر کرتے ہیں ریل اور آٹو بس اس کے علاوہ ہیں ۔ ہمیں ریل سے سفر کرنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا لیکن جو لوگ سفر کر چکے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ریل کا سفر بہت آرام دہ اور ارزاں ہے، لیکن ٹکٹ ملنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے یعنی جائے تنگ است و مردماں بسیار ۔ دوران سفر ریل نماز کے اوقات میں کسی اسٹیشن پر رکتی ہے مسافر نماز ادا کرتے ہیں، ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں اور ریل پھر سے روانہ ہوتی ہے ۔ میں ان ریل گاڑیوں کا ذکر کر رہا ہوں جو

لمبے سفر پر ہوتی ہیں یہ بات تو بر سبیل تذکرہ آگئی کہ نماز کی ادائیگی اسلامی مملکت کے شایانِ شان ہے۔ اب میں واپس اپنے سفر کی روداد پر آتا ہوں۔ ہمارا جہاز وقتِ مقررہ سے چند منٹ پہلے ہی زمین بوس ہوا، بس میں بیٹھے ورود ہال میں پہونچے، چند منٹ میں سامان بھی آگیا سامان لیا اور باہر، فرودگاہ سے یا تو آپ خود ٹیکسی والوں سے مول تول کے فن کا مظاہرہ کریں یا پھر اس کاؤنٹر پر جائیں جو ٹرانسپورٹ کا انتظام کرتے ہیں۔ میں جیسے ہی باہر نکلا ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کہاں جانا ہے؟ عرض کیا کہ "ہوٹل کارون" فرمایا چھ ہزار ریال، میں نے عرض کیا پانچ ہزار ریال مناسب ہے، فرمایا "شما اختیار می دارید" آپ کو اختیار ہے میں نے پھر کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا سامان ان کے سپرد کیا اور ان کی "ماشین" یعنی کار میں بیٹھ گیا۔ تقریباً نصف گھنٹے میں ہم ہوٹل پہونچ گئے، سامان اتروایا میں نے ایک نوٹ پانچ ہزار ریال کا ان کی جانب بڑھایا اور ایک نوٹ ایک ہزار کا اور عرض کیا کہ آپ کا حق یعنی پانچ ہزار والا نوٹ اور دوسرا ایک ہزار والا آپ کا انعام، وہ خوش ہوئے خیلے ممنون فرمایا اور روانہ ہوگئے۔ میرا کمرہ اس ہوٹل میں پہلے سے بک تھا۔ دفتر پذیرش والوں نے خوش آمدید کہا اور تیسری منزل پر ایک کمرہ عنایت فرمایا۔ یہ کمرہ پہلے سے بہتر تھا میں نے کچھ رقم پیشگی دینی چاہی تو فرمایا "حاجتے نیست" یعنی اس کی ضرورت نہیں ہے یہ ان کی مہربانی تھی ورنہ ایران میں ہوٹل والے عموماً ایڈوانس لیتے ہیں، کمرے میں پہونچے، لباس تبدیل کیا، میں لباس تبدیل کر کے شلوار قمیض پہن چکا تھا، خیال ہوا کہ

اس لباس کو شاید یہ لوگ پسند نہ کریں بہر حال میں اسی لباس میں نیچے آیا اور سب سے پہلے معذرت کی کہ اس لباس میں آگیا ہوں، ان لوگوں نے فرمایا " ایں خوب است " گویا ہمارا لباس ٹھیک ٹھاک ہے اور منظور ہوگیا۔ ہم کھانے کا آرڈر تو ٹیلیفون سے بھی دے سکتے تھے لیکن چلو کباب، مرغ پلاؤ اور اسی قسم کے کھانوں سے طبیعت بھر چکی تھی، سوچا کسی نئی چیز کی فرمائش کی جائے اس کے لئے رو برو بات ضروری تھی کچھ الفاظ سے اور کچھ اشاروں سے، بات چیت سے پتا چلا کہ سبزی قیمہ بھی ہوتا ہے میں نے کہا کہ وہی عنایت ہو کہنے لگے کہ کل (فردا) مل سکتا ہے اس وقت ممکن نہیں۔ میں نے کہا کہ کل کا آرڈر پکا، پھر عرض کیا کہ آپ کے کباب کا گوشت سخت ہوتا ہے ہمیں ملائم درکار ہے، فرمانے لگے "کبابِ کوبیدہ خوب است " ۔ چنانچہ کبابِ کوبیدہ کا آرڈر دیا جس کے ساتھ گرم گرم چاول، بھنا ہوا ٹماٹر، کچی پیاز اور مکھن کی ٹکیہ ملی۔ یہ کھانا قدرے بہتر تھا، کھانا سیر ہو کر کھایا نماز سے فارغ ہوئے، اور آرام کی ٹھانی کہ تمام دن بھاگ دوڑ میں گذر گیا تھا۔

شہر رے قدیم تہران

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مشہد جاتے ہوئے تہران میں محض ایک روز قیام کیا تھا، دوران قیام صرف کوہِ بی بی شہر بانو کی زیارت کی تھی جس کا احوال پہلے لکھ چکا ہوں، اب دیگر اہم مقامات کا ذکر مقصود ہے۔

رے ایک قدیم شہر ہے وہی رے جس کی گورنری کے لالچ میں عمر

ابن سعد نے یزید ابن معاویہ کے حکم سے ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ھ کو میدان کربلا میں وہ ظلم عظیم کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، نبی کریمؐ کا پورا کنبہ شہید ہوگیا عورتیں اور بچے در در پھرائے گئے کربلا سے کوفہ، کوفے سے شام اور پھر مدینہ لیکن نہ وہ رہے رہا اور نہ عمر ابن سعد اور نہ اس کا کوئی نام لیوا۔ شہر کھنڈر میں تبدیل ہوگیا، اب صنعتی شہر میں تبدیل ہو رہا ہے بیرون قدیم رے کچھ آبادیاں ہیں پرانے طرز کے بازار، پتلی گلیاں جن کے دونوں اطراف دکانیں بنائی گئی ہیں گلیاں اس طرح بنائی گئی ہیں کہ بارش کا پانی نکل جائے اور ان میں پیدل چلنے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور نہ ٹھوکر لگے ہم بھی ان بازاروں اور تنگ گلیوں سے گذرے، لوگ اچھے لگے ایک دکان سے ہم نے کچھ کھجوریں خریدیں۔ ایرانی کھجور کو خرمہ کہتے ہیں ہنایت شیریں اور آبدار جن کے ساتھ آپ بخوبی روٹی کھا سکتے ہیں۔ ان کھجوروں کا رنگ گہرا بھورا اور ہلکا کالا ہوتا ہے، قیمت بھی ہنایت مناسب، ہمیں آقائے رانندہ نے مشورہ دیا کہ ایک وقت میں چار یا پانچ کھجوروں سے زیادہ ہنیں کھانا چاہیئے۔ ہمیں وہاں اور کوئی خاص چیز نظر ہنیں آئی لیکن جن مقاصد سے ہم وہاں گئے تھے اب ان کا ذکر کرنے جا رہے ہیں۔

شاہ زادہ عبد العظیم

یہاں تین زیارت گاہیں ہیں یہ تینوں زیارت گاہیں ایک وسیع و عریض صحن میں ہیں۔ صحن کے درمیان ایک بڑا حوض بھی ہے، جہاں وضو کا معقول انتظام ہے زائرین یہاں وضو کرتے ہیں اور ان زیارت گاہوں کے

اندر جا کر دعائیں کرتے ہیں اور نوافل بھی ادا کرتے ہیں ۔ عمارتیں کافی پرانی ہیں لیکن ہنایت عالی شان ۔ تمام مقبرہ ایرانی قالینوں سے مزین ہے مقبرے کے اندر فوٹو کھینچنا منع ہے چنانچہ ہم نے باہر پھاٹک پر عکس گیری کا شوق پورا کیا ۔ صحن میں داخل ہو کر سب سے پہلے ہم نے وضو کیا شاہ زادہ عبدالعظیم ابن عبد اللہ بن علی بن الحسن زید بن الحسن ابن علیؑ وہ محترم و بزرگ ہستی ہیں جو علوم، تقویٰ اور جلالت میں اپنی مثال آپ تھے، آپ کا شمار اکابرِ محدثین میں ہوتا ہے، بہت بڑے عابد و زاہد تھے ۔ یہ مقام یعنی رے اب اپنے اصلی نام کے بجائے شاہ زادہ عبد العظیم کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، آپ کسی ٹیکسی والے سے کہیے شاہ زادہ عبد العظیم جانا ہے وہ آپ کو وہیں لے جائے گا مزید کچھ نشان دہی کی ضرورت نہ ہو گی ۔ شاہ زادہ عبد العظیم کے روضے کے علاوہ یہاں دو اور متبرک روضے ہیں، جنابِ حمزہ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور سید طاہر ابنِ امام زین العابدینؑ، یہاں زائرین کا ہر وقت تانتا لگا رہتا ہے اس صحن کے اندر ایک مسجد بھی ہے جس میں ایک حصہ خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ جہاں عورتیں نماز ادا کرتی ہیں ۔ میں نے مسجد میں کثرت سے عورتوں کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ جہاں ان کے لئے خصوصی انتظام ہوتا ہے ۔ یہ دوسرے اسلامی ممالک کے لئے ایک اچھی مثال ہے، ہم تمام زیارتوں سے مشرف ہوئے اور صحن سے باہر آگئے اور پھر فوٹو گرافی کا شوق پورا کیا ۔ اس صحن سے باہر کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت باغ میں دو اور مقدس مقامات ہیں یعنی روضہء جنابِ صالح ابنِ امام علی رضا اور جناب عبد اللہ ابنِ امام زین العابدینؑ ۔ یہ دونوں روضے ہنایت خوبصورت

بنے ہوئے ہیں اور ضریح سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے ہم ہر جگہ حاضر ہوئے ، آقائے رانندہ بھی ہمارے ساتھ ساتھ رہے اور کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کرتے رہے ۔

مقبرۂ ناصر الدین شاہ قاچار

اسی مقام کے ساتھ کچھ فاصلے پر مقبرہ ناصر الدین شاہ قاچار الگ صحن میں ہے ۔ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ، یہ وہی قاچار خاندان ہے جس میں رضا شاہ کبیر سپاہی سے ترقی کی منازل طے کر کے جنرل تک پہونچے ۔ پڑھے لکھے تو نہ تھے لیکن سیاستِ دوراں کے بڑے کھلاڑی ، انگریزوں کی مدد سے اس خاندان کے حکمران کو معزول کرکے خود بادشاہ بن بیٹھے اور اس طرح انہوں نے پہلوی خاندان کی داغ بیل ڈالی لیکن یہ شاہی دو پشت بھی نہ چل سکی ، چاہ کن را چاہ در پیش ۔ بازار سے گذرتے ہوئے ہم ہوٹل کے لئے روانہ ہوئے اسی راہ میں کہیں آقائے رانندہ کے والدین کا گھر تھا فرمایا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو چند منٹ کے لئے والدین سے مل لوں ہم نے کہا کہ بسرو چشم ، کچھ فاصلے پر کار رکی انہوں نے فرمایا یہ میرے والدین کا گھر ہے (فارسی میں قیام گاہ کو منزل کہتے ہیں) ہم سے دریافت کیا چائے یا مشروب پینا پسند کریں گے ؟ ہمارا جواب تھا متشکر ، ضرورت نہیں ہے آپ والدین سے مل آئیں ۔ خیال تھا کہ دس پندرہ منٹ ضرور لگیں گے لیکن وہ حضرت محض پانچ منٹ میں واپس آگئے ، ڈِگی کھولی کچھ سامان رکھا اور ہوٹل کے لئے روانہ ہوگئے ۔ ہوٹل پہونچ کر ہم نے ان کا حساب کیا میرے خیال میں آج انہوں

نے کچھ زیادہ چارج کیا لیکن ان کی خدمات اور شائستگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم خاموش رہے اور ان کو منہ مانگی رقم ادا کر دی ۔ آقائے رانندہ نے ڈگی پھر کھولی اور ہم کو ایک بڑے گولڈن سیب کی قسم کا ایک پھل عنایت فرمایا، میں نے شکریہ ادا کیا اور پوچھا یہ ہے کیا؟ فرمایا اس کو بہہ کہتے ہیں زکام میں بہت مفید ہے ۔ فرمایا آپ مشہد جاتے ہوئے بھی زکام میں مبتلا تھے اور اب بھی وہی حال ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ کیسے کھاتے ہیں؟ انہوں نے بتایا تو مگر میں کچھ سمجھ سکا اور کچھ نہیں ۔ کمرے میں پہونچا تو خادمِ اطاق نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کہاں ملا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ آقائے رانندہ کی مہربانی ہے کہنے لگے بہت خوب شے ہے، میں نے دریافت کیا کہ کیسے کھاتے ہیں؟ فرمایا ابھی تیار کیئے دیتا ہوں (درست می کنم) چنانچہ کچھ دیر میں چھیل کاٹ کر دو پلیٹ میں لے آئے چکھا تو کھٹا میٹھا، مزہ نہیں آیا، لیکن دوا سمجھ کر دو تین بار میں سارا کھا لیا کہ شاید زکام کا علاج ہو جائے ۔ زکام ٹھیک نہ ہونا تھا نہ ہوا

مقام ہزار داستان اور بیدانہ

دوسرے دن آقائی رانندہ نے دریافت کیا کہ وہ پھل کھایا تھا؟ عرض کیا جی ہاں لیکن فائدہ تو نہیں ہوا پھر استفسار کیا کہ بیج بھی کھائے تھے کہ نہیں؟ میں نے عرض کیا وہ تو میں نے پھینک دیئے تھے ۔ کہنے لگے غضب کیا وہی تو فائدہ مند ہوتے ہیں باقی حصہ بیکار، کہنے لگے کہ میں مقامِ ہزار داستان یعنی والدین کے مکان اسی لئے گیا تھا لیکن محنت رائیگاں گئی مگر میرے پاس دوسرا ہے کل پیش کروں گا ۔ غالباً وہ بھول گئے یا گھر والوں نے کھا لیا پھر

اس کا ذکر نہیں ہوا ، شام کو وہ پھر تشریف لائے ہم نے شہر کی کچھ سیر کی اور واپس ہوٹل آگئے اگلے دن کا پھر پروگرام بنایا اور آقائے رانندہ کو اگلے دن دس بجے بلایا تاکہ قصر نیاوران کی سیر کو جا سکیں ۔ قصر نیاوران اس محل کو کہتے ہیں.جہاں رضا شاہ پہلوی قیام فرماتے تھے ۔

قصر نیاوران

۲۴ نومبر ۱۹۹۳ء صبح دس بجے ہم ہوٹل سے روانہ ہوئے ، ہمارا ہوٹل خیابانِ ولیء عصر سے ملحق کوچہء غفاری میں تھا ۔ کوچے سے نکل کر پیدل دو منٹ میں خیابانِ ولیء عصر تک پہونچ جاتے ہیں ۔ خیابانِ ولیء عصر کا پرانا نام خیابانِ پہلوی تھا ، قصرِ نیاوران شہر کے انتہائی شمال میں البرز کی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے (تہران کا نقشہ شامل کتاب ہے)ہم وہاں تک تقریباً چالیس پینتالیس منٹ میں پہونچے خیابان کے اس حصے کو.جہاں قصر واقع ہے خیابانِ نیاوران کہتے ہیں ،ہماری کار صدر دروازے پر رکی اور ہم پیادہ ہوگئے ، آقائی رانندہ نے فرمایا کہ ہم گیٹ پر رکے رہیں وہ بھی کار پارک کر کے ہمارے ہمراہ ہوں گے ۔ دیو قامت صدر دروازے پر لکھا ہوا تھا " جمہوریہء اسلامی ایران " ادارۂ کل کاخہا " کاخ موزۂ نیاوران " ، ہماری نظر گھڑی پر پڑی تو پونے گیارہ ہو چکے تھے علی زادہ یعنی آقائے رانندہ چند منٹ میں کار پارک کر کے آگئے ۔ پہلے ہم نے صدر دروازے کا فوٹو لیا تاکہ یادگار رہے ، پھر چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوئے دفتر پذیرش میں سامان جمع کرایا دفتر والوں نے فرمایا کہ اگر بیگ میں جیولری یا رقم ہو تو نکال لیں اور ساتھ رکھیں

چنانچہ اہلیہ نے اپنا بیگ ٹٹولا اور جو کچھ نکال سکتی تھیں نکال لیا - اب ہم عمارت یا ساختمان کی طرف چلے، عمارت صدر دروازے سے تین یا ساڑھے تین فرلانگ پر شروع ہوتی ہے۔ ہمارے بائیں جانب سائے دار چنار کے درخت قطار اندر قطار کھڑے تھے اور داہنے جانب وسیع و عریض سبزہ زار تاحدِ نظر تھا - ہوا میں خنکی اور تازگی تھی ایسی تازگی کہ طبیعت کو فرحت حاصل ہوئی اور ہم چاق و چوبند ہو گئے ایسا محسوس ہوا کہ ہم کسی اور دنیا میں آ گئے ہیں - عمارت کے دروازے پر پہونچے تو ہماری پذیرائی ہوئی ساتھ ہی حکم ہوا کہ پاپوش اتار دیں چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور اندر داخل ہوئے داخلے کا پروانہ پہلے ہی لے لیا تھا ایک خاتون سامنے آئیں اور اپنا نام میر کیانی خجستہ بتایا، کیانی کا نام سنتے ہی جسٹس کیانی مجھے یاد آ گئے اور ان کی پر لطف اور پر مغز کتابیں بھی، "زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے" میر کیانی خجستہ ہماری رہبری کے لئے ہمہ تن تیار تھیں، میں اہلیہ کے ساتھ تھا جناب علی زادہ کسی اور کے ساتھ ہو لئے لیکن ہر کمرے میں نظر آتے تھے - محترمہ خجستہ نے گفتگو کا آغاز فارسی سے کیا پھر چند جملے انگریزی کے بھی بولیں ساتھ ہی گویا ہوئیں کہ اردو بھی کم کم جانتی ہوں میں نے پوچھا اردو کیسے جانتی ہو؟ کہنے لگیں کہ کچھ دن کوئٹہ میں قیام کیا ہے میں نے اہلیہ سے مخاطب ہو کر کہا لیجئے آپ کی مشکل حل ہو گئی انہوں نے خجستہ کو گلے لگا لیا پھر پورے وقت اردو میں گفتگو ہوتی رہی - ہم جیسے ہی محل میں داخل ہوئے بائیں جانب مختلف نقوش کے قدیم و جدید قالین نظر آئے ایک سے ایک اعلیٰ، جی چاہتا تھا کہ دیکھتے ہی رہیے - ان قالینوں میں ایک قالین ایسا بھی تھا جس پر ایران کے تمام بادشاہوں کی

تصاویر بنی ہوئی تھیں اور ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے ایسا ہی ایک قالین
میرے پاس بھی ہے میں نے سوچا کہ وطن پہونچتے ہی اس کی فروخت روک
دوں گا اب نہ سہی سو پچاس سال بعد ایک نایاب شے ہو گی دوسری جانب
اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر، کراکری ڈیکوریشن (سجاوٹ) کی اعلیٰ اشیاء اور دنیا کے
کونے کونے سے لائی ہوئی نادر چیزیں ان اشیاء میں تھیں۔ جس شے نے مجھے
زیادہ محظوظ کیا وہ ایک سنگِ مرمر کا گھوڑا تھا اور وجہ اس مسرت کی یہ تھی
کہ یہ خوبصورت گھوڑا ساختہ پاکستان تھا اس کے علاوہ بھی پاکستان کی بنی
ہوئی کچھ اور اشیاء بھی نظر آئیں۔ دیکھنے کو وہاں لاکھوں چیزیں تھیں، حیران
ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں، کن کن چیزوں کا ذکر کروں بہر حال
چند کا ذکر کر رہا ہوں۔ کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے تو ایسا لگتا تھا کہ گویا
کھانا میز پر چنا ہوا ہے اور مہمان آنے ہی والے ہیں۔ ہر چیز قاعدے اور قرینے
سے لگی ہوئی ہے۔ مہمانوں کا کمرہ بھی دیکھا، کیا آن بان اور شان تھی۔
آرائش کا کمرہ بھی دیکھا شہنشاہ کا الگ اور ملکہ کا الگ، دنیا کی کوئی شے نہ تھی
جو وہاں موجود نہ ہو، شاہ کی پوشاک اس طرح سجی ہوئی کہ وہ ابھی پہننے
والے ہوں، یہی حال ملکہ کے لباس کا تھا سجاوٹ کی چیزیں، خوشبویات
سب کچھ موجود تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا شاہ اور ملکہ ابھی ابھی محل سے
روانہ ہوئے ہیں اور کسی وقت واپس آجائیں گے، سجا ہوا مکان تو تھا مگر
مکیں نہ تھے، خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں۔ میوزیم کے
اراکین نے نہ کسی چیز کو تلف کیا ہے اور نہ چھیڑا ہے نہ ہی کوئی ردو بدل کیا ہے
ہاں شاہ کا تاج اور ملکہ کا تاج، محل سے ہٹا کر بینک ملی ایران میوزیم میں

بغرض حفاظت رکھ دیا گیا ہے ۔ ملکہ کی چھتری بھی ان کے کمرے میں قرینے سے رکھی ہوئی ہے ، چھتری کی تیلیوں پر بھی ہیرے جواہرات خوبصورتی سے جڑے ہوئے ہیں ، بچوں کے کمروں کا بھی یہی حال تھا آسائش کا سارا سامان اور کھلونے وغیرہ بھی اپنی آب و تاب دکھا رہے تھے ۔

محل کی عمارت تو بہت بڑی نہیں معلوم ہوئی محض دو منزلہ ہے لیکن اس کی صفائی و چمک دمک کا کیا کہنا ۔ یہ محل ایک بہت وسیع و عریض میدان میں ہے جہاں سے شہنشاہ اپنا ذاتی ہوائی جہاز بھی اڑایا کرتے تھے ۔ ہم نے تقریباً دو گھنٹے وہاں گذارے باہر نکلے تو تازہ ہوا نے اپنا کام دکھایا اشتہا نے تیزی دکھائی اور کھانے کی طلب فزوں تر ہوئی ، علی زادہ ہمیں ایک ریستوران (Rrstaurant) میں لے گئے جہاں ہم نے خوب کھانا کھایا اور کچھ دیر وہیں آرام کیا کیونکہ ہم کو دو بجے بینک ملی ایران میوزیم جانا تھا جس کے کھلنے کے اوقات دو بجے سے ساڑھے چار بجے تک ہیں ، ہم تقریباً ڈہائی بجے وہاں پہونچ گئے ۔ علی زادہ نے ہمارے لئے تین ٹکٹ خریدے اور ہم زینہ اتر کر میوزیم جو تہہ خانے میں ہے داخل ہوئے ۔ چھوٹے موٹے اخراجات علی زادہ ہی کے ذمے تھے اور واپسی پر ہم حساب بیباق کر دیتے ۔ میوزیم میں کیا کچھ دیکھا اس کا بیان کرنا مشکل امر ہے ، کچھ کا ہی ذکر غنیمت سمجھئے اور اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ وہاں کیا کچھ نہ ہوگا ۔ ہر شے قرینے سے شیشوں کی الماریوں میں سجی ہوئی ہے ، الماریوں کو ہاتھ لگانا منع ہے ، آپ کا ہاتھ لگا نہیں کہ الارم بجنا شروع ہو جائے گا اور محافظ الرٹ ہو جائیں گے ۔ آپ کا ہاتھ ہٹا اور الارم بند ، اگر ایک منٹ سے زیادہ الارم بجتا رہے تو باہر نکلنے کے تمام

دروازے ازخود بند ہوجاتے ہیں ۔

تخت نادری

سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑی وہ تختِ شاہی تھا یعنی تختِ نادری (جس کی تصویر اس کتاب کی زینت ہے اور آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں) یہ تخت ۱۷۹۸ء میں تیار ہوا تھا اس میں چھبیس ہزار سات سو تینتیس قیمتی جواہرات لگے ہوئے ہیں ساتھ ہی ایک جغہء زرین ہے جس میں بیش بہازمرد، ہیرے یاقوت (روبی) اور دیگر قیمتی پتھر خوبصورتی سے جڑے ہوئے ہیں ، جغہ صفوی دور کا یعنی ۱۵۰۲ء تا ۱۷۳۶ء کے درمیان کا ہے ۔

تاج کیانی

یہ تاج قاچار دور کا ہے اور فتح علی شاہ کے لئے بنوایا گیا تھا یعنی ۱۷۹۸ء تا ۱۸۳۴ء کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے اس میں بے شمار ہیرے ، جواہرات اور مختلف قسم کی قیمتی اشیاء لگی ہوئی ہیں اس تاج کا وزن سات پونڈ ہے ۔

دریائے نور

یہ اس میوزیم کی سب سے گراں قدر شے ہے یہ ۱۸۲ کیراٹ کا ہیرا ہے جو ہر وقت چمکتا دمکتا رہتا ہے اسی وجہ سے اس کو دریائے نور کہتے ہیں ۔

تاج رضا شاہ

یہ تاج ۱۹۲۴ء میں رضا شاہ کے لئے بنایا گیا تھا اس میں کل تین ہزار

سات سو پچپن اقسام کے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں ان ہیرے جواہرات کا وزن دو ہزار کیرات ہے ۔

تاج فرح

یہ تاج ۱۹۶۷ء میں ملکہ فرح کے لئے بنایا گیا تھا ، یہ بھی ہیرے جواہرات سے مزین ہے ، اب نہ تو رضا شاہ بقیدِ حیات ہیں اور نہ ہی ملکہ فرح ملکہء ایران ہیں ۔ یہ دونوں تاج اب میوزیم کے تاج ہیں اور یادِ کہنہ ہیں ۔ رضا شاہ نے فرار سے پہلے کئی بار کوشش کی کہ اپنا ، ملکہ فرح اور بیٹے کا تاج ساتھ لے جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے کیوں کہ یہ تینوں تاج کاخِ نیاوران کے بجائے بینک ملی کے تہہ خانے میں تھے اور بینک ملی کے کارکنان جن کے پاس آہنی دروازوں کے کوڈ نمبر تھے زیرِ زمین چلے گئے اس طرح یہ تینوں تاج ملک ہی میں رہے ۔ یہ محض چند اشیاء ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے ، یہ ان اشیاء کا عشرِ عشیر بھی نہیں جو وہاں میوزیم کی زینت ہیں ۔ ہم نے تقریباً دو گھنٹے وہاں گذارے اور پھر واپس اپنے ہوٹل کے لئے روانہ ہوگئے ۔ آج علی زادہ کا دن تھا سارا دن ہمارے ساتھ رہے ، جی بھر کر سیر کی اور جیب بھر کر گھر لوٹے اللہ تعالیٰ سب کو اچھا دن دکھاتا ہے ۔ ہوٹل پہونچ کر طے پایا کہ علی زادہ کل پھر دس بجے آئیں گے اور تہران کے دیگر اہم مقامات کی سیر ہوگی ۔

علی زادہ سرِ وقت یعنی ٹھیک ساڑھے نو بجے آدھمکے ، ہم تیار بیٹھے ان ہی کے منتظر تھے ۔ آج شہر کے بازار دیکھنا تھے ، خصوصاً بازارِ قالی ۔ پہلے ہم ایک طغرے کی فروشگاہ میں داخل ہوئے ، دس پندرہ منٹ وہاں گذارے مگر

کوئی چیز دل کو نہ بھائی، بعد ازیں علی زادہ قالین کی نمائش گاہ لے گئے بڑا اسٹور تھا، اعلیٰ قسم کے قالین تھے لیکن بہت گراں، ہم نے دو چھوٹے قالین پسند کئے اور عرض کیا کہ اس سے بہتر اور مناسب قیمت پر اگر دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوئے تو کل پھر آپ کے اسٹور پر واپس آئیں گے، ورنہ نہیں۔ دکان دار نے اپنے تئیں پوری کوشش کرلی کہ ہم قالین خرید کر ہی نکلیں، لیکن آخر ہم بھی تو اسی دشت کے سیاح ٹھہرے، اسے کیا معلوم کہ ہم خود قالین والے ہیں اور قالین کے رگ و ریشے سے بخوبی شناسا ہیں۔ وہاں سے سیدھے بازار قالی روانہ ہوئے، کچھ دیر میں وہاں پہونچ گئے، یہ ایک دو منزلہ بازار ہے، یہاں صرف قالینوں کی دکانیں ہیں، اہلیہ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور عرض کیا کہ بازار میں کہاں گھومتی پھریں گی۔ نصف یا پون گھنٹے میں ہم واپس آجائیں گے، وہ مطمئن ہوگئیں کہ سکون سے بیٹھنے کو ملا۔ پہلے ہم نے سطحی منزل (گراؤنڈ فلور) کی تمام دکانیں چھان ماریں، قیمت کا اندازہ لگایا، آخر کار ایک قالیچہ یعنی قالین کا بچہ تین فٹ ضرب ڈیڑھ فٹ ابریشم کا خرید لیا۔ قیمت ڈالر میں ادا کی، سیلز مین نے پیک کیا اور ہماری خدمت میں پیش کیا مبارک باد دی، ہماری طرف دیکھتے رہے، ہماری طرف سے خاموشی دیکھ کر علی زادہ نے فرمایا ان کو انعام دیجئے کہ یہی یہاں کا دستور ہے اور ایرانی ثقافت کا جزو۔ میں نے پوچھا کہ کیا دیا جائے؟ فرمایا یہی کچھ ہزار۔ یا پانچ سو ریال، میرے پاس پانچ سو ریال کا نوٹ نہ تھا، میں نے ان کی خدمت میں ایک ہزار ریال کا نوٹ پیش کیا وہ خوش ہوگئے، فرمایا رحمت شما زیاد، سایہ شما مستدام، میں بھی خوشی محسوس کرنے لگا، دل میں آیا کہ ایک ہزار ریال

یعنی کم و بیش بیس روپے میں اتنی بہت سی دعائیں ملنا کوئی مہنگا سودا ہرگز نہیں۔ بعد ازاں ہم بالائی منزل سے نیچے آگئے، وہاں گھومتے پھرتے رہے ایک چھوٹا قالین اور پسند آگیا اسے بھی خرید لیا اس بار ہم نے سیلز مین کو از خود ایک ہزار ریال کا نوٹ پیش کیا اور اسی طرح شیریں دعائیہ کلمات سے محظوظ ہوئے، ایرانی عام طور سے شیریں کلام بھی ہیں اور شیریں زبان بھی۔

موزۂ ملی ایران

بازار سے واپسی پر موزۂ ملی پہونچے، آقائے علی زادہ نے پروانۂ داخلہ لیا اور ہم اندر داخل ہوئے، ہم ابھی اندر گئے ہی تھے، کہ ایک جانب بہت سے اسکول کے بچے قطار میں نظر آئے جو ایک ایک چیز کو بغور دیکھ رہے تھے، ان کے ساتھ ان کی استانی بھی تھیں جو ان کی رہنمائی کر رہی تھیں، اسی دوران علی زادہ نے فرمایا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنے بھانجے سے مل لوں جو ان بچوں میں شامل ہے، میں نے کہا کہ بسر و چشم کون ہے تمہارا بھانجہ وہ بچوں کی طرف گئے، بچے کو دیکھا۔ استانی سے اجازت طلب کی اور بچے کو لے کر میرے پاس آگئے۔ بچے نے نزدیک آکر ادب سے سلام کیا، میں نے دعائیں دیں اور سر پر دستِ شفقت پھیرا اور چپکے سے اس کی جیب میں کچھ ریال ڈال دیئے، اس نے انکار کیا لیکن اپنے ماموں کی اجازت سے قبول کر لئے، اور واپس اپنی صف میں جاکھڑا ہوا۔ اصل میں ہم میوزیم میں داخل ہورہے تھے اور وہ بچے گھوم پھر کر واپس جارہے تھے، ہم بھی ان کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں ان کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں، میں تو یہ دیکھ کر

حیران رہ گیا کہ ہر بچہ باہر جانے سے پہلے علی زادہ اور مجھ اجنبی سے ہاتھ ملاتا، میری طبیعت بہت خوش ہوئی کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی اسلامی انداز ہے ۔ مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ میری اہلیہ جو قدرے فاصلے پر تھیں بچوں کی یہ حرکات و سکنات دیکھ سکیں یا نہیں ۔ بعد میں جب میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگیں بڑے معصوم و شائستہ بچے تھے ، دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی فرمایا تعلیم تو ضروری ہے ہی مگر تربیت اس سے بھی اہم ہے ۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت اگر نہ ہو تو آدمی ادھورا ہی رہتا ہے ۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میوزیم کے بارے میں کچھ بتایا جائے یہ میوزیم کافی وسیع اور عریض ہے اور دو منزلہ ہے ۔ یہ میوزیم مختلف حصوں میں تقسیم ہے مثلاً (۱) تاریخ سے قبل کا حصہ (۲) قدیم تاریخی اشیاء کا حصہ (۳) اسلامی دور کی اشیاء کا حصہ (۴) پرانے سکے اور مہروں کا حصہ (۵) کتاب خانہ (۶) چوبی کام کی اشیاء اور (۷) دیگر دوسری دھاتوں کا حصہ ۔ علاوہ ازیں بہت سی قسم کی اشیاء ہیں جن کو دیکھنے کے لئے بہت وقت درکار ہے ، جو کچھ ہم نے دیکھا ان میں سے چند کی تصاویر نذرِ قارئین ہیں ، (۱) مٹی کا پیالہ تقریباً چار ہزار سال ق ۔ م (۲) چاندی کا پیالہ جس پر خط تصویری کندہ ہیں دو/ تین ہزار سال ق ۔ م ، جب حروفِ تہجی وجود میں نہیں آئے تھے تو تصویروں کے ذریعے اظہارِ خیال ہوتا تھا اسی لئے ایسی تصاویر کو خط تصویری کہتے ہیں ۔ تقریباً تین ہزار سال ق ۔ م (۳) آہنی بیل اور ہل تقریباً دو ہزار سال ق ۔ م (۴) سونے کے دو عدد شیر ۱۳۲۲ء (۵) آل بویہ کے دور کا ریشمی کپڑا یعنی چوتھی صدی ہجری اور (۶) کرۂ فلکی ۵۳۵ ھ ، یہاں تو ہزارہا اشیاء موجود

ہیں ۔ کن کن کا ذکر کروں ، جو لوگ تہران جاتے ہیں ان کو اس میوزیم کو ضرور دیکھنا چاہیئے ، چلتے چلتے ہم نے ایک کتابچہ خرید لیا تاکہ بعد میں یہ ہماری رہنمائی کرسکے ۔ دیر خاصی ہو چکی تھی ہم نے علی زادہ سے عرض کیا کہ واپس ہوٹل چلئے ، جلد ہی ہوٹل واپس ہو گئے ، ہوٹل پہونچ کر ان کو رخصت کیا اور خود ہم نے ہوٹل میں لنچ کیا اور آرام کیا کیونکہ کل قم روانگی کا پروگرام تھا ، شام کو پیدل ہی گھومنے نکلے ۔ چند منٹ میں خیابان ولی عصر پہونچ گئے ، اسی خیابان پر ایران کا مشہور ڈیپارٹمنٹل اسٹور (Departmental Store) واقع ہے اسٹور کا نام " مجتمع فروشگاہ ھائی زنجیرہ رے قدس " نام تو بہت مشکل اور بڑا ہے لیکن اگر آپ وہاں تشریف لے جائیں تو آسانیاں بھی بہت ہیں ۔ یہ غالباً چار منزلہ عمارت ہے ، ہم چار منزل تک ہی پہونچ سکے تھے کہ کافی دیر ہوگئی تو واپس آگئے ۔ داخلے کا دروازہ خیابان ولی عصر پر ہے اور باہر آنے کا دروازہ ایک کوچے میں ، کوچے کا نام بتا نہیں سکتا کہ فراموش کر چکا ہوں ، آسانسور یعنی خودکار زینے کا انتظام ہے ، ہم منزل بہ منزل اشیاء محض دیکھتے رہے اور قیمتوں کا بھی اندازہ لگاتے رہے ۔ آج کچھ خریداری کا ارادہ بھی نہ تھا صرف ونڈو شاپنگ کے لئے نکلے تھے ، دوسرے یہ کہ ہمارے پاس ریال تقریباً ختم ہو چکے تھے ، چلتے چلتے پھر بھی اہلیہ نے دو جوڑے جراب کے خرید لئے ، اس طرح اتنے بڑے اسٹور میں آنے کی لاج رکھ لی ، ہم نے خیابان ولی عصر عبور کیا تاکہ ہوٹل کا رخ کریں ۔

ایک عجیب واقعہ

ہم ہوٹل کی جانب خراماں خراماں چل رہے تھے کہ ایک واقعہ پیش

آیا ، واقعہ گو معمولی نوعیت کا ہے لیکن لکھنے کو دل نے آمادگی ظاہر کی تو پیش کررہا ہوں ۔ ہوا یوں کہ ایک آقائے نابینا کوئی ساز چھیڑتے ہوئے اسی طرف جارہے تھے جدھر ہمارا رخ تھا ، ایک معصوم بچہ ان کے ساتھ تھا جس کے سہارے وہ چل رہے تھے ۔ ساز سے کچھ درد بھری لے آرہی تھی ، بچے کو دیکھ کر اور ساز سن کر میرا دل بھر آیا ، خیال ہوا ممکن ہے کہ ان کا بڑا بچہ ایران و عراق جنگ میں شہید ہوگیا ہو ، یہ خود بیچارے نابینا ہیں ، خود داری اس حد تک ہے کہ دستِ سوال پھیلا نہیں سکتے ۔ یہ خیال شاید میرا وہم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ایسے مستحقین کی حکومت خود معقول دیکھ بھال کرتی ہے ، میرے جذبۂ ہمدردی نے میرے قدم آہستہ سے آگے بڑھائے میرے پاس جو کچھ ریال بچ رہے تھے میں نے ان نابینا کی جیب میں ڈال دیئے اور ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر واپس اپنی جگہ پر آگیا ، ابھی چند منٹ مشکل سے گذرے ہوں گے کہ ہم ایک گلی کے نکڑ پر تھے ، یکایک ایک کار خیابانِ ولی عصر کی طرف سے آئی اور اس گلی میں چلی گئ میرے داہنے پاؤں کے پنجے کے اوپر سے اس کار کا پہیہ گذر گیا ، میری اہلیہ نے دیکھ لیا اور ان کی چیخ نکل گئ ، میں نے حواس قائم رکھتے ہوئے کہا کہ کچھ نہیں ہوا ، میں نے چل کر دکھایا تو انھیں اطمینان ہوا ، یہ حقیقت ہے کہ کار کا پہیہ میرے پاؤں پر سے گذرا اور مجھے پورا احساس بھی ہوا اور قدرے تکلیف بھی لیکن میں بالکل محفوظ رہا ۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے کرم کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے ، دل میں یہ خیال ضرور گذرا کہ صدقات اور مخلوقِ خدا کی اعانت بھی بہت اہم ہے ، اور انسان کو بڑی آفات سے بچاتی ہے ۔

فروش گاہیں اور حجاب

واپسی پر ہمارا گذر بہت سی فروشگاہوں یعنی (Stores) سے ہوا دو ایک اسٹور میں داخل بھی ہوئے لیکن کوئی چیز خرید نہ سکے۔ آپ ایران کے کسی اسٹور میں داخل ہوں، ذیل کی عبارات میں سے کوئی نہ کوئی عبارت اپنی طرف متوجہ کرے گی جو جلی حروف میں خوبصورتی سے لکھی ہوتی ہیں :۔

(۱) حجابِ اسلامی را رعایت بفرمایند۔

(۲) رعایت حجابِ اسلامی الزامی است (یہاں رعایتِ لفظی سے کام لیا گیا ہے)

(۳) لطفاً با رعایتِ حجابِ اسلامی داخل شوید۔

(۴) حجابِ اسلامی لازم است۔ علاوہ ازیں بہت سے سلوگن (Slogans) لکھے نظر آئیں گے، ان سب کے معانی ہیں کہ خواتین پردے کا لحاظ رکھیں۔ یہ وہی تہران ہے جہاں انقلاب سے پہلے کوئی پردے دار خاتون نظر نہ آتی تھی، اگر کہیں پردہ تھا تو مردوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا، عریانی اور بے حیائی عام تھی جو اب کہیں نظر نہیں آتی، اب پردہ بھی قائم ہے اور کاروبارِ زندگی بھی رواں دواں ہے۔

بے پردہ آئیں کل جو نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

ایرانی حجاب

پردے پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن علماء کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے۔ میرا خیال ہے اصل پردہ (حجاب) وہی ہے جو خواتین حج اور عمرے کے دوران اختیار کرتی ہیں جو ایک اہم عبادت ہے، اہل ایران نے اسی کو مستقل طور پر اپنالیا ہے، حجاب کی شرعی حیثیت بھی پوری ہوتی ہے اور کاروبارِ زندگی بھی مفلوج نہیں ہوتا۔

قم کے لئے روانگی

آج ہم کو "قم" یعنی شہر دانشوران و دانش جویان اور مدفن بی بی فاطمہ خواہر امام علی الرضا علیہ السلام جانا ہے ۔ علی زادہ وقتِ مقررہ پر حسبِ عادت حاضر ہوئے اور اپنے پہونچنے کی اطلاع دی ، ہم بھی تیار اور منتظر تھے ۔ اپنا سوٹ کیس ہوٹل کی انتظامیہ کے سپرد کیا اور صرف ایک بیگ میں مختصر سامان رکھ کر چل پڑے کیونکہ قم میں محض ایک شب قیام کرنا تھا ، ہم نے علی زادہ سے طے کر لیا تھا کہ قم میں وہ بھی ہمارے ساتھ قیام کریں گے ، ان کے قیام و طعام کا خرچ ہم نے اپنے ذمے لے لیا تھا گرچہ اس کا اظہار ان سے ہنیں کیا تھا ۔ علی زادہ سے آمد و رفت کا کرایہ ۷۰,۰۰۰ (ستر ہزار) ریال یا ۷۰۰۰ (سات ہزار) تومان یعنی تقریباً ۱۵۰۰ (پندرہ سو) روپے طے پایا تھا ۔ ان کے طعام قیام کے کل اخراجات اخلاقاً ہم نے اپنے ذمے لے لئے تھے ، چونکہ علی زادہ قم عموماً آتے جاتے رہتے ہیں ، حالات و مقامات سے بخوبی واقف بھی ہیں ، ان کی یہ معلومات ہمارے لئے کافی مفید ثابت ہوئیں ۔ ہوٹل کارون ، تہران میں ہم نے "قم" کے ہوٹلوں کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے ہوٹل "کوثر" کی سفارش کی تھی لیکن ان کی یہ بات مناسب ثابت ہنیں ہوئی کیونکہ "ہوٹل کوثر" کا انتظام ہنایت ناقص نکلا ، جس نے ہم لوگوں کو بہت مایوس کیا ، کمرے کا کرایہ تیس ڈالر یعنی تقریباً وہی جو تہران میں ہے لیکن سہولتیں مفقود ۔ چونکہ ہم کو صرف ایک شب کا کچھ ہی حصہ وہاں گذارنا

تھا زیادہ وقت تو زیارات اور مختلف مقامات دیکھنے میں صرف کرنا تھا لہذا جیسے تیسے اس ہوٹل سے نباہ کرلیا، علی زادہ نے بھی اسی ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل والوں نے علی زادہ سے صرف پانچ ۵ ڈالر کرایہ لیا۔ وہاں کا دستور ہے کہ مسافروں سے پورے اخراجات وصول کرتے ہیں اور ڈرائیوروں سے برائے نام، لیکن لیتے ضرور ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگے۔

"قم" جاتے ہوئے راستے میں مقبرۂ حضرت امامِ خمینیؒ اور بہشتِ زہرا بھی حاضری دینا تھی تاکہ وہاں بھی فاتحہ و درود پڑھ سکیں۔ ہوٹل سے نکل کر مختلف خیابانوں سے گذرتے ہوئے ہم لوگ باہر نکلے اور مقبرۂ خمینیؒ پر حاضر ہوئے۔ بہشتِ زہرا شہر کے بالکل جنوب میں بیرونِ شہر واقع ہے۔

احوال مقبرۂ خمینیؒ

مقبرۂ امامِ خمینیؒ شہر سے باہر ایک وسیع و عریض میدان میں واقع ہے۔ بیرونِ شہر تہران کا سب بڑا قبرستان ہے جو بہشتِ زہرا کہلاتا ہے، اسی علاقے میں واقع ہے۔ اس قبرستان میں شبِ جمعہ کثرت سے لوگ آتے ہیں اور اپنے مرحومین کی قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ بہشتِ زہرا کی دوسری جانب وسیع اور عریض میدان کے وسط میں ایک بہت بڑا ہال ہے، اسی ہال کے وسط میں امام خمینیؒ کی قبر ہے، جس پر ضریح تعمیر کی گئی ہے، ضریح اور قبر کے اوپر ایک بلند و بالا طلائی گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔ جو دور ہی سے نظر آتا ہے اور دلفریب منظر پیش کرتا ہے۔ ہال کے اندر قبلہ رخ پر دو بڑے ایوان بنائے گئے ہیں اور راہ داریاں بھی۔ یہ تمام علاقہ ہر وقت مرد و زن سے بھرا

رہتا ہے لیکن عورتوں اور مردوں کا حصہ الگ الگ ہے، اور راستے بھی جدا جدا ہیں - یہاں لوگ ہمہ وقت تلاوت و نماز میں مشغول رہتے ہیں، پورے فرش پر ایرانی (مشینی) قالین بچھے ہوئے ہیں - ہال سے باہر وہیل چیئر (Wheel Chair) بھی خاصی تعداد میں مہیا کی گئی ہیں - یہ سہولت ان حضرات کے لئے ہے جو جنگِ ایران و عراق میں زخمی ہوگئے تھے یا ایسے حضرات جو چلنے پھرنے سے معذور ہیں، جس وقت ہم وہاں پہونچے کچھ زخمی نوجوان ان کرسیوں کے سہارے قبرِ خمینیؒ کی طرف جارہے تھے، یہ سب کے سب وہ نوجوان تھے جنھوں نے ملک و ملت کی خاطر اپنے اعضاء کٹوا دیئے لیکن اپنی آن پر آنچ نہ آنے دی، وہ تو خوش نظر آرہے تھے، اور اپنی قربانی پر فخر کررہے تھے لیکن ان کی یہ حالت دیکھ کر ہمارا دل بھر آیا کہ ایک دشمنِ اسلام نے دو مسلم ممالک کو آپس میں لڑادیا اور اس طرح لاکھوں مسلمان لقمۂ اجل ہوگئے اور بڑی تعداد میں زخمی ہوگئے، ہم نے خمینیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور دل گرفتہ باہر آگئے - مقبرے کے ساتھ بہت بڑا میدان ہے جہاں تعمیری کام جاری ہے، مسجد کے علاوہ کتب خانے کی عمارت، دانشگاہِ اسلامی اور دیگر مختلف عمارتوں پر کام سرعت کے ساتھ ہورہا ہے، امید ہے کہ آئندہ چند برسوں میں یہ وسیع و عریض میدان عمارتوں میں تبدیل ہوجائے گا اور دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ زیارت کے لئے آئیں گے اور ساتھ ہی حصولِ علم کا یہ بہت بڑا مرکز ہوگا - مقبرۂ خمینیؒ سے باہر آکر ایک کیبن (Cabin) سے چائے لے کر جو لب ریز و لب سوز اور بھینی خوشبو

والی تھی ہم نے شغل کیا، اور مزے سے پی اور بدن میں چستی محسوس کی۔ علی زادہ نے کچھ خشک بیج خریدے اور "قم" کے لئے روانہ ہوگئے۔ راہ میں علی زادہ گاڑی بھی چلاتے رہے اور ساتھ ہی نہایت چابکدستی سے بیج چھیلتے اور کھاتے رہے اور ہماری حیرانی شامل حال رہی کیونکہ ہم اس شغل میں چند دانوں سے آگے نہ بڑھ سکے، البتہ ہم چنوں (یعنی چھولوں) سے ضرور شغل کرتے رہے۔ ایران میں چنے مختلف طریقوں سے کھاتے ہیں، اور خوب کھاتے ہیں، یہاں سے روانہ ہونے کے چند منٹ بعد ہی ایک بے آب وگیاہ میدان میں داخل ہوئے، سڑک کے دائیں جانب اونچی نیچی پہاڑیاں اور ٹیلے اور بائیں جانب ریتیلے میدان۔ ابتدائی حصے میں ہم نے دیکھا کہ سڑک کے دونوں جانب شجر کاری ہو رہی ہے اور ان میں بذریعہ ٹینکر (Tanker) پانی دیا جارہا ہے، امید ہے کہ کچھ عرصے کے بعد جب یہ درخت بڑے ہوں گے تو سایہ دار بن جائیں گے اور مسافروں کے لئے وجہِ سکون اور فرحت افزاء ہوں گے۔ راستے میں علی زادہ فرمانے لگے یہاں سے دریائے چہ قم گذرتا ہے، یہ الفاظ موصوف نے اتنی تیزی سے ادا کئے کہ ہم سمجھ نہ سکے، ہم نے ان سے مکرر ارشاد کہا اور یہ بھی کہا کہ ذرا الفاظ رک رک کر اور جدا جدا ادا کریں تاکہ ہماری سمجھ میں بھی کچھ آئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے دو تین بار ان الفاظ کو دہرایا تب جاکر ہم سمجھ سکے کہ بائیں جانب میدانی علاقے میں ایک چھوٹا دریا ہے جس کو دریائے چہ قم کہتے ہیں اور اس کا پانی شور یعنی "کھاری" ہوتا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ اس ندی کا پانی کیوں کھاری ہوتا ہے، ہم تو اب

تک یہی سمجھتے تھے کہ سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے ، فرمانے لگے کہ سردیوں کے موسم میں برف باری ہوتی ہے ، اور تھوڑی بہت بارش بھی ، سارا علاقہ شورزدہ ہے ، اور دشتِ کاویر (Dasht-e-Kavir) کا حصہ ہے ، گرمیوں کے موسم میں بلا کی گرمی پڑتی ہے ، زیادہ تر پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے اور باقی ماندہ ، شور یعنی نمکین ہو جاتا ہے ، اسی دشت میں قم سے ذرا پرے ایک ذخیرۂ آب ہے جس کو دریائے چہ نمک کہتے ہیں دریائے چہ قم اسی ذخیرۂ آب سے نکل کر قم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے - پانی بہت ہی نمکین (شور) ہے زمین بھی ریگستانی ہے ، اس چھوٹے دریا کو دریائے چہ قم کہنے کی یہی وجہِ تسمیہ ہے ، پانی پینے کے قابل نہیں ہے لیکن چند دیگر کاموں میں استعمال ہوتا ہے

"قم"

ایران میں مشہدِ مقدس کے بعد یہ دوسری بڑی زیارت گاہ ہے جس کی فضاؤں میں پاکیزگی اور روحانیت پائی جاتی ہے اور اس شہر کو معصومۂ قم کا شہر کہا جاتا ہے ، یہیں معصومۂ قم یعنی خواہرِ حضرتِ امامِ علی رضا علیہ السلام مدفون ہیں ، تہران سے قم تک نہایت عمدہ سڑک ہے ، گو کہ علاقہ ناہموار اور غیر مسطح ہے اور اسی باعث کار سے یہ سفر تقریباً دو گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے ، بس میں تقریباً اس سفر میں ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے ہیں - شہر قم کوہِ الوند اور کوہِ دماوند کے درمیان واقع ہے - یہ بہت ہی قدیم شہر ہے ، ظہورِ اسلام سے صدیوں قبل آباد چلا آرہا ہے اور زمانے کا سرد و گرم چشیدہ ہے -

---

فارسی میں سمندر کو دریا کہتے ہیں اور دریا کو رود خانہ یا رود کہتے ہیں - دریا چہ یعنی چھوٹا سمندر یہ چھوٹی جھیل کو بھی کہتے ہیں جیسے صندوقچہ ، کتابچہ اور باغیچہ وغیرہ

قدیم آبادی زرتشتی یعنی آتش پرست تھی، قم میں کچھ آتش پرست جنھیں عرفِ عام میں پارسی کہا جاتا ہے آباد ہیں اور ان کا قدیم آتش کدہ اب بھی موجود ہے ان کو پورا پورا تحفظ حاصل ہے، تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد پیشدا دیان خاندان کے تیسرے بادشاہ طہمورس نے رکھی تھی، فردوسی کے شاہنامے میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، لیکن اس شہر کی ترقی ۸۳۰ ھ سے شروع ہوئی جب اہلِ کوفہ کا ایک گروہ یہاں آباد ہوا، جس کو عموماً اشعری کہا جاتا ہے - اشعریوں کے یہاں آباد ہونے کے بعد ترقی کے راستے نکلے اور آج " قم " ایران کے مشہور اور اہم شہروں میں شمار ہوتا ہے - تیموری دور اس کے لئے مصیبت کا دور تھا لیکن صفوی دور سے برابر ترقی کی منزلیں طے کرتا آرہا ہے - اہلِ قم ہمیشہ سے اسلام پسند اور آلِ رسولؐ کے پیروکار رہے ہیں، حصولِ علم اور ترویجِ علم ان کا وطیرہ رہا ہے - یہی وجہ ہے کہ قم شہر کو، شہر دانشوران اور دانش جویان کہا جاتا ہے - اس شہر کی شہرت کی دو وجوہ خاص ہیں، پہلی وجہ مدفنِ معصومۂ قم اور دوسری وجہ یہاں کی غیر معمولی تدریسی و سیاسی سرگرمیاں ہیں -

معصومۂ قم

حضرتِ فاطمہؑ جو معصومۂ " قم " کے نام سے مشہور ہیں ساتویں امام حضرتِ موسیٰ بن جعفرؑ کی دختر اور آٹھویں امام حضرتِ امام علی رضاؑ کی بہن ہیں - تاریخ شاہد ہے کہ ہارون رشید عباسی نے امام موسیٰ بن جعفرؑ کو بغداد

میں قید کر رکھا تھا، حضرتِ امام موسیٰ بن جعفرؑ نے ۱۸۳ھ میں بغداد میں انتقال فرمایا، اس کے بعد ہارون رشید کے بیٹے مامون رشید نے جناب امام علی رضاؑ کو مدینے سے خراسان دعوت دے کر بلوایا۔ دو سال بعد ۲۰۲ھ میں حضرتِ فاطمہؑ بھائی سے ملنے خراسان کے لئے روانہ ہوئیں لیکن قم سے پہلے ساوہ (Sava) پہونچیں تو علیل ہو گئیں اسی حالت میں آپ قم میں داخل ہوئیں، اور سترہ دن بعد قم میں انتقال کر گئیں اور بھائی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اہلِ قم کو جب پتہ چلا کہ آپ امام علی رضاؑ کی بہن ہیں تو بڑی عقیدت و احترام سے دفن کیا۔ آپ کا سِن، موت کے وقت بائیس سال تھا۔ آپ کی شادی ہنیں ہوئی تھی۔ حضرت معصومہؑ قم کی شان میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

بنتِ شاہِ اولیاء موسیٰ بن جعفر فاطمہؑ
کہ کند روح القدس بیرونِ درگہ چاکری

529ھ میں شاد بیگی بیگم دختر عماد بیگ کے حکم سے طلائی گنبد اور سنگِ مرمر سے مزار کی تعمیر ہوئی بعد ازاں مزید تعمیر اور ترمیم ہوتی رہی یہاں تک کہ فتح علی شاہ کے زمانے میں مکمل مزار تعمیر کیا گیا۔ صفوی دور اور قاچار دور کے بہت سے بادشاہ یہاں مدفون ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں، شاہ صفی، شاہ عباس کبیر، شاہ عباس ثانی، شاہ سلطان حسین بے سر (سر کہیں اور دفن ہے) شاہ سلمان، شاہ سلطان حسین صفوی اور فتح علی شاہ قاچار وغیرہ وغیرہ۔

قم مسجدوں کا شہر ہے ، یہاں سو سے زائد مساجد ہیں اور چودہ پندرہ دینی مدارس ہیں ۔ سب سے مشہور مدرسہ حوزۂ علمیہ قم ہے جو ۱۳۴۰ھ میں آیۃ اللہ مرحوم حاجی شیخ عبدالکریم حائری نے قائم کیا اس کے بعد آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے بروجردی نے اس کام کو آگے بڑھایا اور " قم " کو ایک دینی ریاست بنادیا ۔ حوزۂ علمیہ قم سے ہزاروں طالبِ علم مجتہد ، عالمِ دین ، دانشور اور خطیب کے طور پر نکلے اور اکنافِ عالم میں پھیل گئے ، ان ہی دانشوروں ، علماء اور خطیبوں نے انقلابِ اسلامی پیدا کیا ۔ یہاں کے کتب خانے قابلِ دید ہیں جن میں فقہ ، اصول ، فلسفہ ، کلام ، تفسیر ، حدیث ، ادبیات ، تاریخ ، رجال اور درایہ کے موضوع پر لاکھوں کتابیں ہیں ۔ حوزۂ علمیہ میں تمام دنیا کے تقریباً ہر ملک کے طالبِ علم دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ وہی شہر " قم " ہے جس کے علماء ، فقہا ، ادباء اور خطباء نے اپنے زورِ آتش بیانی سے انقلابِ ایران کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور ڈھائی ہزار سال پرانی شاہی اسلامی جمہوریت میں تبدیل ہوگئی ، اس کامیابی کا سہرا آیۃ اللہ العظمیٰ سرکارِ خمینی کے سر کا تاج بنا جس کے لئے ہزاروں طلباء ، علماء اور خطباء نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ، خونِ شہیداں رنگ لایا اور بادشاہی اسلامی جمہوریت کی صورت میں سامنے آئی ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ قم مساجد کا شہر ہے ، اسی مناسبت سے چند مشہور مساجد کا ذکر بھی اہم ہے اور درج ذیل ہے ۔

مسجد امام حسن

احمد بن اسحاق اشعری نے امامِ حسن عسکریؑ کے حکم سے تعمیر کی اس کی دوبارہ تعمیر ۱۱۲۹ھ میں ہوئی ۔

مسجد عتق ملی

یہ مسجد حاج حامد حسین نے بنوائی تھی، دوبارہ اس مسجد کی تعمیر ناصر الدین قاچار کے دور میں ہوئی ۔

مسجد جامع

اس مسجد کا شمار قدیم ترین مساجد میں ہوتا ہے ۔

مسجد جمکران

یہ بیرون شہر کی مشہور ترین مسجد ہے، بڑی مقدس تصور کی جاتی ہے یہاں ایک پتھر پر امام عصر کے قدموں کے نشان ہیں - یہ مسجد ۱۱۵۸ھ میں آقائے علی اکبر جمکرانی نے امام عصر کے حکم سے تعمیر کی تھی - یہاں ہر بدھ کو خصوصی اجتماع ہوتا ہے اور دعاء کمیل کا ورد ہوتا ہے، ہزاروں لوگ نمازوں اور دعاؤں میں شریک ہوتے ہیں ۔ ہم نے بھی اپنا پروگرام اس طرح ترتیب دیا تھا کہ اس دعا میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں ۔ ٹرانسپورٹ کا نہایت عمدہ انتظام ہے، ہمہ وقت لوگ قم سے آتے جاتے رہتے ہیں - یہاں میں نے چند کتابیں بھی حاصل کیں نہایت عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب چھپائی ہونے کے باوجود بہت ارزاں ہیں ۔

قم کے مدرسے اور چھاپہ خانے

قم کے مدرسوں میں مدرسۂ فیضیہ بہت قدیم اور مشہور ہے، یہاں تقریباً بیس ہزار طلباء کی رہائش اور درس کا اعلیٰ انتظام ہے - اجتہاد کی اعلیٰ

سند (ڈگری) بھی دی جاتی ہے، اس مدرسے کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے، آقائے خمینی و آقائے شریعتمدار جیسے جید علمائے کرام اسی مدرسے کے تحصیل علم شدہ (پیداوار) ہیں، اسی مدرسے کے بے شمار طلباء شاہِ ایران کے زمانے میں گولی کا نشانہ بنے ۔ مدرسۂ فیضیہ عہدِ صفوی کے دور کی تعمیر ہے، اسی مدرسے سے متصل مدرسۂ دارالشفاء ہے، یہ مدرسہ خاقان فتح علی شاہ کے دور کی تعمیر ہے اس کے علاوہ بہت سے مدرسے اور پرنٹنگ پریس ہیں جہاں سے مختلف مضامین و موضوعات پر کتابیں برابر چھپتی رہتی ہیں، یہاں کے دارالتبلیغ میں چار زبانوں یعنی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں لاکھوں کتابیں ہر سال چھپتی ہیں ۔

قم شہر کو ایک دریا دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے دریا کا نام دریائے چہ قم ہے ۔ یہ وہی دریا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جس کا پانی کھارا ہے اور گرمیوں میں تقریباً خشک ہوجاتا ہے، قدیم روایات کا شہر ہے اور دینی بھی ۔ تمام شہر میں کوئی سینما گھر، تھیٹر یا کلب نہیں ہے، کاشتکاری کے علاوہ بے شمار صنعتیں ہیں ۔ سب سے اہم صنعت قالین بافی ہے ۔ قم کے بنے ہوئے ریشمی قالین بہت مشہور ہیں ۔ تیل کے کارخانوں اور پائپ فیکٹری میں بہت لوگ کام کرتے ہیں، نئے معدنی وسائل کی دریافت یہاں کے لوگوں کے لئے نویدِ مسرت ہے، یہاں تقریباً تین سو قالینوں کے کارخانے ہیں علاوہ ازیں دیگر گھریلو صنعتیں مثلاً ٹائل سازی وغیرہ کے بے شمار کارخانے ہیں ۔ یہاں عورتیں باہر کم نظر آتی ہیں پردہ یا حجاب کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے

"قم" میں معصومۂ قم کے علاوہ دیگر کئی زیارت گاہیں ہیں :-

۱ - حرم سے تقریباً ایک میل دور وادی السلام میں متعدد علماء و اہلبیت کی قبور ہیں ، اسی جگہ مقبرۂ چہل اختران واقع ہے ، جہاں دختران و فرزندان امام و امام زادگان مدفون ہیں جن کی تعداد چالیس ہے اسی وجہ سے اس مقبرے کو چہل اختران کہتے ہیں ، مقبرہ کافی پرانا ہے ، گنبد خشتی ہے - مقبرے کے چاروں طرف دروازے ہیں عورتوں کا حصہ الگ ہے - یہیں امام زادہ زید یعنی امام زین العابدینؑ کے پوتے بھی مدفون ہیں -

۲ - قبر علی ابن امام جعفر صادق علیہ السلام -

۳ - قبر حضرتِ شاہزادہ اِسمٰعیل ابن محمد ابن امام جعفر صادق علیہ السلام -

۴ - شہزادہ ابراہیم بن احمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور شاہزادہ احمد بن امام زین العابدین علیہ السلام -

۵ - جنابِ حمزہ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام - ان کے علاوہ اور بھی بہت نامور ہستیاں یہاں مدفون ہیں - مثلاً ابراہیم بن محمد بن موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ، احمد بن زین العابدین علیہ السلام ، امام زادہ سید علی بن ابراہیم بن جعفر بن ابوالفضل العباس بن امیرالمومنین علیہ السلام -

۶ - حرم مطہر حضرتِ موسیٰ مبرقع فرزندِ جوادالانبیاء امام محمد تقی علیہ السلام ، حضرتِ موسیٰ مبرقع جدِ ساداتِ رضوی ، تقوی ، برقعی (ب رق ع ی) اخوی (ا خ و ی) ہیں - آج کل برقعی اور اخوی لکھنے والے

مفقود ہیں ، آپ امام نقی علیہ السلام کے بھائی تھے ۔ مقبرہ بہت پرانا اور خشتی ہے اب نئے سرے سے بنایا جارہا ہے ۔ گنبد کی اینٹیں (خشت) اتنی مضبوط ہیں کہ ایک اینٹ کو نکالنے میں کئی دن لگ جاتے ہیں ۔ آپ کی والدہ کا نام ثمانہ مغربیہ ، تاریخ تولد ۲۱۴ھ ق ، محل تولد مدینۂ منورہ ، تاریخ ورودِ قم ۲۵۶ھ مدتِ اقامت در قم تقریباً چالیس سال ، وفات ۲۲ ربیع الاخر ۲۹۶ھ ، محلِ دفن قم محلہ موسویان (م و س و ی ا ن) ۔

غالب کا ایک شعر بر محل یاد آیا پیش کئے دیتا ہوں

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

ہمارے پاس وقت کم تھا اگلے روز کا پروگرام بھی طے تھا ، جس کی وجہ سے ہم خود ہر جگہ نہ پہونچ سکے لیکن ان مقامات کا مختصراً ذکر اس لئے کر دیا ہے تاکہ جو حضرات وہاں تشریف بغرضِ زیارت لے جائیں ان مقامات کی زیارت سے بھی فیضیاب ہوں ۔ (۱)

قم سے واپسی

دوسرے دن تہران کے لئے روانگی سے قبل ہم ایک بار پھر حرم میں حاضر ہوئے اور زیارتیں کیں اور ملحقہ بازار سے کچھ تبرکات ، تسبیحیں ، سجدہ گاہیں ، چھپے ہوئے رومال جن پر یااللہ ، سبحان اللہ بحمدہٖ وغیرہ چھپے تھے

(اگست ۱۹۹۴ء میں پھر زیارت کا شرف حاصل ہوا اور ان تمام مقامات پر حاضری دی جہاں پچھلی بار نہ جاسکا تھا جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے ایڈیشن میں ہوگی ۔)

خریدے ، اس کے علاوہ ایران کی مشہور مٹھائی سوہان اور گز خریدی علی زادہ ساتھ ساتھ تھے ، جس کی وجہ سے بہت آسانیاں ہوگئیں ۔ ہم بازارِ قالی یعنی قالین کے بازار بھی گئے ، یہ ایک دو منزلہ عمارت میں واقع ہے ، یہاں صرف قالین فروخت ہوتے ہیں ، میری اہلیہ تو ایک جگہ آرام سے بیٹھ گئیں میں نے علی زادہ کے ساتھ بازار کا کونا کونا چھان مارا ۔ قالین تو بہت سے تھے مگر من کو نہ بھائے ، علی زادہ فرمانے لگے کہ اچھے قالین تو آپ کو تہران میں ہی ملیں گے یہاں تو بچے کھچے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں ، سارے اچھے قالین تہران والے لے جاتے ہیں اور منھ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں ، ہم قم آنے سے قبل ہی دو منے قالین خرید چکے تھے اس لئے ہمیں اس کی زیادہ فکر بھی نہیں تھی ، تقریباً گیارہ بجے قم سے تہران کے لئے روانہ ہوگئے ۔

روانگی سے قبل حرم کے ساتھ ایک میوزیم (موزہ) ہے ، جس میں زمانۂ قدیم کے نوادرات قرینے سے سجائے گئے ہیں ، دیکھنے گئے ۔ سب کی تفصیل تو قصۂ طولانی ہوگا لہذا اہم نوادرات کا ذکر یہاں زیبِ کتاب ہے :-

۱ - عہدِ قاچار کے ابریشم کے قالین ۔ نہایت اچھی حالت میں ، رنگ آمیزی نہایت دلفریب ۔

۲ - صفوی دور کے چند چوبی دروازے جن پر نیم قیمتی پتھر (Semi Precious Stones) خوبصورتی سے جڑے ہوئے ہیں ۔

۳ - عہدِ صفوی کے ریشم اور سونے کے تاروں (کلابتو) کے قالین ۔

۴ - مخمل مروارید و طلائی پارچہ جات نہایت قدیم صفوی دور سے قبل کے ۔

۵ - آبی یعنی ہلکا نیلا عہدِ قاچار کا ریشمی کپڑا - علاوہ ازیں سرخ و نیلے رنگ کے کپڑے -

۶ - شال کا ایک ٹکڑا ۱۲۲۰ - ۱۲۴۰ھ -

۷ - ماہوت پارچہ جس پر زردوزی کا کام ہے جو امیر کبیر کی اہلیہ یعنی دختر محمد شاہ قاچار کے ہاتھ کی صناعی ہے -

۸ - سب سے گراں سرمایہ یعنی قرآن مجید کا جزو جو خطِ کوفی پوست آہو پر لکھا ہوا، یعنی آنحضرتؐ کے دور کا -

۹ - قرآن حکیم بخطِ کوفی کاغذ سمر قند ۱۹۸ھ

۱۰ - قرآن مجید کے اجزاء پوست آہو پر خطِ کوفی تیسری صدی ہجری -

۱۱ - قرآن مجید روغنی، کاتب ابن مقلہ، ان کے علاوہ سینکڑوں قرآن مجید خطی موجود ہیں -

۱۲ - قرآن خطی کاغذ ترمہ نویسندہ دختر فتح علی شاہ قاچار -

۱۳ - قرآن مجید مجلد بڑے سائز کا جس کا وزن ایک سو بیس کیلوگرام ہے یہ تیرہویں صدی ہجری کا ہے -

۱۴ - سب سے وزنی اور خوبصورت ترین قرآن مجید آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے شریعتمدار کے دور میں تیار ہوا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، زائرین کو ضرور دیکھنا چاہیئے -

تمام زیارتوں سے فارغ ہو کر تہران کے لئے روانہ ہوئے اور تقریباً ڈھائی گھنٹے میں تہران پہنچے اور سیدھے اپنے ہوٹل میں آگئے، خاصے تھک چکے

تھے، علی زادہ کو بھی کمرہ میں بلا لیا تھا تاکہ اطمینان سے ان کی تواضع بھی ہو اور ان کا حساب بھی بے باق کر دیں ۔ علی زادہ نے اشارتاً یہ کہنا چاہا کہ انہوں نے بہت خدمت کی ہے اس لئے حقِ خدمت کا خیال رکھا جائے، میں ان کا مقصد سمجھ گیا اور مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہنیں رکھی، میں نے ایک مناسب رقم ان کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ یہ آپ کا انعام ہے، بعد ازیں ستر ہزار ریال بھی ادا کئے جو ان کی طے شدہ رقم تھی، وہ خوش ہو گئے، خیلے ممنون اور متشکر کہا، ہم بھی مطمئن کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں کامیابی اور سرخروئی عطا فرمائی ۔ دن کے ڈھائی بج چکے تھے، خاصی اشتہا تھی کھانے کا آرڈر دیا، طے پایا آج کا دن آرام کریں گے اور کل (فردا) خرید و فروخت کیونکہ پرسوں (پس فردا) واپس پاکستان جانا ہے کھانا کھایا اور سو گئے جاگے تو وطن کی یاد ستانے لگی، گھر اور گھر والے خصوصاً دونوں پسر زادے نظروں کے سامنے کھیلتے، کودتے اور شرارت کرتے فلمی مناظر کی طرح نظر آنے لگے ۔ کہتے ہیں وطن سے دور وطن کی یاد کچھ زیادہ ہی ستاتی ہے، اب ہم خداوندِ کریم کے فضل سے تمام زیارتوں سے بھی فارغ ہو چکے تھے اور قابلِ دید مقامات سے بھی لطف اندوز ہو چکے تھے، نمازِ شکرانہ بھی ادا کر چکے تھے، غالباً اسی وجہ سے گھر اور گھر والوں کی یاد کچھ زیادہ ہی سرگوشیاں کرنے لگی تھی اور میر انیس کے اشعار ذہن کو مہمیز دینے لگے :-

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت ہنیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں

سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

علی زادہ کو ہم نے اگلے روز دس بجے بلا لیا تھا تاکہ بازار سے کچھ چیزیں خرید سکیں، چنانچہ دوسرے دن حسبِ دستور وہ ٹھیک دس بجے آن پہونچے اور اپنی آمد کی ہم کو خبر دی، ہم تو ان ہی کے منتظر تھے ان کے ساتھ فوراً روانہ ہوگئے۔ سب سے پہلے قدس ڈیپارٹمنٹل اسٹور (Departmental Store) گئے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، وہاں سے ایک سوٹ کیس، کھلونے اور چند دیگر اشیاء اور چند کتابیں خریدیں، ایک عدد قرآن مجید مع حواشی و فارسی ترجمہ حاصل کیا، واپس ہوٹل آئے اور سامان رکھا، پھر بازار روانہ ہوگئے۔ علی زادہ نے دریافت کیا کہ اب کون سی اشیاء کی خریداری کرنی ہے تاکہ اسی قسم کے بازار ہم کو لے جائیں، میں نے عرض کیا کہ شہد اور خشک میوہ جات خریدنے ہیں، فرمایا کہ دونوں کے بازار الگ الگ ہیں پھر خود ہی فرمایا کہ پہلے خشک میوہ جات کے بازار چلتے ہیں، کار پارک کی اور کچھ دور پیدل چل کر فروشگاہ میں داخل ہوئے۔ ہر چیز قرینے سے سجی ہوئی اور سب پر نرخ کی پرچیاں چسپاں تھیں، جس سے اندازہ ہوا کہ یہاں مول بھاؤ نہیں ہوتا۔ وہاں خاصے خریدار موجود تھے سب ہی کچھ نہ کچھ اپنی پسند کی خریداری کر رہے تھے، ہم تو پستے خریدنے کی نیت سے گئے تھے کیونکہ ایرانی

پستے تمام دنیا میں شہرت رکھتے ہیں ، لیکن وہاں تو مختلف النوع قسم کے خشک میوہ جات دکانوں کی زینت بڑھا رہے تھے کیا خریدیں اور کیا نہ خریدیں ۔ بہر حال ہم نے پستے ، کشمش اور انجیر خریدی ، بہت عمدہ اور بہت ارزاں ۔ جی چاہا بھنے ہوئے چنے بھی خرید لیں ، میری اہلیہ نے منع کیا اور کہا کیا چنے پاکستان میں نہیں ملتے ؟ میں نے کہا کہ ایرانی چنوں کی بات ہی کچھ اور ہے یہاں سے نکلے تو شہد کے بازار پہونچے ، یہاں صرف شہد بکتا ہے اور کچھ نہیں ، لوگ دور دور سے یہاں شہد لینے آتے ہیں ، یہاں سے شہد خریدا اور ایک بار پھر بازارِ قالی کی طرف نکل گئے ۔ علی زادہ گویا ہوئے کہ آپ لوگ کل واپس وطن جارہے ہیں ایک نظر مزید قالین دیکھ لیں ، خریدنا کوئی ضروری نہیں ، اہلیہ تو حق میں نہ تھیں لیکن مجھ سے نہ رہا گیا ، وہ تو گاڑی میں بیٹھی رہیں اور ہم دونوں بازارِ قالی کی سیر کرنے لگے ۔ بازار میں گھومنے پھرنے کے دوران دو عدد مزید چھوٹے قالین خرید لئے اور واپس کار تک آگئے ، کار میں بیٹھے اور واپس جائے قیام یعنی ہوٹل پہونچے اور علی زادہ سے عرض کیا کہ اب ہم آرام کریں گے ، کل آپ دس بجے کے قریب آجائیے اور ہم کو فرودگاہ پہونچا دیں ، تاکہ ہم ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ سکیں ۔

شام کو ہم پیدل ہی ٹہلنے نکلے اور گھومتے پھرتے اسی ڈیپارٹمنٹل اسٹور (Departmental Store) تک پہونچ گئے ۔ داخلے کی لاج رکھنی تھی چھوٹی موٹی کچھ چیزیں اور خریدیں اور واپس ہوٹل آگئے ۔ اس طرح آج یعنی ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۴ء کا پورا دن تہران میں گذارا ۔ اور آنے والے کل (روزِ فردا) کے منتظر رہے کہ وطن واپسی ہے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وطن واپسی

سے قبل تہران شہر کا کچھ بیان ہو جائے۔

تہران

تہران ایک ہزار سال سے زائد پرانا شہر ہے۔ اس کے شمال میں البرز کے پہاڑ ہیں تو جنوب میں دشتِ کاویر، اس کا جنوبی حصہ سطح سمندر سے ۱۱۰۰ (گیارہ سو) میٹر بلند ہے۔ وسطی حصہ ۱۲۰۰ (بارہ سو) میٹر اور شمالی حصہ ۱۷۰۰ (سترہ سو) میٹر بلند ہے جس کی وجہ سے ایک ہی شہر کے مختلف حصوں کی آب و ہوا میں نمایاں فرق ہے۔ گرمیوں میں یہاں کا درجۂ حرارت ۴۲ (بیالیس) ڈگری سینٹی گریڈ تک اور موسم سرما میں ۱۶ (سولہ) ڈگری سینٹی گریڈ تک پہونچ جاتا ہے۔ پانی کی بہتات ہے، دریائے کاراج اور جاجرود شہر کو سیراب کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی موسمی دریا اور نہریں ہیں۔ پانی مصفیٰ اور شیریں ہے۔ تہران کا پانی شہر قم تک پہونچایا جاتا ہے کیونکہ قم کا پانی کھاری ہے۔ زمانۂ قدیم میں اہلِ ایران زمین دوز مکانوں اور کھوہوں میں رہتے تھے تاکہ موسم کی شدت اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ موجودہ تہران قدیم شہر رئے، کے شمال میں واقع ہے۔ "رئے" اپنی افادیت کھو چکا ہے اور اب تہران کا ایک حصہ ہے۔ تہران باغات اور سبزہ زاروں کا شہر ہے۔ یہاں مختلف اقسام کے پھل کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ تہران کی سڑکیں قابلِ رشک ہیں، وسیع و عریض سڑکیں جن کے دونوں جانب چنار کے درخت ہیں۔ پانی کی افراط ہے جگہ جگہ نہریں بہتی نظر آتی ہیں۔ چوراہوں پر بڑے بڑے Round About ہیں جن کو فارسی میں میدان

کہتے ہیں، بہت ہی خوبصورت اور دلفریب ہیں. جہاں تھکا ماندہ انسان سکون کی سانس لیتا ہے۔

صفوی دور سے تہران نے ترقی کی منزلیں طے کرنا شروع کیں اور آج مشرق کا خوبصورت ترین شہر ہے۔ یہاں کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے اس کے باوجود نہایت صاف ستھرا شہر ہے۔ خوبصورتی اور صفائی میں عوام برابر کے شریک ہیں، کہیں بھی، کسی مکان کے سامنے کوڑا کرکٹ نظر نہیں آتا۔

تہران ۱۲۰۴ء سے ایران کا دارلخلافہ چلا آرہا ہے۔ جہاں آسمان سے باتیں کرنے والی شاندار عمارتیں اور کشادہ سڑکیں ہیں وہیں تاریخی آثار باستانی (Archeological) فرہنگی و ملی اہمیت کے یادگار اماکن بھی ہیں، تہران کو پارکوں اور یونیورسٹیوں (جامعات) کا شہر بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہاں کے مشہور پارکوں میں چند کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

پارک المہدی، پارک بہشتی، پارک بعثت، پارک بساط، پارک دانشجو پارک جنگلی، پارک فدک، پارک ہجرت، پارک ملت، پارک نیاوران، پارک سائی، پارک سردار جنگل وغیرہ وغیرہ۔

تہران شہر میں دینی مدارس اور دانش گاہوں کے علاوہ گیارہ یونیورسٹیاں بھی ہیں جن کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) علامہ طباطبائی یونیورسٹی (۲) الزہرا یونیورسٹی (۳) آزاد اسلامی یونیورسٹی (۴) امام صادق یونیورسٹی (۵) پیام نور یونیورسٹی

(۶) امیر کبیر ٹیکنالوجی یونیورسٹی (۷) ایران سائنس و ٹیکنالوجی یونیورسٹی (۸) شہید بہشتی یونیورسٹی (۹) ٹیچرز ٹریننگ یونیورسٹی (۱۰) تہران یونیورسٹی ۔

وطن واپسی

اگرچہ ہم دو نفر تھے ، لیکن ہمارے ساتھ سامان ہنایت مختصر تھا ، جاتے وقت جو سامان ساتھ لے گئے تھے ، اس کا بیشتر حصہ وہیں چھوڑآئے ۔ فرودگاہ پہونچ کر اپنا مختصر سامان حمال کے سپرد کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ڈپارچر لاؤنج (Departure Lounge) کی طرف چل پڑے ۔ سب سے پہلے سامان حسبِ دستور مشین سے گذرا پھر کسٹم کی جانچ کے لئے انتظار کرنا پڑا کیونکہ وہاں کوئی کسٹم کا آدمی موجود نہ تھا ۔ یہاں سے دشواری شروع ہوئی وجہ ، طریقِ کار کی نامناسبت تھی ۔ ان مراحل سے سب کو ہر ملک میں گذرنا پڑتا ہے ، اگر طریقِ کار درست ہو تو کوئی دشواری ہنیں ہوتی ۔ چونکہ کسٹم کا اسٹاف موجود نہ تھا چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں ۔ کسٹم والے کب آئیں گے ؟ چیکنگ کی کیا صورت ہو گی ؟ کیا سارا سامان سامنے کھلوائیں گے ؟ وغیرہ وغیرہ کچھ دیر انتظار کے بعد کسٹم والے تشریف لائے ، سامان لدا پڑا تھا ، ایک نظر سامان پر ڈالی اور پھر مسافروں پر ، جو تعداد میں کئی سو تھے ۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کسی کا کوئی سامان چیک ہنیں ہوا ، سب کو اجازت مل گئی کہ اپنا اپنا سامان لے کر متعلقہ کاؤنٹر پر جا سکتے ہیں ، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی کرنا تھا تو اتنی دیر مسافروں کو الجھن میں کیوں رکھا اور شکایت کا

موقع کیوں دیا - سب نے اپنا اپنا سامان متعلقہ ہوائی کمپنیوں کو دیا اور بورڈنگ کارڈ حاصل کیا، یہاں دیر تو ہوئی لیکن کسی خاص پریشانی کا باعث نہ بنی - اب دشوار مرحلہ امیگریشن کا شروع ہوا، یہاں بھی ناتجربے کاری یا طریق کار کی نامناسبت باعثِ دشواری بنی - پی آئی اے (P.I.A) کی پرواز دو بجے بعدِ ظہر تھی اور ایر انڈیا (Air India) کی چار بجے شام لیکن دونوں پروازوں کے لئے ایک ہی کاؤنٹر تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیگریشن کاؤنٹر پر لمبی لائن لگ گئی - ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ پہلے پی آئی اے (P.I.A) کے مسافروں کو فارغ کرتے بعد ازاں ایر انڈیا (Air India) سے سفر کرنے والوں کو، اس طرح یہ کام ہنایت آسان ہوجاتا اور کسی کو بھی تکلیف نہ ہوتی یا دونوں ایر لائنز کے لئے الگ الگ کاؤنٹر کھول دیتے، حقیقت تو یہ ہے کہ ایران کے تمام سفر میں مجھے یہاں بہت کوفت ہوئی تقریباً ایک گھنٹہ قطار میں کھڑا رہا پھر باری آئی - یہاں سے فرصت ملی تو ڈیپارچر لاؤنج (Departure Lounge) کی جانب روانہ ہوئے - خوش تھے کہ مشکل حل ہوئی اب کچھ دیر ڈپارچر لاؤنج (Departure Lounge) میں آرام کریں گے اور جہاز میں بیٹھ کر وطن روانہ ہو جائیں گے، لیکن ڈپارچر لاؤنج (Departure Lounge) میں پہونچنے سے پہلے ایک اور مرحلہ در پیش آیا معلوم ہوا کہ ایک اور امیگریشن کاؤنٹر سے گذرنا پڑے گا اور دوبارہ چیکنگ ہوگی، ایسا کیوں ہوتا ہے - وجہ غالباً ناتجربے کاری ہے - دنیا کے تمام ملکوں کا دستور ہے کہ امیگریشن کے بعد کوئی مسافر باہر ہنیں جاسکتا، اس کو امیگریشن سے گذر کر ڈپارچر لاؤنج (Departure Lounge) ہی میں جانا

ہوتا ہے لیکن تہران میں ایسا نہیں ہوتا، مسافر امیگریشن کے بعد بھی اِدھر
ادھر گھوم پھر سکتے ہیں لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ - یہی وجہ ہے کہ دوبارہ
امیگریشن کاؤنٹر سے گذرنا پڑتا ہے - یقیناً یہ ایک غیر ضروری عمل ہے، گو یہ
مرحلہ نسبتاً آسان ہے لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیئے، میں نے ناصر رضا صاحب
سے ڈیپارچر لاؤنج (Departure Lounge) میں اس ناخوشگوار طریقے کی
بابت بات کی جو پی آئی اے (P.I.A) کے کنڑی مینیجر (Country
Manager) ہیں - انھوں نے فرمایا ہم کو دشواریوں کا علم ہے - ہم نے
ایران ایر (Iran Air) کے حکام سے اس سلسلے میں بات بھی کی لیکن وہ
وہی کرتے ہیں جو ان کا طریقہء کار ہے، ہم تو محض مشورہ ہی دے سکتے ہیں -

کچھ دیر بعد ہم سب لوگ بس میں سوار ہو کر جہاز میں آن بیٹھے جہاز میں
بیٹھتے ہی اپنائیت کا احساس ہوا، ایسا محسوس ہوا کہ گویا ہم پاکستان پہونچ گئے،
گو اب بھی وطن سے ہزاروں میل دور تھے -

جہاز میں بیٹھنے کے کچھ دیر بعد مشروبِ خنک سے ہماری ضیافت ہوئی
جسم و جان میں تازگی کی لہر آئی پھر ٹھنڈا تولیہ آیا، یاد رہے کہ ہوائی سفر میں
جاتے ہوئے گرم گرم بھاپ سے پر تولیہ ملا تھا کہ نیند کا خمار مفقود ہو جائے
اوراب ٹھنڈا تولیہ آیا تاکہ ہاتھ منھ پونچھ کر تازہ دم ہوجائیں، بعد ازاں وہی
کچھ طریقہ اپنایا گیا جو پرواز سے پہلے ہوتا ہے اس کو مزید دہرانا مناسب نہیں -
جب جہاز فضاء میں بلند ہو چکا تو کھانے کی باری آئی گرم گرم کھانا بھینی بھینی
خوشبو مرغ و ماہی اور مشروب بھی، تقریباً دو ہفتے بعد پاکستانی کھانا نصیب ہوا
سیر ہو کر سب ہی نے کھایا اور خداءِ تعالیٰ کا شکر ادا کیا - جوں جوں منزل سے

قریب ہوتے گئے خوشیوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا، تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد جہاز قائدِ اعظم انٹرنیشنل ایرپورٹ پر زمین بوس ہوا اور ہم سب نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا، قائدِ اعظم ایرپورٹ پر جیسا آپ سب جانتے ہیں کہ ہنایت مناسب اور معقول انتظام ہے سوا اس کے کہ پیدل زیادہ چلنا پڑتا ہے اس کا بھی مداوا اس طرح ہورہا ہے کہ " خودکار راہ داری " جلد تیار ہو جائے گی جیسا کہ مغربی ممالک میں ہے ۔ بہرحال ہم لوگ امیگریشن اور کسٹم سے بآسانی گذرتے ہوئے باہر آگئے جہاں ہمارے اہلِ خانہ ہمارے منتظر تھے دونوں پیارے پسر زادے دوڑ کر پاس آگئے بڑا میری گود میں اور چھوٹا اپنی دادی کی گود میں، اس طرح ہمارا پورا خاندان ہم کو خوش آمدید کہنے یکجا ہوگیا تھا اس وقت کی خوشی کا عالم الفاظ میں بیان ہنیں کیا جا سکتا

معانی ہرگز اندر حرف ناید
کہ بحرِ قلزم اندر ظرف ناید

اس طرح ہمارا پندرہ روزہ یہ سفر جو سفرِ زیارت بھی تھا اور سفرِ سیاحت بھی بخیر و خوبی رب العزت و الکریم کی عنایاتِ بیکراں سے اختتام پذیر ہوا ۔ سچ پوچھئے تو اصل مقصد تو بزرگانِ دین کی زیارت ہی تھا اور گناہوں سے توبہ کرنا اور یہ عزم دل سے کرنا کہ آئندہ گناہانِ صغیرہ و کبیرہ سے دور رہیں گے، ہم کو اس عزم میں کتنی کامیابی ہوئی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن یہ یقین راسخ ہے کہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے سب کی سنتا ہے اور سب کی مدد فرماتا ہے اور وہی پروردگار ہے جو سب کو نیک عمل کی توفیق بھی عطا

کرتا ہے۔

میں اس سفرنامے کو عمر خیام کی اس رباعی پر ختم کرتا ہوں :۔

اے واقفِ اسرارِ ضمیر ہمہ کس
در حالتِ عجز و دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
اے توبہ دہِ و عذر پذیر ہمہ کس

(اے دلوں کے بھید جاننے والے، مجبوری میں مدد کرنے والے، تو مجھے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما اور عذر قبول فرما، تو ہی توبہ کی توفیق دینے والا اور عذر قبول کرنے والا ہے۔)

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تونے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

عاصی

علی اکبر رضوی

نومبر ۱۹۹۴ء

آیۃ اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینیؒ
مختصر حالاتِ زندگی

عمر بسیار بباید پدرِ پیر فلک را
تا دگر مادرِ گیتی چو تو فرزند بزاید

انقلابِ اسلامیء ایران کے روح و رواں آیۃ اللہ روح اللہ خمینیؒ ۲۰ جمادی الاول ۱۹۰۲ء میں قریہء خمین جو مقدس شہر قم سے تقریباً اسی میل جنوب مغرب میں واقع ہے میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے پدرِ بزرگوار کا نامِ نامی مولانا مصطفیٰ موسوی تھا ۔ چونکہ آپ خمین میں پیدا ہوئے تھے اس نسبت سے خمینی کہلائے ۔ ابھی آپ چند ماہ کے ہی تھے کہ آپ کے والد کو قتل کر دیا گیا، قتل کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی کہ آپ نے مظلوم ہاریوں ، (کشاورزان) کے حق کی طرفداری کی تھی اس لئے کسی بڑے زمیندار کے کارندوں نے آپ کو قتل کر دیا اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے ۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا اس کے بعد آپ اپنے برادرِ معظم کے یہاں رہنے لگے ۔ تعلیم حوزۂ علمیہ عبدالکریم حائری آراک میں حاصل کی جو خمین سے تقریباً تیس میل شمال میں واقع ہے ۔ ۱۹۲۲ء میں آیۃ اللہ کریم اپنا حوزۂ علمیہ آراک سے قم لے گئے چنانچہ آپ بھی آراک سے قم منتقل ہو گئے اور یہیں سے متونِ سطوح عالیہ (Mutoon -e- Sutuh -e- Aliyah) کے مرتبے تک پہنچے اور فلسفۂ اسلامی اور منطق میں اپنے

استاد کے معاون ہوگئے ساتھ ہی ساتھ اخلاقیات پر درس دینے لگے جس کی حکومتِ وقت نے سخت مخالفت کی ۔ جب آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی شادی آپ کے والدِ گرامی کے ایک دوست کی دخترِ نیک اختر سے ہو گئی جن کا نام خدیجہ تھا ۔ آپ کی شروع کی تین اولادیں یعنی ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کا ابتدا ہی میں انتقال ہوگیا ۔ اس کے بعد آپ کے یہاں دو بیٹے اور تین بیٹیاں تولد ہوئیں ، آپ کے ایک بیٹے جن کا نام مصطفیٰ تھا ساوک کے ہاتھوں ۱۹۷۷ء میں بمقامِ نجفِ اشرف شہید ہوگئے ۔ آپ کے دوسرے بیٹے سید احمد خمینی آپ کے معاونِ خصوصی کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور آپ کے مقتول فرزند مصطفیٰ کا بیٹا آپ کا چہیتا بن گیا اور معاون بھی ۔

۱۹۶۳ء میں شہنشاہِ ایران نے آپ کو ملک بدر کیا اور ترکی کی سرحد پر چھوڑ دیا ۔ وہاں سے آپ نجفِ اشرف تشریف لے گئے اور وہاں سے ۶ِ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو فرانس چلے گئے ۔ بہرحال آپ جہاں بھی رہے تن من دھن سے اپنے کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ آپ کی واپسی کا مرحلہ آگیا اور روح اللہ خمینیؒ نے ایران واپسی کی تاریخ کا تعین بھی کر دیا یعنی یکم فروری ۱۹۷۹ء۔ مگر آپ کے ہمراہیوں کو آپ کی وطن واپسی کے لئے طیارہ کرائے پر حاصل کرنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ۔ آخرش ایک رئیس تاجر نے تین ملین ڈالر رقم فراہم کر کے ایک ایر فرانس جمبو جیٹ کرائے پر حاصل کیا جس کا کل عملہ فرانسیسی مرد حضرات پر مشتمل تھا ۔ اس طرح آپ تقریباً چودہ سال بعد ۲ِ فروری ۱۹۷۹ء کو فاتح کی حیثیت سے واپس تہران پہونچے ۔ جس

وقت آپ کا جہاز تہران ایرپورٹ پر زمین بوس ہوا انسانوں کا ایک سمندر جوش و جذبے سے سرشار اللہ اکبر، اللہ اکبر، امام خمینی زندہ باد کے نعرے بلند کررہا تھا اور آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ مجمع میں زن و مرد، بچے اور بوڑھے سب ہی شامل تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق تقریباً بیس پچیس لاکھ کا مجمع تھا۔ جوش و ولولے کا ایسا عالم تھا جس کی تفصیل الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی

معانی ہرگز اندر حرف ناید
کہ بحرِ قلزم اندر ظرف ناید

آخر کار ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو رضا شاہ کو ملک چھوڑنا پڑا، گویا اس دن ایران کو طاغوتی طاقت سے نجات ملی۔ اسی وجہ سے ۱۱ فروری کو ایران اپنے قومی دن (National Day) کے طور پر مناتا ہے۔

آپ نے رسول اکرمؐ کی پیروی میں تمام عمر سادہ زندگی گذاری، ہمیشہ فرش پر توشک (Quilt) بچھا کر سوئے گویا توشک ہی اوڑھنا بچھونا رہی۔ ہمیشہ علی الصباح نمازِ فجر کے وقت اٹھتے اور بعدِ نماز سوجاتے۔ گیارہ بجے ناشتہ کرتے، روٹی کا ایک ٹکڑا اور شہد اور پھلوں کا تھوڑا سا جوس نوش کرتے۔ دوپہر کے کھانے میں سادہ چاول اور ابلا ہوا گوشت، چاول آپ ہمیشہ چمچے سے کھاتے، پھلوں میں آپ کو خربوزہ بیحد مرغوب تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر قیلولہ (آرام) اور پھر نماز، نماز کے بعد نصف شب تک کام میں مصروف رہتے جن میں لوگوں سے ملاقات اور مختلف مسائل پر گفتگو اور ان کا

حل وغیرہ وغیرہ شامل ہوتا۔ شہنشاہ کے فرار اور آپ کی ایران واپسی پر بھی آپ کے معمولاتِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا وہی سادہ درویشانہ زندگی، چھوٹے سے مکان یعنی تین کمروں میں رہائش۔ ہاں سیکیوریٹی (Security) کا انتظام ضرور تھا، وہ بھی مختصر سی مکانیت میں۔ آپ کے علم کدے میں ایک کمرہ ۲۴x۱۶ فیٹ کا تھا جس میں نیلے رنگ کا معمولی قالین صفائی سے بچھا رہتا، یہیں پر دنیا کی بڑی بڑی ہستیاں ملاقات کے لئے آتیں اور سب فرش پر بیٹھتے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور اعلیٰ پائے کے شاعر آپ کے کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ دنیا آج بھی حیران ہے کہ گاؤں کے ایک یتیم بچے میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی کہ دنیا کی عظیم ترین قوتوں سے ٹکرا گیا اور سرخرو رہا۔

آپ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ شہنشاہِ ایران جبر و استبداد کے ساتھ ساتھ آپ سے مصالحت بھی کرنا چاہتا تھا اور بالواسطہ طور پر پیغام بھی بھجوائے کہ کسی طرح آپ سے ملاقات ہو جائے مگر آپ نے فرمایا" وہ (رضا شاہ) زہر ہلاہل کا سمندر ہے اگر کسی نے اس سمندر میں انگلی بھی ڈالی تو وہ زہر آلود ہو جائے گا" اور ملنے سے صاف انکار کردیا۔ کسی بیرونی سفیر کا بیان ہے" ایک صحیح انسان تاریخ کے صحیح موقعے پر صحیح بات کرنے والا پیدا ہوا ہے، کامیابی یقینی ہے۔"

اور کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔ یہ تائیدِ غیبی نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ عالمِ اسلام میں اخوت و محبت پیدا کرے اور اسے طاغوتی قوتوں سے

نجات دلائے ۔آمین

آیۃ اللہ روح اللہ خمینیؒ کی زندگی کا ایک اور واقعہ جس میں انکا نظریہء سیاست و مذہب اجاگر ہوتا ہے اگر یہاں بیان کردیا جائے تو قارئین کے لئے سبق آموز بھی ہوگا اور دلچسپ بھی ۔ ان کی تہران کی قید و بند کے زمانے ۱۹۶۳ء میں ان سے کوئی شاہی محل کا ایجنٹ ملا اور کہا کہ وہ مذہبی آدمی ہیں تبلیغ دین سے سروکار رکھیں اور سیاست میں ملوث نہ ہوں اور بطورِ دلیل یہ کہا کہ سیاست پلندہ ہے دغا بازی، غداری، منافقت، جھوٹ اور ریاکاری کا اور اس کو وہ محل والوں کے لئے چھوڑ دیں ۔ جناب خمینی نے برجستہ جواب دیا کہ اس طرز کی سیاست بے دینوں کی سیاست ہے جس کا اسلامی سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے ۔آپ نے فرمایا اسلامی سیاست دین سے علیحدہ کوئی شے نہیں ہے ۔ اسلامی سیاست صداقت و عدالت کے ساتھ اللہ، رسولؐ اور آلِ رسولؑ کی بلاحجت پیروی اور محبت پر مبنی ہوتی ہے اور اس خیال کو سختی کے ساتھ رد کردیا کہ مذہبی لوگ سیاست سے دور رہیں کیونکہ اگر سیاست سے دین الگ کریں تو صرف چنگیزی باقی رہتی ہے بقولِ علامہ اقبال

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آپ نے ان لوگوں سے سوال کیا کہ کیا رسول اکرم اور آلِ رسولؑ جن کے ہم پیرو ہیں سیاست سے ہمیشہ دور رہے ؟ کیا وہ محض اللہ تعالیٰ کے آخری رسول تھے جنہوں نے اللہ کا پیغام بندوں کو قرآنِ حکیم کی شکل میں پہنچادیا اور بس ! نہیں ایسا نہیں ہے !آنحضرتؐ نے احکامِ ربانی کو عملی شکل میں پیش کیا رب

العزت نے انہیں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیا جو تمام برائیوں سے پاک اور احکامِ ربانی پر کار بند ہو۔ (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) انھوں نے غزوات میں قیادت فرمائی، عوام کے سامنے عدل کا مکمل نمونہ پیش کیا، دیگر ممالک میں سفیر بھیجے اور عہد ناموں (Treaties) پر دستخط ثبت کئے۔ مختصر یہ کہ ہم دین کو سیاست سے علیحدہ نہیں کر سکتے اور ہم کو ایسی سیاست کرنی چاہیئے جو اللہ اور قرآنِ شریف کے احکام سے مطابقت رکھتی ہو اور حق و انصاف کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہی دینی سیاست ہے اور اسی پر ہمیں کار بند ہونا ہے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ خدا کرے ہمارے سیاست دان اس پر عمل پیرا ہوں، سادگی اختیار کریں، خود احتسابی کریں اور اپنے عیوب پر خود نظر رکھیں۔ بقولِ شاعر

عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی اسد
نقص پر اپنے ہوا جو مطلع کامل ہوا

خداوندِ عالم ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

حاصلِ کلام

بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نشاید گفت حسبِ حالِ مشتاقی
(مخلص کاشی)

میرا سفر نامۂ اسلامی جمہوریہ ایران اختتام پذیر ہوا۔ میں نے جو کچھ بچشمِ خود دیکھا، مشاہدہ کیا، سنا اور پڑھا من و عن نذرِ قارئین کر دیا۔ اگر آپ کو اِس سفر نامے کے مطالعے کے بعد کوئی بات بھا جائے تو سبحان اللہ میرے لئے دعائے خیر فرمائیے اور اگر کوئی بات ناگوارِ خاطر ہو تو درگزر سے کام لیجئے۔

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست
دگر بقہر برانی درونِ ما صافست
(حافظ)

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ نہ تو میں ادیب ہوں نہ دینی مبلغ، مگر میری یہ کوشش ضرور تھی کہ میں سفر کے دوران کی وارداتِ قلبی، بے کم و کاست، جس حد تک الفاظ ساتھ دیں اس سفر نامے کے قارئینِ کرام تک پہنچا دوں اگرچہ

در آبِ دیدۂ خود غرقہ‌ام چہ چارہ کنم
کہ در محیط نہ ہرکس شناوری داند

کچھ بے جا نہ ہوگا اگر پاکستان کے موجودہ تناظر میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ قائدِ اعظم، قائدِ ملت، خواجہ ناظم الدین اور چند دیگر اکابر کے بعد قومی درد اور سوچ کے حامل قائدین تقریباً ناپید ہوگئے ہیں اور جو عظیم مملکت ہم کو قائدِ اعظم کی رہبری و رہنمائی میں ہزاروں قربانیاں دینے کے بعد حاصل ہوئی تھی اس کی شکل مسخ ہوگئی ہے ۔ نصف پاکستان ہماری نااہلی کی وجہ سے علیحدہ ہوچکا ہے اور جو رہ گیا ہے اس کے مٹانے کے لئے کیا اپنے اور کیا پرائے سب درپے ہیں ۔ خود احتسابی و خدا ترسی ہم سے رخصت ہوچکی ہے ، ہم مغرب کے کاسہ لیس و دستِ نگر ہیں ، خود کفالتی سے کوسوں دور اور مغرب کی ہر چیز پر فریفتہ و فدا ہیں ، اپنے معاشرے کی ہر اچھائی اور برائی کو مغرب کے پیمانے سے ناپتے ہیں ، اپنے ملک کی مصنوعات میں ہمیں طرح طرح کے عیب نظر آتے ہیں ، بیرونی ممالک کی اشیائے تعیشات پر ہم دل و جان سے نثار ہیں ۔ سادہ دلی و سادہ خوئی کے بجائے عیش پرستی و ریاکاری نے ہمارے دلوں میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں جبکہ سادگی اور خدا ترسی کے لئے پیغمبر اکرمؐ خلفائے راشدین ، ائمۂ اہلِ بیت اور اولیائے امت رضوان اللہ اجمعین کی حیاتِ طیبہ کے تابناک نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں ۔ ہمیں مانگے کے اجالے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اگر ہم کامیابی و کامرانی کے طلب گار ہیں تو ہمیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے ۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم

سب مسلمان ائمہ و اہل بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں مگر عملی زندگی میں ان کی تعلیمات کی نفی کرتے ہیں۔ اہلِ بیتِ اطہار نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کردیا مگر باطل کے سامنے کبھی سر خم نہیں کیا جب کہ ہم چند سکوں، عارضی مال و متاع اور چند روزہ جاہ و حشم کی خاطر ہر قدم پر عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنے اصولوں کو مفادات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہمارا قیام ابدی ہے اگر ہم ایسا سمجھتے ہیں تو اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں

وہ کون اہلِ خرد ہے جسے یہ علم نہیں
حیاتِ دہر فقط وہم ہے اجل ہے یقیں

کل نفس ذائقة الموت ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ مرنے کے بعد قبر کا عذاب برحق ہے اور اکثر اسی دنیا میں بدعملی، بدعہدی اور بداطواری کی سزا کا کچھ حصہ ملنا شروع ہو جاتا ہے ایسے بداعمال اشخاص کو سکرات کی سخت تکلیف ہوتی ہے اور ان کو مرتے وقت اپنے اعمالِ قبیح ٹیلیویژن کی فلم کی طرح صاف صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسے اشخاص کی عمر میں برکت نہیں ہوتی، ناگہانی موت کا سامنا ہوتا ہے اور توبہ و استغفار کے دروازے ان پر بند ہو جاتے ہیں۔

سبق حاصل کرنے کے لئے اور دنیا اور آخرت سنوارنے کے لئے دورِ حاضر کے جناب آیۃ اللہ روح اللہ خمینیؒ کی تابندہ مثال ہمارے سامنے موجود

ہے کہ کس طرح اور کن حالات میں انہوں نے شہنشاہیت اور سپر طاقتوں سے پنجہ آزمائی کی اور بے شمار قربانیاں دے کر احیائے دین کیا۔ سادگی اور عدل کو اوڑھنا اور بچھونا بنایا، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کیا، پروردگارِ عالم کو حاضر و ناظر جانا اور اس کے خوف کو اپنے اوپر طاری کیا، خود احتسابی کی اور احتساب کے عمل کو تمام ایران میں عدل کے ساتھ نافذ کیا، انصاف کے معاملہ میں اپنے اور پرائے میں تمیز نہ کی، نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔

کہا یہی جاتا ہے کہ جیسے حکمران ہوتے ہیں ویسی ہی روش عامۃ الناس بھی اختیار کرلیتے ہیں **الناس علیٰ دین ملوکھم** کاش ہمارے وطنِ عزیز پاکستان کے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف اس نکتے پر غور فرمائیں اور زندگی کے ہر شعبے میں سادگی کو اپنائیں، احتساب کے عمل کو عدل کے ساتھ نافذ کریں، اگر بڑی سے بڑی شخصیت بھی قانون شکنی کی مرتکب ہو خواہ اس کا تعلق برسرِ اقتدار جماعت سے ہی کیوں نہ ہو اسے انتہائی سخت سزا دیں اور سزا دیتے وقت عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ تمام وزراء اور اعلیٰ حکام سادگی اور عدل اختیار کریں، جس کے ذمے جو کام ہو وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور عبادت سمجھ کر نیک نیتی سے انجام دے بڑے بڑے آرام دہ ایر کنڈیشنڈ (Air Conditioned) کمروں میں بند وزراء اور اعلیٰ حکام خلوت خانوں سے باہر آئیں اپنے اپنے شعبے میں گھوم پھر کر اچانک معائنہ کریں اور حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور موقعے ہی پر اگر مناسب ہو تو ضروری احکام نافذ کریں، محض عوام عوام کی رٹ نہ لگائیں، جلسوں

اور جلوسوں میں اپنی طاقت کا مظاہرہ نہ کریں ، اپنی سیکیوریٹی کے نظام کو عام لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنائیں ، عوام کی تعلیم اور بہبود اور بہتری کے لئے عملی اقدام کریں اور بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اگر کسی معاشرتی برائی یا کرپشن (Corruption) میں ملوث پائیں تو موقعے ہی پر اس کے خلاف تادیبی کارروائی کریں ۔

اس طرح جب اعلیٰ حکام کو خداوندِ کریم اور آخرت کا خوف اور دنیا میں بھی احتساب کا ڈر ہوگا تو تمام وزارتوں اور محکموں اور خاص کر پبلک تعلقات (Public Dealings) کے محکموں سے کرپشن (Corruption) خود بخود ختم ہوجائے گا ۔ صرف سخت قوانین بنانے سے رشوت میں کمی نہیں بلکہ اور اضافہ ہوگا اور اگر اتفاق سے کوئی شخص رشوت لیتے ہوئے پکڑا بھی گیا تو رشوت دے کر چھوٹ جائے گا ۔ خدا شاہد ہے سادگی ، خود احتسابی ، خدا ترسی اور جزاء و سزا پر کامل ایمان ہی ہمارا علاج ہے ۔ غیروں کی عیب جوئی کے بجائے اپنے عیوب پر نظر رکھیں ، خود احتسابی سے کام لیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل کریں ۔ ابھی تو ہمارا یہ عالم ہے کہ

بآیاتش ترا کارے جز این نیست
کہ از یسین او آساں بمیری
(علامہ اقبالؒ)

اسلامی تعلیمات پر چل کر ہی ہم ترقی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں ۔ کاش

ہم یہ راہ اپنالیں ورنہ قعرِ مذلت ہمارا انتظار کررہا ہے ۔ خدا ہم سب کو توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

وما علینا الا البلاغ

عاصی

علی اکبر رضوی

نومبر ۱۹۹۴ء

بی ۸۱، کے ڈی اے، 1 - A ، کراچی ۷۵۳۵۰

فون : ۴۹۳۲۷۵۰ (منزل)

کتابیات

(سفرنامۂ "سرزمینِ انقلاب" کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ۔)

۱) دیوانِ امام خمینیؒ — مؤسسہ تنظیم و نشرِ آثارِ امام خمینیؒ (چاپ اول)

۲) گلہائے عرفان — انجمنِ فارسی ، اسلام آباد (طبع اول)

۳) دیوانِ عطارِ نیشاپوری — انتشاراتِ فخررازی

۴) دانش — شمارہ ۳۵ دسامبر ۱۹۹۳م

۵) رباعیاتِ حکیم عمرخیام — چاپ و انتشاراتِ اقبال ، تہران

۶) نامہ ہدایت — مقدمہ ای برآشنائی باقرآن
دکتر محمد مہدی رکنی

۷) راہنمائے خراسان — دکتر علی شریعتی

8) BEHIND IRANIAN LINES — BY JOHN SIMPSON

9) MILITANT ISLAM — BY G. H. JOHNSON

۱۰) فردوسی نامہ — دکتر محمد حسین تسبیحی رہا

۱۱) رہنمائے سیاحتی جمہوری اسلامی ایران — وزارتِ ارشادِ اسلامی

12) A REVIEW OF ACTIVITIES IN ASTAN-E-QUDS RAZAVI — PUBLIC RELATION OFFICE OF A.Q.R.

13) TOURIST GUIDE OF IRAN — TOURISM OFFICE OF CULTURE & ISLMIC GUIDANCE

14) THE MUSLIM WORLD TODAY BY S. AMJAD ALI — NATIONAL HIJRA COUNCIL OF PAKISTAN

15) THE RETURN OF AYAT OLLAH — MOHAMMAD HEIKAL, LONDON

کوہ قاف کے اِس پار

(سفر نامہ)

الحاج سید علی اکبر رضوی

○

تاجکستان اور ازبکستان کے سفر کی دلچسپ روداد

○

خوبصورت چہار رنگی سرورق، کمپیوٹرائزڈ کتابت اور رنگین تصاویر سے مزین

قیمت ڈیڑھ سو روپے

پیشکش

ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ، کراچی
B-81, K.D.A. 1-A, Karachi. 75350
Ph. Res : 493675

ہماری تیسری پیشکش

(زیرِ اشاعت)

سرزمین حجاز

(سفرنامہ)

الحاج سید علی اکبر رضوی

○

سرزمینِ حجازِ مقدس کے جغرافیائی حالات، اس کی قدیم و جدید تاریخ، مقدس مقامات کی تفصیل اور متعدد رنگین تصاویر

پیشکش

ادارۂ ترویج علومِ اسلامیہ، کراچی

B-81, K.D.A. 1-A, Karachi, 75350

Ph. Res : 493675

کتاب و طباعت کی دنیا میں ایک نہایت معتبر نام

جاوداں

(لیزر کمپوزرس اینڈ پبلشرز)

جناب سید علی اکبر رضوی

کا سفر نامہ

سر زمینِ انقلاب

جاوداں کے نظامِ کتابت و تزئین و طباعت پر چھپا ہے۔

جاوداں

کی کمپیوٹرائزڈ کتابت پر ہر طرح کی منظوم و منثور کتابوں کے علاوہ اردو کا معروف علمی و ادبی مجلہ ماہنامہ طلوعِ افکار اور خبرنامہ اردو انٹرنیشنل بھی چھپتا ہے۔

جاوداں

کی علمی و ادبی مطبوعات

کوہ قاف کے اِس پار	سفر نامہ	سید علی اکبر رضوی	۱۵۰/-
سرزمینِ انقلاب	سفر نامہ	سید علی اکبر رضوی	۲۰۰/-
لفظوں کے گلاب	منظوم تراجم	اطہر راز	۱۰۰/-
مشرق وسطیٰ میں اردو		قمر حیدر قمر و احباب	۲۲۰/-
موج موج تشنگی	شعری مجموعہ	اصغر مہدی نظمی	۱۰۰/-
امکان	شعری مجموعہ	مسلم شمیم	۲۰۰/-
بیادِ غالب	طرحی غزلیں	اطہر رضوی	۳۰۰/-

زیرِ اشاعت

دیپ سے دیپ جلے	شعری مجموعہ	ترغیب بلند نقوی	مجلد
مولانا محمد باقر شمس	فن اور شخصیت	حسین انجم	مجلد
حرفِ جنوں	شعری مجموعہ	حسین انجم	مجلد
احتشام حسین	فکر و فن	ڈاکٹر شکیل نوازش رضا	مجلد
کلام نثار بیانوی	شعری مجموعہ	مرتبہ قمر حیدر قمر	مجلد
دنیا کے عظیم شعراء	انتخابِ کلام	اطہر راز	مجلد